﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (الحجر:87)

حُسنُ الخِطاب

تفسیر

اُمّ الکتاب

www.KitaboSunnat.com

مؤلف

شیخ الحدیث حافظ محمد عباس انجم گوندلوی حفظہ اللہ

جامع مسجد صدیقیہ اہلحدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

انتساب

ہر طالب دین کے لیے جو قرآن و حدیث کی ضوء افشانی سے
راہِ حق کا متلاشی ہے اور راہِ راست پر گامزن ہو کر
جنت کے دلکش محلات کا وارث بننا چاہتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

❁ مؤلف کے حالات زندگی 17

❁ ضروری باتیں 23

❁ قرآن پاک کی طباعت کا آغاز 27

❁ مقدمۂ تفسیر 28

❁ قرآن پاک کی تعریف 30

❁ لغوی تعریف 30

❁ فقہاء نے جو تعریف کی ہے 30

❁ جمع وتدوین قرآن پاک کا مرحلہ 33

❁ اس کی سند پر اعتراض 34

❁ اس کا حل 34

❁ وضاحت 37

❁ اہم نکتہ 37

❁ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خراج تحسین 37

❁ قرآن پاک کی حفاظت دور عثمان t میں 38

❁ وضاحت نمبر ا 38

❁ ایک اعتراض 39

❁ اس کا حل 40

❁ آیات اور سورتوں کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی 41

❁ قرآن پاک کی ترتیب نزولی 43

❁ ایک اعتراض 45

❁ اس کا جواب 46

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- ❁ آیات اور سورتوں کی تعداد اور ان کے معانی 48
- ❁ اہم نکتہ 49
- ❁ کلمہ کی تعریف 49
- ❁ حرف 49
- ❁ قرآن پاک کی سورتوں اور آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت 50
- ❁ اہم نکتہ 50
- ❁ قرآن پاک میں تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی 51
- ❁ ایک اہم نکتہ 52
- ❁ قرآن مجید میں حروف تہجی کی تعداد کا شمار 53
- ❁ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر قرآن پاک کی گواہی 55
- ❁ ایک اعتراض 56
- ❁ آپ کی تعلیم سے نبوت کا ثبوت 58
- ❁ وحی کی تعریف 59
- ❁ وحی کی ضرورت 60
- ❁ حدیث کا مقام قرآن کی نظر میں 63
- ❁ اعتراضات کے جوابات 64
- ❁ مثالیں 65
- ❁ مفسرین کے طبقات 67
- ❁ قرآن پاک کی تفسیر 68
- ❁ تفسیر کا لغوی معنی 68
- ❁ قرآن پاک کی تفسیر کے طریقے 69
- ❁ قرآن پاک کی سات قراُتوں کی وضاحت 72
- ❁ سات حرفوں کی وضاحت 73
- ❁ سات قراءتوں سے زائد قراءتوں کا ذکر 76
- ❁ اسرائیلی روایات کا حکم 79

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- رائے کے ذریعے تفسیر کا حکم 81
- ہر آیت کے ظاہر و باطن کا مطلب 83
- اسباب نزول یا شان نزول کی اہمیت 85
- قرآن پاک کے نقطے، حرکات، اجزاء اور منزلیں وغیرہ کا بیان 87
- رموز و اوقاف 88
- تنبیہ 89
- قرآن پاک میں نسخ کا مسئلہ 91
- ایک شبہ کا ازالہ 92
- ایک اعتراض 93
- اس کا حل 93
- آیات منسوخہ کی تعداد 93
- قرآن کریم میں نسخ کی اقسام 94
- نسخ کا انکار 94
- نسخ کا ثبوت 94
- گمراہوں کے نظریات سے خبردار رہیں 95
- فلسفیوں کی گمراہی 99
- فلسفیوں کی توحید کی خامیاں 100
- فلسفیوں کے نزدیک پیدائش کا سلسلہ 101
- وحی اور نبوت کے بارے میں فلاسفہ کی غلطی 101
- جسمانی حشر 102
- یورپ کے فلسفیوں کے نظریات کی تردید 103
- نظریۂ ارتقا پر بحث 104
- نیچریوں کا تعارف اور ان کا رد 104
- فرقہ آریہ کے اعتراضات 106
- انتباہ 106

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ قرآن پاک میں تدبر کی اشد ضرورت ہے 107

❁ قرآن پاک کی بعض خصوصیات 110

❁ قرآن پاک کے فضائل اور آداب تلاوت 117

❁ سورۂ فاتحہ کی تفسیر.................... 120

❁ تفسیر کا لغوی معنی.................... 120

❁ سورۂ فاتحہ کے نام.................... 120

❁ اس کی آیات کی تعداد.................... 121

❁ سورۂ فاتحہ کے فضائل.................... 121

❁ تعوذ 122

❁ لغت 122

❁ تعوذ کے فوائد 124

❁ سورۂ فاتحہ کا مقام نزول.................... 126

❁ سورۂ فاتحہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے.................... 128

❁ نماز میں سورۂ فاتحہ کی اہمیت 131

❁ سورۂ فاتحہ اور نماز میں مناسبت ہے 134

❁ سورۂ فاتحہ غیر ضروری قرار دینے والوں کے دلائل کا جائزہ.................... 137

❁ اس کا حل.................... 137

❁ نماز میں سورۂ فاتحہ فرض نہ قرار دینے والوں کی دوسری دلیل 140

❁ سورت فاتحہ نماز میں نہ پڑھنے کی ایک اور دلیل کا جائزہ 141

❁ نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی تیسری دلیل کا جائزہ.................... 142

❁ امام بخاری رحمہ اللہ کا تبصرہ.................... 143

❁ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے منع کرنے والوں کی چوتھی دلیل کا جائزہ 144

❁ بسم اللہ میں بلاغت کے نکات 145

❁ مزید لفظی وضاحت 146

❁ بسم اللہ کے متعلق چند اہم فوائد 147

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

- بسم اللہ پڑھنے کے مستحب مقامات 150
- انتباہ 151
- لفظ اللہ کی وضاحت 155
- اللہ تعالیٰ کے نظر نہ آنے کی حکمت 158
- اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ 160
- رحمٰن اور رحیم کا فرق 163
- رحمان اور رحیم میں وجہ مشترک 165
- الرحمٰن عربی لفظ ہے 165
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تفسیری نکات 166
- ایک سوال 168
- اس کا حل 168
- ایک تکلف 168
- رحمٰن اور رحیم سزا کیوں دیتا ہے؟ 168
- ایک پادری کے چند اعتراضات کے جوابات 170
- اعتراض کا حل 170
- اعتراض نمبر ۲ 171
- اعتراض نمبر ۲ کا حل 171
- اعتراض نمبر ۳ 171
- اعتراض نمبر ۳ کا حل 172
- مثال نمبر ۲ 172
- اعتراض نمبر ۴ 172
- نمبر ۴، اعتراض کا حل 173
- لغت وصرف 174
- تشریح 174
- مفسرین کی وضاحت 176

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- اللہ ہی حمد کے لائق ہے، کی چند وجوہ 180
- نعمت اور حمد 181
- نہایت اہم سوال 183
- اس کا حل 183
- نمبر ۲، اہم وضاحت 183
- اہم نکتہ 184
- اعراب کے متعلق اہم بات 184
- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے فضائل احادیث کی روشنی میں 185
- ایک مسئلہ کی وضاحت 185
- اہم نکتہ 186
- نمبر ۲، اہم نکتہ 187
- نمبر ۳، اہم نکتہ 187
- ۴، اہم بات 187
- معرفت الٰہی 189
- مفسرین کرام کی آراء 190
- لفظ رب کے اعراب کی وضاحت 193
- "الْعٰلَمِیْنَ" اس بارے میں مفسرین کی آراء 194
- الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تکرار سے لانے کی حکمت 198
- رحمت و ربوبیت کے دونوں اکٹھے آنے کے چند مقامات قرآنی 200
- اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اور صفت محبت کا موازنہ 205
- رحمانیت اور رحیمیت کے متعلق اہم علمی نکتہ 206
- لغت اور صرف ونحو 207
- قراءت کا اختلاف 208
- مختصر مطلب 209
- مفسرین کی تشریحات 209

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ یوم الدین کا تعین 211

❁ اہم نکتہ 211

❁ شہنشاہ کہلوانے کی صفت 214

❁ روز جزاء کی مقدار 216

❁ جزاء وسزا پر عقلی دلائل 218

❁ قیامت کے بپا ہونے پر شرعی دلائل 220

❁ جھوٹی نبوت کی شوخی 221

❁ جھوٹی نبوت کی تحریف 222

❁ قیامت کے دن کے چند نام 222

❁ اعمال پر جزاوسزا کا مرتب ہونا ایک فطرتی بات ہے 223

❁ برے اعمال پر بری جزا کی نحوست 224

❁ دنیا کی سزا جزوی ہے 226

❁ برائی پر دنیا میں سزا بھی ملتی ہے 229

❁ موت کی غشی کے وقت بھی جزوی جزاوسزا ہے کلی نہیں 230

❁ قبر میں بھی جزوی عذاب وثواب ہے 231

❁ برزخ میں جزوی عذاب کی دلیل 232

❁ ایک شبہ جو دفن نہیں ہوتے ان کو عذاب قبر کیسے ہوتا؟ 232

❁ اس شبہ کا ازالہ 232

❁ کلی فیصلہ روز قیامت ہوگا 233

❁ وزن اعمال کی بحث 235

❁ وزن اعمال کا حدیث سے ثبوت 236

❁ وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ 236

❁ اس شبہ کا ازالہ 236

❁ وزن اعمال کے بعد نتیجہ جنت یا دوزخ 237

❁ چند جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کا موازنہ 238

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- جنت اور دوزخ کے منکروں کے اعتراضات 238
- اس پر تبصرہ 239
- جسمانی حشر کے دلائل 239
- جسمانی حشر کی دلیل قرآن سے 240
- جسمانی حشر کی دلیل حدیث سے 241
- جسمانی حشر کی دلیل عقل سے 242
- تناسخ کا عقیدہ 243
- انتباہ! 243
- آیت ۴ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کی تشریح 244
- ترکیب 244
- بلاغت 244
- خلاصۂ آیت 245
- مفسرین کی آراء 245
- سابقہ آیات سے ربط 245
- اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں اہم نکتہ 245
- صوفیا کی غلط بات 246
- اس کا حل 246
- اسلامی عبادات روحانیت کے ساتھ صحت افزا بھی ہیں 247
- پادری کا اعتراض کہ اِیَّاكَ میں غیبت سے خطاب ہے 247
- اس کا حل 247
- پادری کا اعتراض کہ ایاک نعبد، یہ آیت بائبل سے ماخوذ ہے 247
- اس کا حل 248
- یہ آیت مبارکہ سورۂ فاتحہ کے علوم کا خلاصہ ہے 251
- نبی ﷺ اللہ سے مدد مانگتے ہیں 253
- آیت کے مفہوم میں تحریف 253

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ مسئلہ 254
❁ بزرگوں اور اولیاء وانبیاء سے مدد مانگنے کی وضاحت 254
❁ ان دلائل کا جائزہ 254
❁ ایمان افروز تبصرہ 257
❁ جائز وسیلہ کی صورتیں 257
❁ آیت کے مفہوم پر میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا جاندار اور روح پرور بیان 258
❁ ہندوؤں کے نزدیک عبادت کا تصور 258
❁ آیت نمبر ۵ ﴿اِهْدِنَا﴾ الخ کی تشریح 259
❁ ترکیب 259
❁ بلاغت 259
❁ قراءت 259
❁ خلاصۂ آیت 259
❁ مفسرین کی آراء 260
❁ ایاک نعبد سے ربط 260
❁ صراط مستقیم 261
❁ اعتراض نمبر ۴ 262
❁ اس کا حل 262
❁ صراط مستقیم کی چند جھلکیاں 262
❁ سنت، ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے 263
❁ صراط مستقیم کی وضاحت حدیث سے 266
❁ قادیانی نے صراط مستقیم سے بھٹک کر اپنی تباہی کا سامان کیا 266
❁ ہندوازم اور تلاش حق 267
❁ اسلام نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی 267
❁ دعا کے متعلق سرسید احمد خاں کی غلط تاویل 267
❁ اس غلط تاویل کا جواب 268

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

- آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں تحریف 269
- اس کی تصحیح 269
- آیت ۷ کی تفسیر 271
- حل لغات 271
- اس آیت کی بلاغت 271
- ایک اہم بات 272
- قراءت 272
- خلاصۂ آیت 273
- مفسرین کی وضاحتیں 273
- انتباہ 275
- عدی بن حاتم کا واقعہ 277
- زید بن نفیل کا عبرت آموز واقعہ 278
- عمدہ علمی نکات 279
- ظاہر و باطن نعمتیں 281
- غضب کے اسباب 282
- ضلالت 283
- علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی ایمان افروز نصیحت 284
- سیدھا راستہ ملنے کا معیار کیا ہے 285
- قرآن پاک کا عیسائیوں پر احسان اور نبی ﷺ نے اعتدال کی راہ اختیار کی 287
- غلط تفسیر 288
- اس کی تصحیح 288
- ایک نام نہاد مفسر جو کہ منکر حدیث ہے کی تحریف 289
- ہندو مذہب بھی انعام یافتہ لوگوں کی راہ نہیں 289
- سورۂ فاتحہ کی تفصیل کا خلاصہ 291
- اس میں قدریہ فرقہ کی تردید ہے 291

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تفسیر حسن الخطاب شرح اُمّ الکتاب

❁ سورۂ فاتحہ کے متعلق اختتامی کلمات 293

❁ آمین کی بحث 295

❁ آمین کہنے کی فضیلت 296

❁ نماز میں بلند آواز سے آمین کہنے کے دلائل 297

❁ خانہ کعبہ کی آمین 298

❁ ان چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام جو کہ آمین بالجہر کے قائل تھے 299

❁ تابعین کے اسمائے گرامی 299

❁ احناف کے حدیث دان فقہاء جو آمین بالجہر کے قائل تھے 299

❁ آمین بالجہر کی حکمت 300

❁ خفیہ آمین کرنے والوں کے دلائل کا جائزہ 300

❁ اس کا حل 300

❁ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ سے مرزا قادیانی کے استدلال کہ نبوت جاری ہے کا جائزہ 302

❁ مرزائیوں کا صراط الذین سے استدلال 302

❁ اس غلط استدلال کی تردید 302

❁ نبوت دعاء سے نہیں ملتی یہ اللہ کی عطاء ہے 303

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مؤلف کے حالاتِ زندگی

(از محمد اسحاق بھٹی)

حافظ محمد عباس انجم......(ولادت ۸۔اپریل ۱۹۵۷ء)

غالباً ۱۹۷۷ء کی بات ہے، رمضان المبارک سے دو تین دن پہلے میں حضرت الاستاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نماز تراویح کے لیے ایک حافظ کا انتظام کر لیجئے۔ انہوں نے دوسرے دن جن حافظ صاحب کو بھیجا ان کا حلیہ یہ تھا: اکیس بائیس سال کے نوجوان، چھریرا بدن، سرخی مائل گورا رنگ، تیکھے نقوش، چہرے کے سارے رقبے پر پھیلی ہوئی سیاہ داڑھی۔ معصوم سی شکل، شلوار قمیص پہنے ہوئے۔ نرم لہجے میں بولے میرا نام محمد عباس انجم ہے۔ ضلع گوجرانوالا کے قصبہ گوندلاں والا کا رہنے والا ہوں۔ آج کل لاہور کے اخبار ''پاکستان'' میں تھوڑی سی تنخواہ پر کام کرتا ہوں۔ بیڈن روڈ پر اخبار کا دفتر ہے۔ میں سورج غروب ہونے سے پہلے یہاں آیا کروں گا۔ روزہ یہیں افطار کیا جائے گا۔ رات بھی یہیں رہوں گا۔ سحری کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر اور کچھ دیر سو کر اپنے دفتر چلا جایا کروں گا۔ رمضان کا پورا مہینہ یہی معمول رہے گا۔

میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ آپ کے یہاں رہنے، ہمارے ساتھ روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے سے ہمیں خوشی ہوگی۔

اس طے شدہ معاہدے کے مطابق پورا مہینہ حافظ محمد عباس انجم کا یہی معمول رہا۔ رمضان کی ستائیسویں یا اٹھائیسویں رات کو انہوں نے قرآن مجید ختم کیا اور اس سے دوسرے دن تشریف لے گئے۔ اس کے بعد اس طرف ان کا آنا نہیں ہوا۔

اپنے متعلق انہوں نے جو واقعات لکھ کر مجھے بھیجے ہیں، ان میں اس واقعہ کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ''سرمایہ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ ''الاعتصام'' کے دفتر تشریف لائے اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ سے کہا، رمضان آ رہا ہے۔ ہمارے گھر سانده میں تراویح کے لیے حافظ چاہیے۔ مولانا نے مجھے بھیجا تو میں نے بھٹی صاحب اور ان کے اہل خانہ کو نماز تراویح پڑھائی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

فراغت پر بھٹی صاحب نے با قاعدہ خدمت کے ساتھ مجھے رخصت کیا''

اس سے آگے لکھتے ہیں!

''بھٹی صاحب کو اللہ تعالیٰ صحت و عافیت سے نوازیں۔ ان کی یادداشت کا واقعہ بھی سناتا ہوں۔ وہ گوجراں والا میں کسی جنازے پر تشریف لائے۔ میرے اندازے کے مطابق کم از کم پندرہ برس بیت چکے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی عرصہ ہوگا۔ پھر درمیان میں کوئی رابطہ بھی نہیں تھا۔ میں نے عرض کی بھٹی صاحب آپ نے مجھے پہچان لیا؟ فرمایا لو: آپ تو ہمارے امام حافظ محمد عباس ہیں۔''

محمد عباس انجم ضلع گوجراں والا کے قصبہ گوندلاں والا میں ۸۔ اپریل ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد رفیق ہے اور دادا کا اسم گرامی مستری قائم دین تھا۔ محمد عباس انجم نے ہوش سنبھالا تو اپنے دادا کو دیکھا کہ وہ زمین داروں کے ہلوں کے پھالے بناتے، درانتیوں کے دندانے تیز کرتے اور اسی قسم کے کئی دوسرے کام کرتے تھے۔ والد کی آٹا پیسنے کی چکی اور روئی دھننے اور چاول چھڑنے کی مشین تھی۔ اس طرح محنت مزدوری سے گھر کے خرچ اخراجات کا سلسلہ چلتا تھا۔ ان کے والد اللہ کے فضل سے زندہ ہیں اور کچھ عرصہ سے انہوں نے آٹا پیسنے کی چکی وغیرہ کا کام چھوڑ دیا ہے اور اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ مشینری کی خرید وفروخت کا کام کرتے ہیں۔

ان کے دادا مستری قائم دین کو جو زمین داروں کا کام کرتے تھے، اس کا معاوضہ سال بھر کے بعد گندم کی گانٹھوں کی صورت میں ملتا تھا، جو وہ کھیتوں سے سر پر اٹھا کر کھلیان میں لاتے تھے۔ پھر ان پر پھلے چلاتے اور ان سے گندم کے دانے نکال کر لایا کرتے تھے۔ جانوروں کے لیے چارہ بھی لایا جاتا تھا۔ اس سارے کام میں محمد عباس اپنے دادا کے ساتھ ہوتے اور ان کی مدد کرتے۔ اب انہیں تعلیم کے لیے سکول میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ سکول سے واپس آ کر یہ دادا کے علاوہ آٹے کی چکی کے کام میں والد کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔

حافظ محمد عباس کے گھرانے تک تمام لوگ مرد اور عورتیں نماز روزے کے پابند اور سخت قسم کے توحید پرست تھے۔ ان کے دادا مستری قائم دین تہجد گزار تھے اور آدھی رات اللہ سے دعا کرتے ہوئے اس قدر روتے کہ ہچکی بندھ جاتی اور اس کی آواز سب گھر والوں کو سنائی دیتی۔ والد نے قرآن نہیں پڑھا، لیکن نہایت متدین اور اللہ کی واحدانیت پر یقین رکھنے والے ہیں۔ دادا، دادی، نانی، والدہ، پھوپھی سب باقاعدہ قرآن مجید پڑھتے۔ ان میں سے بعض خواتین نے محلے کی بہت سی عورتوں کو قرآن مجید پڑھایا بھی

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ محدث کا گاؤں بھی وہی ہے جو مستری قائم دین کا ہے۔ یعنی گوندلاں والا۔ یہ دونوں چھوٹی عمر میں گاؤں میں اکٹھے ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اکٹھے کھیتوں میں اپنے مویشی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چراتے تھے۔ اس لیے دونوں کا آپس میں بڑا تعلق تھا اور دونوں ابتدائی عمر سے عمل خیر کی طرف راغب تھے۔ پھر آگے چل کر حضرت حافظ صاحب باقاعدگی سے تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ لیکن مستری قائم دین کو یہ مواقع میسر نہ آئے اور وہ مزدوری کرنے لگے۔

فجر کی نماز کے بعد مستری قائم دین چارپائی پر بیٹھ جاتے اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ باترجمہ قرآن کی تلاوت کرتے۔ حضرت حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ کی پنجابی اشعار کی کتابیں اس زمانے کے پنجاب میں بہت پڑھی جاتی تھیں۔ ان کی تفسیر محمدی جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، پنجاب کے لوگوں میں بڑی مقبول تھی اور بے حد شوق اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ مستری قائم دین بھی باقاعدہ سے غور سے پڑھتے تھے، فرمایا کہ اس تفسیر کے مصنف حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ کی احوال الآخرت یا تفسیر محمدی کا کوئی شعر سناتے اور کہتے: یہ ایک شعر لاکھ روپے کا ہے۔ اس طرح بچپن میں یہ اپنے دادا کے ساتھ کام میں مصروف رہتے۔

سکول کی تعلیم کے زمانے میں یہ قرآن بھی حفظ کرتے تھے۔ جس دن انہوں نے قرآن مجید کے چار پارے حفظ کیے، اسی دن ان کا پانچویں جماعت کا نتیجہ نکلا اور یہ کامیاب ہوئے۔ اب انہوں نے والدین سے کہا کہ میں سکول میں پڑھوں گا یا قرآن حفظ کروں گا، ان میں سے ایک کام ہوگا، بیک وقت دو کام نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے کہا تم وہی کرو جو تمہارا جی چاہتا ہے۔ جواب دیا میں قرآن حفظ کرنا چاہتا ہوں۔

دادا نے کہا، سوچ لو۔ قرآن تب یاد رہتا ہے جب رات کی نیند بھی ختم ہو جائے اور دن کا آرام بھی۔ کہا ان شاء اللہ میں ضرور قرآن یاد کروں گا۔ پھر اللہ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ قرآن مجید حفظ ہو گیا۔ ان کے دادا ان سے بہت پیار کرتے اور ان پر نظر عنایت رکھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میرا یہ پوتا حافظ قرآن بھی ہو اور عالم فاضل بھی ہو۔ یہ بھی دادا کے فرماں بردار تھے۔ ان کی تمنا اللہ نے پوری فرما دی۔ یہ حافظ قرآن بھی ہو گئے اور عالم بھی ہو گئے۔

اب ابتدائی دور سے حفظ قرآن تک کے اساتذہ گرامی کے متعلق سنیے:

انہوں نے سب سے پہلے قاعدہ مولانا محمد اسلم گوندلوی رحمہ اللہ سے پڑھا۔ اس کے بعد ناظرہ قرآن مجید شاہ عبدالحئی مرحوم سے پڑھا اور پھر نصف قرآن قاری ریاض الحق رحمہ اللہ سے گوندلاں والا کی مسجد ٹھیکے داراں میں پڑھا، جہاں حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کا مدرسہ قائم تھا۔ قاری ریاض الحق سے چار پارے حفظ بھی کیے۔ پھر یہی قاری صاحب اپنے اس شاگرد کو حفظ قرآن کے لیے گوجراں والا کی جامعہ الاسلامیہ میں قاری محمد یحییٰ بھوجیانی رحمہ اللہ کے ہاں لے گئے۔ وہاں حفظ قرآن کا انتظام نہیں تھا، تاہم انہوں نے وہیں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی رہائش وہاں اپنے تایا کے گھر میں تھی۔

حفظ قرآن کے بعد قاری محمد یحییٰ بھوجیانی مرحوم نے ان کے گھر جا کر ان کے والدین سے کہا کہ یہ بچہ پڑھنے میں تیز ہے اور پڑھنا چاہتا بھی ہے، اسے کام میں لگا کر ضائع نہ کرو۔ اس کو درس نظامی کی پوری تعلیم دلاؤ۔ چنانچہ انہیں جامعہ اسلامیہ میں داخل کرا دیا گیا اور یہ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ جامعہ اسلامیہ میں انہوں نے حضرت حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابو البرکات احمد رحمہ اللہ مدراسی، حافظ محمد الیاس اثری ﷾اور قاری محمد یحییٰ بھوجیانی رحمہ اللہ سے درسی کتابیں پڑھیں اور تقریباً بیس سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔

جامعہ اسلامیہ میں ان کے ہم درس تھے، شیخ القراء قاری محمد ادریس عاصم (لاہور)، حافظ ثناء اللہ زاہدی (صادق آباد) پروفیسر حافظ عبد الستار حامد (وزیر آباد) پروفیسر محمد اسلم (ریحان چیمہ رحمہ اللہ)، مولانا محمد ارشد (بیگم کوٹ)، مولانا محمد بشیر رحمہ اللہ (گجرات) اور بعض دیگر حضرات!

جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد مزید تعلیم کے لیے یہ مدینہ یونیورسٹی میں داخل ہونا چاہتے تھے، لیکن گھر کے مالی حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ والد صاحب نے کہا کوئی کام کرو اور گھر کی گاڑی چلاؤ۔ انہوں نے کتابت سیکھی اور بھی کئی قسم کے کام کرنے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بعض مقامات پر امامت و خطابت کی کوشش بھی کی۔ آخر گوجراں والا کے علاقہ ماڈل ٹاؤن کی مسجد صدیقیہ میں خطابت و امامت کا سلسلہ شروع کیا جو بیس اکیس سال سے جاری ہے۔ اب تقریباً ۳۷ برس ہو گئے ہیں۔ جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ میں تدریس کا موقع بھی مل گیا۔ بچیوں کے بعض مدارس میں بھی فریضہ تدریس انجام دیا۔ جامعہ اسلامیہ گوجراں والا میں تیرہ چودہ سال ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ترجمہ و تصنیف کا کام بھی ہونے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور آہستہ آہستہ حالات بدل گئے اور پریشانی کا دور ختم ہو گیا۔

جامعہ محمدیہ میں جن علماء و طلباء نے ان سے تعلیم حاصل کی، ان کی طویل فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں۔ مولانا میاں محمد افضل، مدیر ماہنامہ صدائے اسلامک فاؤنڈیشن حافظ فاروق الرحمن یزدانی مدرس جامعہ سلفی فیصل آباد و مدیر ماہنامہ ترجمان الحدیث، مولانا محمد مالک بھنڈر، مدرس جامع مکرم گوجراں والا، حافظ ذوالفقار علی مدرس جامع ابوہریرہ لاہور، مولانا محمد خالد بشیر مرجالوی جامعہ محمدیہ گوجراں والا، حافظ عبد المنان راسخ فیصل آباد اور دیگر بہت سے حضرات۔

ان کے ترجمہ و تصنیف کا سلسلہ اس طرح سے ہے۔

(۱) تفہیم الاسلام شرح بلوغ المرام دو جلدوں میں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۲) پیغمبر امن ﷺ
(۳) جواہر اسلام
(۴) مقالات گوندلوی
(۵) گناہ چھوڑنے کے انعامات
(۶) جناتی اور شیطانی چالوں کا توڑ
(۷) الادب المفرد کی شرح
(۸) آسمان رسالت کے درخشندہ ستارے
(۹) تفسیر خواتین: یہ کتاب ان آیات کی تفسیر پر مشتمل ہے جو خواتین سے متعلق ہیں۔
(۱۰) جمع الفوائد: چار جلدوں میں (اب یہ اردو شرح کے ساتھ سات جلدوں میں چھپ چکی ہے)
(۱۱) جرابوں اور پگڑی پر مسح
(۱۲) صحیح احادیث کی روشنی میں سیرت نبوی ﷺ
(۱۳) تداوی بالقرآن: (ان کے علاوہ انہوں نے اور کتابیں بھی تصنیف کیں اور بعض عربی کتابوں کے اردو میں ترجمے کیے۔ ان میں سے بعض چھپ گئی ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔
(۱۴) آنسو رسول اللہ ﷺ کے۔
(۱۵) رسول اللہ ﷺ کی مسکراہٹیں
(۱۶) ادائیں محبوب
(۱۷) گناہوں کی دلدل میں
(۱۸) جنت کی شہزادیاں
(۱۹) شرعی دم
(۲۰) جادو بیماری پریشانی کا حل
(۲۱) مختصر بخاری کے فوائد
(۲۲) خطبات عبداللہ شیخوپوری
(۲۳) تہمت کی تباہ کاریاں
(۲۴، ۲۵) زیر طبع حسن الخطاب شرح ام الکتاب (سورت فاتحہ کی تفسیر)
(۲۶) زیر طبع شرح ریاض الصالحین (دو جلدوں میں)
(۲۷) زیر تالیف تنویر المنہاج شرح مسلم بن الحجاج
(۲۸) زیر تالیف تفسیر القرآن

حافظ محمد عباس انجم کی شادی ان کے تایا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ سب سے پہلی اولاد بیٹا تھا، جس کا نام محمد عمر رکھا، وہ معذور تھا، نہ اٹھ سکتا تھا، نہ بیٹھ سکتا تھا۔ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ ایک بیٹی بھی معذور تھی جو سات سال کی عمر میں فوت ہوگئی۔ اس کے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی جو ماشاء اللہ بیٹے بیٹیوں والی ہے۔ حافظ صاحب کے ایک بیٹے کا نام ابوبکر ہے۔ وہ حافظ قرآن اور درس نظامی کے فارغ ہیں۔ گوجراں والا کی ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں خطیب ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ ان سے چھوٹی ایک بیٹی ہے۔ یعنی ان کی اولاد اب ایک بیٹا ہے اور دو بیٹیاں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے گھریلو حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ بعد عسر یسرا والا معاملہ ہے۔

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا، پندرہ بیس برس کے بعد ان سے گوجراں والا میں ایک جنازے میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت انہوں نے مجھے اپنے گھر لے جانے اور کھانے کے لیے بہت اصرار کیا، لیکن میں نے معذرت کی اور واپس لاہور آ گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے اہل وعیال کو خیر و عافیت سے رکھے۔ آمین

(یہ سطور ۲۹۔ اپریل ۲۰۱۳ء کو لکھی گئیں)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضروری باتیں

از محمد عباس انجم گوندلوی

اس دھرتی پر جب انسانیت درندگی کا روپ دھار چکی تھی، شرک و بدعت کے طوفان توحید وسنت کے نقوش کو مٹا رہے تھے۔ ظلم وطغیانی نے زمین پر سیاہ رات برپا کر رکھی تھی۔ شراب نوشی اور رقص وسرود میں مدہوش انسان اپنے پروردگار سے غافل ہو چکا تھا اور شہوت پرستی اور موج مستی نے سائبان تان رکھے تھے جن کے سائے میں عزتیں پائمال اور عصمتیں تار تار ہو رہی تھیں۔ نہ حقوق اللہ اور نہ ہی حقوق العباد کا کسی کو خیال آ رہا تھا۔ ہر شر کی جنگاری خرمن خیر کو خاکستر بنا رہی تھی۔ اور نہ ہی تورات یہودیت کی اصلاح کر رہی تھی، نہ ہی انجیل عیسائیت کے لیے سامان ہدایت فراہم کر رہی تھی اور قوم قریش اپنے زعم کے مطابق دین ابراہیمی پر عمل پیرا تھی، مگر یہ صرف نام نہاد دعویٰ تھا، حقیقت میں یہ دین ابراہیمی کا حلیہ بگاڑ چکے تھے۔ صحیح یہ تصور ہے کہ اس دھرتی پر عرب نے بھی اور عجم نے بھی اپنے کریم رب کو اپنے اعمال سے ناراض کیا ہوا تھا۔ ملک عرب میں کوئی نظام نہ تھا، نہ ہی ان کی سیاسی قوت تھی۔ جزیرۂ عرب انارکی کا شکار تھا، ان کی تہوں سے بے قراری کی سرکش موجیں اٹھ رہی تھیں۔ نہ جنت جیسے پر بہار اور عالی شان باغوں کی فکر اور نہ ہی دوزخ کے جان لیوا شعلوں سے بچنے کا کسی کو خیال تھا۔

اس سے بڑھ کر بھی کوئی سنگدلی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے پیغمبر صبح وشام ان کی نجات کی راہ تلاش کرتے ہیں، یہ ان کا مزاح اڑاتے ہیں اور یہ درست تھا ان کا ہر قدم اور ہر بول انہیں دوزخ کی کھائی میں گرا رہا تھا۔

پھر اس رحیم و کریم رب نے اپنی سرزمین کی طہارت اور یہاں کے باسیوں کی سعادت کے لیے کتاب نازل کی جو قرآن مجید ہے۔ یہ ایک ایسی پر تاثیر کتاب تھی جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی۔

جس نے بتایا امن و آشتی، نظم وضبط اور دنیا میں عزت وحکومت اور رعب و دبدبہ، جوش وجذبہ یہ صرف اور صرف میری تعلیمات سے حاصل ہوگا، جنہیں کوئی پوچھتا نہ تھا۔ اب دنیا ان سے پوچھ کر چلنے لگی، جو دوسروں کی غلامی میں جکڑے تھے، اب آزادانہ آقا کی مانند حکم دیتے تھے۔ جو نظم وضبط سے واقف نہ تھے، اب دنیا کی مہذب اور منظم قوم تھے۔ جنہیں لوگ خاطر میں نہ لاتے تھے، نظر اٹھا کر دیکھنا نہ چاہتے تھے اب زمانہ والے ان کے حکم کے منتظر تھے، اور ان کے جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ دنیا والے ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمہ تن گوش تھے اور اہل عرب کا مغرور رویہ جن لوگوں کو کلام کرنے کے قابل تصور نہ کرتا تھا، عرش معلیٰ کا مالک رب کبریا بذات خود ان پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ یہ تکبر و عصبیت سے لبریز سردار جن پر سرزمین مکہ میں اذیتوں اور مصائب و آلام کے پہاڑ گراتے رہے آج ان کی تسکین اور عزت افزائی کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہو کر ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔

ان کی معیشت کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے، زندگی فاقوں کی نذر تھی۔ اب یہ اتنے خوشحال ہیں کہ سینکڑوں اونٹ اور اشرفیاں راہ خدا میں پیش کر رہے ہیں اور جو قیصر و کسریٰ کے فرمانرواؤں کے سامنے نظریں بلند کرنے کی ہمت نہ پاتے تھے، اب یہ ان کے محلات میں داخل ہوتے ہیں اور ان کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر بات کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں کوئی بھی جزیرۂ عرب میں جانتا نہ تھا اور نہ ہی اہمیت دیتا تھا۔ اب یہ چین کی سرحدوں، ہندوستان اور افریقہ اور شام تک اپنی شجاعت کا جھنڈا لہرا رہے ہیں اور ان کے فتوحات کے قدم رکتے ہی نہیں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ وہ لوگ جو آخرت سے بے خبر تھے، اب رات کے سناٹوں میں روز قیامت کی مشکلوں اور دوزخ کے دلسوز انگاروں کے ذکر سے زار و قطار آنسو بہاتے ہیں۔

آہ! یہ جو اپنے پروردگار سے ناآشنا تھے، اب ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسی کی یاد میں بسر کرتے ہیں اور یہ ایسے اس سے مربوط ہوتے ہیں، نہ ظلم کے پہاڑ سے اور نہ ہی پتھروں کی سلوں سے اس رابطہ کو توڑا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! آپ یقین کریں، خدارا یقین کریں، یہ انقلاب صرف قرآن کریم نے پیدا کیا تھا۔

(۲) بات یہ ہے کہ یہ اقبال مندی اور سربلندی امت مسلمہ کو تب حاصل ہوئی جب یہ اس پر عمل پیرا تھی۔ اس عظیم الشان اور عظیم البرکت کتاب کے قانون کو اپنا کر یہ امت سیادت و قیادت کے بلند و بالا تخت پر براجمان رہی۔ مگر اب کچھ حالات بدل چکے ہیں۔ یہ نہیں کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے معدوم ہیں، نہیں رہے یہ تو اب بھی ہیں، مگر کچھ صدیوں سے لمحہ فکریہ یہ پیدا ہو چکا ہے کہ یہ قرآن صرف مردوں پر پڑھا جاتا ہے حالانکہ اسے زندوں کا پڑھنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس کی تلاوت سے حقیقی زندگی حاصل ہوتی ہے اور ایک افسوسناک یہ صورت ہے کہ اس کے ترجمہ و تفسیر کو شجر ممنوعہ قرار دیا جا رہا ہے۔ مشہور ہے کہ ''یہ قرآن رب کا راز ہے اسے راز ہی رہنے دیا جائے۔'' اس بات کا نقصان یہ ہے کہ مسجد میں قبر میں دفن شدہ ولی کو بلند آوازوں سے مدد کے لیے پکارا جاتا ہے مگر اسے یہ علم ہی نہیں کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴾ (الجن : ۱۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں ان میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔''

اسی طرح اکثر مسلمان شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلہ کرنا چھوڑتے جارہے ہیں اور یورپ کے خود ساختہ قوانین پر یقین رکھتے ہیں، حالانکہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ : ٤٤)

''اور جس نے اس چیز کے ساتھ فیصلہ نہ کیا جو اللہ نے اتارا ہے وہ کافر ہیں۔''

قرآن فہمی میں رکاوٹیں:

(۱):...... قرآن فہمی میں ایک تو یہ علم سے ناآشنا پیر اور خانقاہی نظام والے رکاوٹ ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے لکھا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے خدا بنے بیٹھے ہیں، اگر کسی کو قرآن کی سمجھ آجائے تو ان پر لوگوں کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اس لیے یہ طبقہ رکاوٹ ہے۔

(۲):...... آزاد منش حکمران بھی رکاوٹ ہیں کیونکہ جب لوگ قرآن پڑھیں گے تو ان کا کردار قرآن سے ٹکرائے گا، یہ رکاوٹ ڈالتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے ہمارے عیبوں پر پردہ رہے۔

(۳):...... بڑے بڑے زمینوں کے مالک جاگیردار رکاوٹ ہیں کیونکہ یہ اپنے ماتحتوں پر ظلم وستم کرتے اور ان کی تحقیر کرتے ہیں۔ اگر کوئی قرآن پاک جان لے گا تو اسے قرآن بتائے گا کہ انسان سب برابر ہیں، معزز ہیں، سب سے بڑا طاقتور صرف اللہ ہے تو یہ اپنی جھوٹی انا کی تسکین کی خاطر قرآن فہمی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

(۴):...... موسیقی اور آلات موسیقی یہ بھی قرآن فہمی میں رکاوٹ ہے۔ یہ شیطانی آواز قرآن سے لطف اندوز نہیں ہونے دیتی۔ کانوں میں قرآن کو بوجھ بناتی ہے۔

(۵):...... بات یہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں قرآن پاک کی تفاسیر ہیں اور دنیا کی ہر بولی جانے والی زبان میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب مفسرین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور قرآن پاک کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے۔ علمائے کرام نے صرف سورۂ فاتحہ کی بھی تفسیر رقم کی ہے۔ اردو میں ایک مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن ہے اور دوسری مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی واضح البیان ہے۔

راقم نے واضح البیان سے کافی استفادہ کیا ہے۔ ان مذکورہ تفاسیر کے علاوہ سورت فاتحہ کی تفسیر کرنے میں اور ہر آیت کی تفسیر کرنے میں تقریباً بیس تفاسیر کو سامنے رکھا ہے۔ خصوصاً (۱) تفسیر قرطبی، (۲) تفسیر روح المعانی، (۳) اضواء البیان (۴) خازن (۵) ابن کثیر (۶) ایسر التفاسیر (۷) تبیان القرآن (۸) معارف القرآن (۹) بیضاوی (۱۰) تفسیر ثنائی اردو (۱۱) تفسیر القرآن بکلام الرحمن (۱۲) برھان التفاسیر (۱۳) تدبر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

القرآن (۱۴) بیان القرآن (۱۵) تفسیر السعدی (۱۶) تفہیم القرآن (۱۷) زاد المسیر وغیرہ

اور ترکیب اور اعراب اور بلاغت کے نکات کے لیے اعراب القرآن مؤلف محی الدین الدرویش سے تعاون لیا ہے۔

اور اس تفسیر کا نام "**حسن الخطاب، تفسیر فاتحة الکتاب**" رکھا ہے۔ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ تفسیری نکات واضح ہوں اور عام فہم ہوں۔ آیات کی ترکیب اور نحوی نکات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ تاکہ اساتذہ استفادہ کر سکیں اور پھر قرآن پر یا سورۂ فاتحہ پر جو بھی غیر مسلموں اور دہریوں یا گمراہ فرقوں نے اعتراض کیے ہیں بحمد اللہ ان کے اطمینان بخش جوابات دیئے گئے ہیں اور تفسیر فاتحہ سے پہلے ایک مقدمہ ہے جو تقریباً اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے جس میں قرآن کے متعلقہ بہت اہم اور نادر معلومات ہیں جس کا مطالعہ ہر شعبہ کے افراد کے لیے ضروری ہے۔ اصل بات یہ کہ اللہ کے ہاں وہی عمل مقبول ہے جو خالص اس کی رضا کے لیے کیا جائے۔

اے شہنشاہ کبریا دلوں کے راز تو تو جانتا ہے۔ یہ تفسیری عمل میں نے اخلاص کے ساتھ کیا ہے اگر میرے اخلاص میں کوئی کمی ہے تو پردہ پوشی فرما کر میرے ستار رب اسے قبول فرما لے اور میں نے فقط قرآن پاک کے خدام میں شمار ہونے کے لیے اور نبی ﷺ کے فرمان، قیامت تک میری امت سے گروہ رہے گا جو قرآن میں تحریف کرنے والوں کی تحریف کو دور کر دے گا۔" (مشکوۃ، کتاب الاعتصام والسنہ) کی سعادت حاصل کرنے کے لیے یہ جدوجہد کی ہے۔

آخر میں میں اپنے پیارے اور رحیم وکریم رب کی سب سے بڑی بارگاہ میں اپنے بے بس ہاتھوں کو اٹھا کر التجاء کرتا ہوں، اسے اپنی بارگاہ میں اور عوام میں شرف قبولیت سے نواز دے اور میں اپنے انتہائی معزز بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں۔ علماء خطباء، پروفیسر حضرات گرامی، ڈاکٹر انجینئر اور کالجز اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات اور دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء و طالبات اس کتاب کو ضرور زیر مطالعہ رکھیں، اسلام اور قرآن کے خلاف جو زہر پھیلایا جا رہا ہے اللہ کے فضل و کرم سے یہ کتاب ان زہریلے اثرات کو مٹا دے گی اور بہترین تریاق ثابت ہوگی۔

میرے پروردگار! اسے روز قیامت میرے نیکی کے ترازو بھاری کرنے کا سبب بنا دے اور اسے میرے والدین، اساتذہ، میری اولاد اور بیوی اور میرے دادا جان اور خاندان اور قارئین کے لیے آخرت کی نجات کا باعث بنا دے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی طباعت کا آغاز

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے۔ ہر دور میں کاتبوں کی تعداد رہی جن کا مشغلہ ہی کتابت قرآن کا تھا۔ قرآن کے حروف کو بہتر سے بہتر تحریر کرنے میں مسلمانوں نے بہت محنتیں کیں اور اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا۔

پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہیمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ھ میں قرآن پاک طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک دارالکتب المصریہ میں موجود ہے۔

اس کے بعد روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآن کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا۔ اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا۔ (مقدمہ معارف القرآن، ج ۱، ص ۴۸)

اب تو اس عظیم الشان کتاب کی طبع میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ آسانیاں پیدا کر دی ہیں جن کی وجہ سے یہ قرآن زندہ و پائندہ رہے گا۔ ان شاء اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ تفسیر

راقم کے دل میں یہ بات بار بار گردش کرنے لگی کہ قرآن پاک کی تفسیر لکھوں۔ مگر جب اپنی علمی استعداد کی طرف توجہ کی تو یہ قطعاً اجازت نہیں دے رہی تھی کہ علوم وفنون کے بے کنار سمندر میں غوطہ زن ہوسکوں۔ لیکن جب اس رب ذوالجلال کے اس فرمان پر نگاہ پڑی۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت : ٦٩)

''اور وہ لوگ جو ہمارے بارے میں تگ و دو کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھاتے ہیں۔''

تو امید کی کرن پیدا ہوئی۔ دعائے استخارہ بھی کی مگر دل بجھا سا تھا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کئی دنوں سے دل میں گزرنے والے خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے (۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز ہفتہ) کو قلم ہاتھ میں لیا اور اس بابرکت کام کا آغاز کر دیا۔

آغاز تو بسم اللہ انجام خدا جانے

اب بھی ہاتھ رک رک جا رہے ہیں۔ سینہ اپنے راز ہائے دروں اگلنے کو تیار نہیں۔ آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تیر رہے ہیں اور کیفیت کچھ ایسی طاری ہے جیسے اناڑی معمار کو خوبصورت محل تیار کرنے کو کہا جائے۔ وہ کام پر ہاتھ ڈال دے مگر گھبراہٹ اور شرمندگی اس کی پیشانی سے جھلک رہی ہو۔

تاہم قرآن پاک ہی کی اس آیہ مبارکہ نے کچھ حوصلہ دیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے، منزل کا علم نہیں اور یہ بھی طے نہیں کہ یہ میرے اٹھنے والے قدم کس طرف رواں دواں ہیں۔ زبان سے اعتماد کا کوہ گراں نکل رہا ہے۔

﴿عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿٢٢﴾﴾ (القصص : ٢٢)

''یقیناً میرا رب سیدھی راہ کی طرف میری رہنمائی کرے گا۔''

اس کے عوض نہ صرف یہ کہ راہ سیدھی ملی۔ مدین میں پناہ ملی، امن ملا اور پھر گھر ملا اور رہنمائی ملی اور راہنما بن کر واپس لوٹے۔

اور یا پھر اس آیہ مبارکہ نے ہمت بندھائی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ (القمر : ٥٤)

''البتہ تحقیق ہم نے قرآن پاک کو ذکر کے لیے آسان کیا ہے، کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔''

اللہ کریم تیری بارگاہ میں تیرا ناچیز بندہ کپکپاتے ہاتھوں کو اٹھائے، تر آنکھوں کو بچھائے ہوئے اور اس تنی گردن کو جھکائے ہوئے عرض پرداز ہے۔ میں جس قدر زیادہ کم علم ہوں، فنون سے ناآشنا ہوں، اتنی ہی زیادہ مجھے تیری مدد کی ضرورت ہے۔ اس کار خیر کی تکمیل کی توفیق دے اور ایسا کرنے کی توفیق ارزاں فرما دے کہ جو تیرے ہاں مقبول ہو اور تیرے بندوں کے لیے قابل قبول ہو اور میرے لیے باعث اجر ہو۔ میرے مولیٰ میری خصوصی مدد فرما۔

(مجھے تفسیر لکھنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا؟)

عربی اور اردو میں بے شمار تفاسیر منصۂ شہود پر جلوہ گرد ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مفسرین کی محنت و کاوش کا انہیں اجر عطا فرمائے۔

مگر اردو میں ایسی تفسیر نظر سے نہ گزری تھی جس میں مشہور باطل فرقوں اور باطل مشہور قولوں کی تردید یکجا ہو۔ ہماری یہ بنیادی ترجیح ہوگی کہ اپنی بساط مطابق جو ان گمراہ لوگوں نے قرآن پاک کی تحریف کی ہے اس کا رد کریں۔

(تفسیر میں ہمارا طرز انداز!)

ان شاء اللہ یہ ہوگا کہ لغت بتائیں گے۔ پھر مختصر آیۂ مبارکہ کا مطلب بتائیں گے۔ اس کے بعد تشریح ہوگی، وہ اتنی کہ اگر کوئی غلط نظریہ اس کی زد میں آتا ہے تو اس کی تردید کے ساتھ وضاحت پیش کریں گے اور اتنی وضاحت ہوگی کہ بس آیت کا مطلب ذہن نشین ہو سکے اور ہم اس پر عمل پیرا ہوں۔

وبا اللّٰہ التوفیق

الراقم

محمد عباس انجم گوندلوی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی تعریف

لغوی تعریف:

ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **قَرَءَ یَقْرَءُ۔ مَنَعَ** کے وزن پر مہموز لازم ہے۔ اس کا مصدر **اَلْقِرَاءَ ۃ** ہے۔ اصل میں اس کا معنی جمع کرنا ہے۔ جو بھی آپ جمع کریں گے ظاہر ہے اسے پڑھیں گے بھی۔ قرآن پاک کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قصوں۔ امر و نہی (حکم دینا یا منع کرنا) وعد و وعید۔ سورتوں، آیتوں کو اپنے اندر ملائے ہوئے اور اکٹھا کیے ہوئے ہے۔ اس لیے اسے قرآن کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے۔ **(النہایہ ص ۴/۳۰)**

فقہاء نے جو تعریف کی ہے:

ملاں جیون فرماتے ہیں:

"فَالْقُرْاٰنُ الْمُنَزَّلُ عَلَی الرَّسُوْلِ عَلَیْهِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ الْمَکْتُوْبُ فِیْ الْمَصَاحِفِ الْمَنْقُوْلِ عَنْهُ نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ"

(نور الانوار مع تحقیق زاهدی، ص۲۲۔۱۹)

''قرآن پاک وہ کتاب ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، جو مصحف میں لکھی گئی اور بغیر کسی شک و شبہ کے آپ سے متواتر و مسلسل طور پر منقول ہے۔''

کتاب و سنت کے پرستاروں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اس پر بے شمار آیات دلالت کرتی ہیں۔ مگر ہم چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿**وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا**﴾ (النساء : ١٦٤)

''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا کلام کرنا۔''

یہ کتنا بڑا اشرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنایا۔ اسی لیے ان کا لقب کلیم اللہ ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی دلیل ہے۔

دوسری آیت میں ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ (الاعراف : ۲۲)

''ان دونوں (آدم وحوا) کو ان کے رب نے پکارا۔ کیا میں نے تم کو منع نہ کیا تھا اس درخت سے۔''

یعنی انہیں عتابانہ انداز سے کہا جا رہا ہے جس درخت کے قریب ہونے سے میں نے تمہیں روکا تھا تم نہیں رکے، اس میں بھی اللہ کا کلام کرنا ثابت ہے۔ ندا بلند آواز سے پکارنے کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سرگوشی کے انداز پر بھی بات کی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ (مریم : ۵۲)

''ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور سرگوشی میں قریب کیا۔''

اس میں اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آگ لینے گئے تھے۔ ہم نے انہیں اپنے قریب کر کے سرگوشی سے بات کی۔ اس میں آہستہ بات کا ثبوت ہے۔ ثابت ہوا اللہ تعالیٰ بلند بھی اور آہستہ بھی بات کرتے ہیں۔

ہمارے ان دلائل سے ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں۔ کلام کرنا اللہ تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے۔ جب چاہے، جس طرح چاہے کلام کرتا ہے، کرتا رہا ہے، کرتا رہے گا۔ یہ اللہ کے کمال کی صفت ہے۔

یہ تفصیل ذہن نشین کرانے کا ہمارا مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک بھی اللہ کا کلام ہے اور یہی کلام معیار حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ (النمل : ۷۶)

''بے شک یہ قرآن بنواسرائیل پر زیادہ تر وہ چیز بیان کرتا ہے جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔''

مثلاً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام میں اختلاف کیا یہودیوں نے ان پر بہتان باندھا۔ عیسائیوں نے غلو کیا، اللہ کا بیٹا کہا۔ قرآن پاک نے میانہ روی اختیار کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔

تو یہ اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے کہ اس قرآن نے پہلی کتابوں کا احاطہ بھی کیا اور ان کے غلط نظریات کی تردید کی اور عدل و انصاف کا فیصلہ دیا یہ اللہ کا کلام ہی کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بھی کہا ہے کہ یہ میرا کلام ہے میں نے ہی اسے نازل کیا ہے۔

﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ﴾ (الانعام : ۱۵۵)

''یہ کتاب ہم نے اتاری ہے جو برکت کی گئی ہے۔''

اس میں کتاب کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جو قرآن کا انکار کرتے ہیں، یہ غلط ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے ہم نے نازل کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں برکت کی گئی ہے، دینی اور دنیاوی تمام فوائد اس میں محفوظ ہیں۔

ثابت یہ ہوا کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ اسی کا کلام ہے، کسی جن، فرشتہ، نبی، بشر کا کلام نہیں اور نہ ہی یہ قرآن مخلوق ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے۔ **(شرح عقیدہ واسطیہ : ۹۳)**

علامہ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے کمال انداز میں تحریر کیا ہے، فرماتے ہیں:

ایک مثل مشہور ہے، سخن شاہ بادشاہِ سخن۔ (بادشاہ کی بات باتوں کی بادشاہ ہوتی ہے) عربی میں کلام الملوک ملوک الکلام مشہور ہے۔

قرآن مجید اس شہنشاہ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے۔ جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات (پٹھوں) کو ان کا سمجھنا سکھلایا، وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد مختلف زبانیں بولتی ہے۔

آگے جو انہوں نے لکھا ہے ہم اس کا خلاصہ تحریر کرتے ہیں۔

(۱) بعض متعصب عیسائی قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ بتاتے ہیں۔ ان سے ہم پوچھتے ہیں، جب قرآن پاک جیسی اعلیٰ کتاب کا مصنف ہونا ایک سب سے بڑا اعزاز ہے۔ آپ نے خود یہ کیوں نہ کہا کہ میں نے یہ لکھا ہے۔

(۲) وہ کتاب جس نے عرب کی کایا پلٹ دی اور لاکھوں انسانوں کو صداقت اور توحید کا سبق دیا، اس کا مصنف کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ آپ نے نہیں کہا کہ میں نے بنایا ہے بلکہ کہا ہے کہ اللہ نے کہا ہے میں نے اسے نازل کیا ہے۔ اگر آپ ہوتے تو اپنا نام لیتے۔

(۳) جبکہ بائبل جو کہ عیسائیوں کی کتاب ہے وہ خود اسے اللہ کا کلام مانتی ہے۔ اور خبر دیتی ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا۔ (استثناء: ۱۸، باب ۱۸ درس)

یہ نبی جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا وہ سیدنا و مولانا محمد مصطفی ﷺ ہیں اور کوئی نہیں۔

(رحمۃ اللعالمین، ص ۳۰۲/۳)

یہ ہے قرآن مجید جسے سمجھنے کے لیے ہم قدم اٹھا رہے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہے جو اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا۔ یہ اللہ کی لازوال صفت ہے اور یہ جو فیصلہ کرتا ہے حق ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمع وتدوین قرآن پاک کا مرحلہ

جمع عربی کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے ملانا، اکٹھا کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام گرامی 'جامع' بھی ہے۔ کیونکہ اس نے روز حساب لوگوں کو یکجا کرنا ہے اور وہ متضاد اور مماثل چیزوں کو جوڑنے کی طاقت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے متعلق بھی ایک صفت ہے۔ جامع کلمات بیان فرماتے تھے، الفاظ کم ہوتے تھے معانی بے شمار اس کے تحت آجاتے تھے۔

ردی، اچھی جب ملی ہوئی کھجوریں ہوں تو انہیں بھی جَمْعٌ کہتے ہیں۔ (نہایہ ابن اثیر ص: ۱/ ۲۹۵)

ثابت ہوا جمع قرآن پاک کا مطلب ہے، اسے یکجا کرنا، اکٹھا کرنا۔

تدوین کا مطلب ہے کہ دفتروں کی صورت میں تحریر جمع کرنا۔ تو قرآن پاک کی جمع وتدوین یہ ہوئی کہ اسے مدون کر کے یکجا جمع کرنے کے اسباب اور تاریخ کی وضاحت ہوگی۔ ان شاء اللہ

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبید بن سباق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ بات بتائی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام بھیجا کہ جنگ یمامہ میں جو کہ مسیلمہ کذاب جھوٹے نبی کے خلاف لڑی گئی تھی کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے ہیں۔ کچھ مشورہ کرنا ہے۔ آپ میرے پاس آئیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سارے قرائے کرام شہید ہوئے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح یہ سلسلۂ شہادت جاری رہا تو قرآن پاک کا کافی حصہ مٹ جائے گا۔ میری رائے ہے کہ تم قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ہے کہ میں وہ کام ہرگز کرنے کے لیے تیار نہیں جو رسول اکرم ﷺ نے نہیں کیا۔ مگر یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کی قسم، بہتری اسی میں ہے اور انہوں نے اتنی زیادہ بحث وتکرار کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں میرا سینہ کھول دیا ہے۔ اب میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

اے زید! آپ ایک جوان رعنا اور عقل و دانش والے ہو، ہمیں تم پر مکمل اعتماد ہے اور تم رسول اکرم ﷺ کے کاتب وحی بھی تھے۔ لہٰذا اچھی طرح قرآن پاک کی جستجو کر کے اسے جمع کیجئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم! مجھے یہ کہتے کہ پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرو تو یہ آسان تھا، مگر قرآن پاک جمع کرنے کی ذمہ داری اس سے بھی گراں تر تھی۔

پہلے تو میں نے بھی یہی کہا، تم وہ کام کس طرح کر رہے ہو جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، تاہم بحث وتکرار کے بعد یہ بات بھی میرے ذہن میں بیٹھ گئی۔

اب میں نے اس کام کا آغاز کر دیا، کسی پتھر یا چمڑے یا آدمیوں کے سینوں میں جہاں بھی قرآن پاک تھا، میں نے اسے تلاش کیا اور قرآن پاک جمع کیا۔

اور سورت توبہ کی آخری آیت حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی۔ ان کے ساتھ اور کوئی موجود نہ تھا جن کے پاس یہ لکھی ملی ہو۔ سورت برائت کے آخر تک ان سے ہی قرآن پاک ملا تھا۔

یہ مصحف تیار ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ ان کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔

(بخاری، ج ۲ ص ۷۴۵، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، رقم: ۴۹۸۶)

اس کی سند پر اعتراض!

ایک معترض کہتا ہے، تنہا زہری عبید بن سباق سے روایت کر رہے ہیں۔ اسی طرح تنہا عبید بن سباق اس کو زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں اور زید بن ثابت سے عبید کی روایت کسی طرح بھی متصل نہیں ہوسکتی یا تو عبید نے زید بن ثابت پر یہ افتراء کی ہے یا درمیان کے کسی راوی کا نام قصداً چھوڑ دیا ہے۔

(طلوع اسلام، ص ۶۱، اگست وستمبر ۱۹۵۲ء)

اس کا حل:

(۱) ابن شہاب کا مکمل نام ونسب یہ ہے کہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ ابن عبد اللہ بن شہاب بن عبد اللہ ابن حارث بن زہرہ بن کلاب قرشی زہری ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ فقیہہ اور حافظ ہیں۔ ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے اور حدیث میں ان کی پختگی پر سب کا اعتماد ہے۔ ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ (تقریب، ص ۳۱۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم سے حدیث سب سے پہلے محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری نے ہی مدون کی تھی جو کہ چوٹی کے ائمہ میں سے تھے۔ حجاز اور شام کے عالم تھے۔

ان کے بعد حدیث کی تدوین عام ہوئی۔ شہروں اور لوگوں میں کثرت سے حدیث کا علم پھیل گیا۔

(مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ج ۵، ص ۱۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو ایسے ثقہ راوی کا حدیث کو تنہا بیان کرنا نقصان دہ نہیں، قابل اعتماد ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَالْغَرِيْبُ مَا تَفَرَّدَ بِهٖ وَاحِدٌ وَقَدْ يَكُوْنُ ثِقَةً وَقَدْ يَكُوْنُ ضَعِيْفًا وَلِكُلٍّ حُكْمُهٗ“ (الباعث الحثیث ص ١٦٦ مع شرح اختصار علوم الحدیث)

”پس غریب حدیث وہ ہے جس کے ساتھ ایک راوی تنہا ہو جائے۔ وہ تنہا ہونے والا ثقہ بھی ہو سکتا ہے اور ضعیف بھی ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کے لیے اس کا حکم ہے۔“

یعنی اگر تنہا ہونے والا راوی ثقہ ہے تو یہ غریب حدیث ثقہ ہوگی اور قابل اعتماد ہوگی۔ اگر ضعیف ہے تو یہ روایت ضعیف ہوگی۔

ابن شہاب رحمہ اللہ تو ثقہ ہیں۔

ابن صلاح رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں، اگر منفرد ہونے والا راوی اپنے سے اولیٰ حفظ والے کی مخالفت کرتا ہے تو یہ روایت شاذ اور مردود ہوگی۔

اگر وہ مخالفت نہیں کرتا تو اس منفرد راوی کو دیکھا جائے گا، اگر عادل، حافظ ہے اور اس کے ضبط پر اعتماد ہے تو اس کی حدیث مقبول ہوگی۔ (مقدمہ ابن صلاح، ص ٣٧)

علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جو بھی بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی کتاب میں وارد کیا ہے یا ان میں سے ایک نے یعنی بخاری نے یا مسلم نے جو بیان کیا ہے۔ اس کی صحت قطعی ہے اور علم یقینی نظری اس سے حاصل ہوتا ہے۔

(شرح اختصار علوم الحدیث ص ٤٤)

یہی بات تدریب الراوی ص ٤٣، ج ١ میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔

یہی بات سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث میں کہی ہے۔ (ص ٢١٦/١)

ثابت ہوا تنہا زہری رحمہ اللہ کا بیان کرنا قابل اعتماد ہے اور درست ہے۔

(٢) معترض نے عبید بن سباق پر بھی سخت تنقید کی ہے۔ یہ نہایت ہی بے اصل تنقید ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ عبید بن سباق مدنی ثقفی ہے۔ ابو سعید ان کی کنیت ہے، ثقہ ہیں۔ (تقریب، ص ٢٣٩)

فتح الباری، ج ٩، ص ١١ پر رقمطراز ہیں:

”ذَكَرَهٗ مُسْلِمٌ فِي الطَّبَقَةِ الْاُوْلٰى مِنَ التَّابِعِيْنَ“ (فتح الباری، ج ٩، ص ١١)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’انہیں امام مسلم رحمہ اللہ نے تابعین کے اول طبقہ میں شمار کیا ہے۔‘‘

بخاری میں ان کی یہی حدیث ہے۔ تاہم بخاری نے ان کی حدیث کو تفسیر، احکام، توحید وغیرہ میں تکرار سے بیان کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔

اور اس جمع قرآن والے واقعہ کو زہری سے اور ان کا عبید بن سباق سے اور عبید بن سباق کا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کرنا یہ صحیح ہے۔

معلوم ہوا سند پر یہ اعتراض جہالت اور تعصب پر مبنی ہے اس کی سند باقاعدہ متصل ہے اور بیان کرنے والے دونوں راوی زہری اور عبید رحمہما اللہ نے یہ واقعہ افتراء نہیں باندھا بلکہ یہ عین صداقت ہے جو بیان کی ہے۔

(۳) معترض اعتراض کرتا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے بڑے کام کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بالکل تخلیہ میں کیوں کہا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صرف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی کو کیوں بلایا۔ کاتب وحی اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جو علم قرآن میں زید سے کہیں زیادہ تھے اور کتابت میں بھی زید سے ان کے کم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (طلوع اسلام، ص ۶۱)

(اس کا حل) یہ ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں تنہا بات کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ امیر المؤمنین تھے اور ان کا عزت و احترام تھا۔ اس لیے ان سے مشورہ بہت ضروری تھا۔ اگر ان کی رائے تخلیہ میں نہ لی جاتی، مجمع عام میں لی جاتی تو عوام پر ان کے اختلاف کا برا اثر پڑتا۔ یہ علیحدگی میں ہی بات کرنے والی تھی۔ اس پر اعتراض کرنا خالی از عقل ہے۔ پہلے علیحدگی میں اس پر سوچ بچار کیا بعد میں عوام میں لے آئے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتخاب کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جو ان کی خصوصیات ہیں۔ اگرچہ کاتبان وحی اور بھی تھے۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ بندہ شناس تھے۔ اس لیے فرمایا: (۱) زید تم جوان ہو جوان زیادہ چاک و چوبند ہوتا ہے۔ (۲) عقلمند تھے ان میں محفوظ کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی۔ (۳) اور تہمت سے دور ہونے کی وجہ سے دل ان پر مطمئن تھا۔ (۴) اور یہ وحی لکھا کرتے تھے۔ انہیں اس کا زیادہ تجربہ تھا۔ یہ صفات ان میں یکجا پائی جاتی تھیں۔ جبکہ دوسروں میں متفرق تھیں۔ اعتراض کا یہ حصہ بھی نہایت فضول ہے کہ تخلیہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ نہایت ہی دانشمندی سے تینوں بزرگوں حضرت صدیق اکبر حضرت فاروق اعظم اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے باہم مشورہ کر لیا تو پھر جہاں جہاں قرآن پاک تھا اسے جمع کیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ مردوں کے سینوں سے بھی اسے حاصل کیا، سب کو جمع قرآن کا علم ہو رہا ہے۔ تخلیہ کہاں رہا ہے۔ اس کا تو سب کو علم ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ثابت ہوا یہ اعتراض بھی عقل و خرد سے پیدل ہے۔ قرآن پاک نہایت ہی احسن انداز پر جمع ہوا ہے۔ بخاری شریف کی یہ حدیث ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

وضاحت:

اصل میں قرآن پاک سارے کا سارا نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تحریر ہو چکا تھا۔ لیکن سورتوں کی ترتیب سے مرتب نہ تھا اور نہ ہی ایک جگہ پر جمع تھا۔ سورتوں کی ترتیب اور مصحف میں یکجا سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور اس کو اس طرح ترتیب رسول اکرم ﷺ کے اشارہ سے ہی دیا تھا۔

(فتح الباری، ج ۹ ،ص ۱۲)

اہم نکتہ:

سورت توبہ والی آیت حضرت ابو خذیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ہی ملی تھی اور سورت احزاب والی آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ملی تھی جن کی شہادت دو کے قائم مقام ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خراج تحسین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، مصحف جمع کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ (الاتقان، ج ۱،ص ۱۶۳ تا ۱۶۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی حفاظت دور عثمان رضی اللہ عنہ میں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں۔ یہ فتح ارمینیہ اور آذربائیجان سے واپس آئے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ قرآن پاک میں، ان کی قرأت کے اختلاف سے بے حد پریشان تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، اے امیر المؤمنین، اس امت کو سنبھال لو، اس سے پہلے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی مانند کتاب میں اختلاف کا شکار ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ پیغام بھیجا کہ مصحف کے نسخے بھیج دو۔ ہم ان سے نقل کرنے کے بعد تمہیں واپس کر دیں گے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے اور حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت سعید بن عاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارث رضی اللہ عنہم کو حکم دیا انہوں نے مصحف لکھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا، جب تم اور زید اختلاف کرو تو اسے قریش کی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

جب انہوں نے مصحف تیار کر لیے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس بھیج دیا۔ اس کے بعد کاپی کروا کر ہر ایک علاقہ میں بھیجا اور حکم دیا اس کے سوا تمام مصحف جلا دیئے جائیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں سورت احزاب کی ایک آیت (۲۳) کو ڈھونڈا، وہ ہمیں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی، اسے ہم نے احزاب میں ملا کر مصحف میں لکھ دیا۔

(بخاری، ج ۲، ص ۷۴۶، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن)

وضاحت نمبر ۱:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اختلاف سے آگاہ کیا یہ ۲۴ھ کے آخر اور ۲۵ھ کے آغاز کی بات ہے۔

(۲) اصل میں قرآن پاک کی مختلف لغات تھیں۔ ایک حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے لکھی تھی۔ یہ اہل شام میں پڑھی جاتی تھی۔ اہل عراق اس سے ناواقف تھے۔ اس طرح اتنا اختلاف ہوا کہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے لگے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یزید بن معاویہ نخعی کہتے ہیں، ولید بن عقبہ کا دور خلافت تھا۔ میں مسجد میں لوگوں کے ایک حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے سنا کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق کہتا تھا۔ دوسرے کو سنا وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت سے پڑھنے کا کہتا تھا۔

یہ سنا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا، تم سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح اپنی کتاب میں اختلاف کیا تھا۔

اسی وقت ارادہ کرلیا، میں ضرور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤں گا اور اس سے انہیں آگاہ کروں گا اور شدت خوف سے سواری لی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔

اسی طرح قراءت کا اختلاف خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے کانوں سے سن چکے تھے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اطلاع سے مزید پریشان ہوئے کہ یہ تو مختلف علاقوں میں بھی صورت حال گھمبیر ہو چکی ہے۔ فوراً اس کا سدباب کیا۔

(۳) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ اوراق منگوائے جن پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک لکھا تھا جس میں متفرق سورتیں تھیں۔ ہر سورت علیحدہ علیحدہ آیات کے ساتھ مرتب تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اس میں مرتب انداز میں سورتیں جمع کی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں خیر کی بات کیا کرو۔ انہوں نے یہ ترتیب ہمارے مشورہ سے دی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، دونوں کے قرآن پاک کو جمع کرنے میں یہ فرق ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی جگہ پر مجموعی طور پر اسے یکجا نہ کیا تھا۔ بلکہ مختلف اوراق میں اس کی سورتوں کی آیات کو مرتب کیا تھا۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیف کے مطابق جمع کیا تھا۔ جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغات کے اختلاف کو ختم کر کے ایک لغت پر قرآن پاک کو جمع کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ حاملین قرآن کے ختم ہونے سے کہیں قرآن پاک ضائع نہ ہوجائے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ لغت کا اختلاف امت کے انتشار کا باعث نہ ہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن کی حفاظت کی خدمت سرانجام دی اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لغت کے فرق کی وجہ سے امت کی وحدت کو پارہ پارہ ہونے سے بچالیا۔ (فتح الباری، ج ۹، ص ۲۰)

ایک اعتراض:

یہ کہا جاتا ہے کہ ابراہیم بن سعد سے مروی ہونے کی وجہ سے یہ روایت غیر متوقع الصحۃ اور بقول محدثین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضعیف ہے۔ (طلوع اسلام، ص ۱۱۲)

اس کا حل:

یہ اعتراض خود ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ الزُّهْرِيُّ الْمَدَنِيُّ ثِقَةٌ" (تقریب، ص ۹۰)

"یہ ثقہ ہیں۔"

ثابت ہوا یہ روایت صحیح اور محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس کس کو بھیجا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کس کے ہاتھ صحیفے بھیجے۔ اس کا ذکر حدیث میں نہیں۔ (طلوع اسلام، ص ۱۱۲)

اس کا حل:...... یہ ہے کہ یہ بے جا بات ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحیفے منگوائے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھیجے، لانے والے کے نام کا نہ پتہ ہونے سے اس بات کی مضبوطی میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

اگر کوئی قابل اعتماد آدمی کہتا ہے کہ میں نے دکان سے یہ سودا منگوایا ہے۔ اس کی صرف اس وجہ سے تردید کر دیں کہ وہ کس سے منگوائی ہے۔ دوکاندار اور اس سے لانے والے کا نام بتاؤ تو یہ ایک احمقانہ سوال ہوگا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں ہی سلامتی ہے کہ وہ صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منگوائے تھے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھیجے تھے۔ اس میں واقعہ گھڑنے اور تفصیل چھوڑنے کے الزام لگا کر اس حدیث پر شک کا اظہار کرنا بہت ہی اندھی سوچ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیات اور سورتوں کی ترتیب نبی ﷺ کے حکم سے ہوئی

علامہ خازن رحمہ اللہ تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

پہلے وہ احادیث بیان کی ہیں جن میں قرآن پاک کے جمع کرنے کا ذکر ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

''ان احادیث کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی یہ تالیف اور اسے جمع کرنے کی صورت جو موجود ہے یہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھی۔ مگر آپ ﷺ نے اسے اس طرح جمع اس لیے نہ کیا تھا کہ اس وقت نسخ کا دور تھا۔ ایک تلاوت آتی دوسری کو منسوخ کرتی۔ اس کے بعض احکام منسوخ ہوتے تھے۔ اگر انہیں جمع کر دیا جاتا تو اس سے دین کا معاملہ گڈ مڈ ہوجاتا اور اختلاف پیدا ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو دلوں میں محفوظ کیا۔ جب تک ناسخ و منسوخ کا سلسلہ رہا لوگ قرآن پاک کو زبانی یاد کرتے رہے۔ جب آپ ﷺ کی وفات کے بعد نسخ کا سلسلہ ختم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں اسے جمع کرنے کی توفیق ارزاں فرما دی اور یہ بات صحیح دلیل سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو اسی طرح جمع کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے رسول اکرم ﷺ پر نازل کیا تھا۔ اس میں انہوں نے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے اسے اسی طرح تحریر کیا ہے جس طرح انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا تھا۔ بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے اسے لکھا اور نہ ہی انہوں نے اپنی ترتیب دی تھی، وہی ترتیب دی تھی جو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے حاصل کی تھی۔

رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو تلقین کرتے تھے اور انہیں یہی تعلیم دیتے تھے جو ترتیب اب ہمارے قرآن پاک کے مجموعوں میں ہے اور آپ ﷺ جبریل علیہ السلام کے بتانے کے مطابق انہیں کہتے تھے یہ آیت فلاں آیت کے بعد لکھی جائے اور فلاں سورت فلاں سورت کے بعد یا ساتھ لکھی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مصحف میں اسی ترتیب میں قرآن پاک رکھا ہے جو کہ لوح محفوظ پر تھی۔''

یہ بات بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہر سال جبریل علیہ السلام سے دور کیا کرتے تھے۔ جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے۔ اس سال آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دومرتبہ قرآن پاک کا دور کیا ہے۔ یہ ایک ایسا دور تھا اس میں جو منسوخ ہونا تھا وہ ہوگیا جو باقی رہنا تھا وہ باقی رہا۔

اور مشہور یہی ہے کہ اس آخری دور میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی پاس موجود تھے، اسی وجہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک جمع کرنے پر انہیں مقرر فرمایا تھا۔

اس طرح قرآن پاک کا جمع ہونا اور باقی رہنا امت کے لیے رحمت الٰہی ہے اور جو اس نے وعدہ کیا تھا۔

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ ﴾(الحجر : ۹)

''بے شک ہم نے ذکر (قرآن کو) نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

یہ بات جان رکھیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید لوح محفوظ سے یکبارگی، رمضان کی شب قدر میں پہلے آسمان پر نازل کیا تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام کی زبانی نبی اکرم ﷺ پر مدت رسالت میں حسب ضرورت اور واقعات و حالات کے پیش نظر قسط وار اترتا رہا۔ اس کے اترنے کی ترتیب اس ترتیب سے جدا ہے جو اس کی تلاوت کی یا مصحف کی ترتیب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی ترتیب نزولی

یعنی قرآن پاک کے اترنے کی ترتیب یہ ہے۔ مکہ میں اترنے والی سورتوں میں یہ ترتیب ہے۔ سب سے پہلے (۱) اقراء اتری۔ اس کے بعد (۲) (ن) والقلم، اس کے بعد (۳) المزمل، اس کے بعد (٤) المدثر، اس کے بعد (٥) اللهب، اس کے بعد (٦) التکویر، پھر (۷) اعلیٰ، پھر (۸) والليل، پھر (۹) فجر، پھر (۱۰) ضحیٰ، پھر (۱۱) الم نشرح، پھر (۱۲) عصر، پھر (۱۳) عادیات، پھر (١٤) کوثر، پھر (۱۵) تکاثر، پھر (١٦) ماعون، پھر (۱۷) کافرون، پھر (۱۸) فیل، پھر (۱۹) اخلاص، پھر (۲۰) نجم، پھر (۲۱) عبس، پھر (۲۲) قدر، پھر (۲۳) بروج، پھر (٢٤) والتین، پھر (۲۵) قریش، پھر (٢٦) قارعه، پھر (۲۷) قیامه، پھر (۲۸) همزه، پھر (۲۹) مرسلات، پھر (۳۰) ق، پھر (۳۱) بلد، پھر (۳۲) طارق، پھر (۳۳) قمر، پھر (٣٤) ص، پھر (۳۵) اعراف، پھر (٣٦) جن، پھر (۳۷) یٰس، پھر (۳۸) فرقان، پھر (۳۹) فاطر، پھر (٤٠) مریم، پھر (٤١) طٰه، پھر (٤٢) واقعه، پھر (٤٣) شعراء، پھر (٤٤) نمل، پھر (٤٥) قصص، پھر (٤٦) اسراء، پھر (٤٧) یونس، پھر (٤٨) هود، پھر (٤٩) یوسف، پھر (٥٠) حجر، پھر (٥١) انعام، پھر (٥٢) صافات، پھر (٥٣) لقمان، پھر (٥٤) سباء، پھر (٥٥) زمر، پھر (٥٦) مومن، پھر (٥٧) حم سجده، پھر (٥٨) حم عسق، پھر (٥٩) زخرف، پھر (٦٠) دخان، پھر (٦١) جاثیه، پھر (٦٢) احقاف، پھر (٦٣) ذاریات، پھر (٦٤) غاشیه، پھر (٦٥) کهف، پھر (٦٦) نحل، پھر (٦٧) نوح، پھر (٦٨) ابراهیم، پھر (٦٩) انبیاء، پھر (۷۰) المؤمنون، پھر (۷۱) السجده، پھر (۷۲) طور، پھر (۷۳) ملك، پھر (٧٤) حاقه، پھر (۷۵) معارج، پھر (٧٦) نباء، پھر (۷۷) نازعات، پھر (۷۸) انفطار، پھر (۷۹) انشقاق، پھر (۸۰) روم، پھر (۸۱) عنکبوت، پھر (۸۲) مطففین، ایک قول کے مطابق (۸۳) شوریٰ، بھی مکی ہے۔

مدینہ میں نازل ہونے والے قرآن پاک کی نزولی ترتیب درج ذیل ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے (۱) البقرہ، پھر (۲) انفال، پھر (۳) آل عمران، پھر (٤) احزاب، پھر (۵) ممتحنہ، پھر (٦) النساء، پھر (۷) زلزال، پھر (۸) حدید، پھر (۹) محمد ﷺ، پھر (۱۰) رعد، پھر (۱۱) رحمٰن، پھر (۱۲) دھر، پھر (۱۳) طلاق، پھر (١٤) بینہ، پھر (۱۵) حشر، پھر (١٦) فلق، پھر (۱۷) الناس، پھر (۱۸) نصر، پھر (۱۹) ، پھر (۲۰) نور، پھر (۲۱) حج، پھر (۲۲) منافقون، پھر (۲۳) مجادلہ، پھر (٢٤) الحجرات، (۲۵) تحریم، (٢٦) الصف، (۲۷) پھر جمعہ، (۲۸) تغابن، (۲۹) الفتح، (۳۰) ، (۳۱) مائدہ، تو یہ ترتیب مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی ہے۔ ان کی تعداد (۳۱) ہے۔ یہ نازل ہونے کے اعتبار سے (۱۱۴) سورتوں کی ترتیب ہے۔ مگر مصحف میں جمع ہونے کے حساب سے وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے کہ ہمارا یہ مصحف اسی ترتیب پر ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور نبی اکرم ﷺ کے بتانے کے مطابق ہے۔ (مقدمہ تفسیر خازن، ج ۱، ص ۸) اور (الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۷۵)

اور آیات کی ترتیب بھی توقیفی یعنی نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی کے مطابق ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"تَرْتِيْبُ الْاٰيَاتِ فِيْ سُوَرِهَا وَاقِعٌ بِتَوْقِيْفِهٖ ﷺ وَأَمْرِهٖ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ فِيْ هٰذَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ." (الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۷۱)

"آیات کی ترتیب جو ان کی سورتوں میں ہے، یہ آپ ﷺ کی توقیف اور آپ ﷺ کے حکم سے دی گئی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا، تم نے سورت انفال اور سورت براءت کو آپس میں ملا دیا ہے، ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور تم نے سورت انفال اور سورت براءت کو سات لمبی سورتوں میں ملا دیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

رسول اکرم ﷺ پر متعدد سورتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔ آپ پر جب بھی کوئی چیز نازل ہوتی تو آپ ﷺ اپنے کسی کاتب کو بلاتے اور فرماتے۔ ان آیات کو ان سورتوں میں رکھو جن میں یہ بیان ہوا ہے۔

سورت انفال مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور سورت برأت بڑی سورتوں میں سے آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ ان کا موضوع آپس میں ملتا جلتا ہے۔ میں نے ان کو آپس میں ملا دیا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھی تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ البانی ؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر امام ترمذی ؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی: ۳۰۸۶، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ التوبہ مع جائزہ، ج ۴، ص ۲۳۹)

حافظ ابن حجر ؒ نے بیان کیا ہے کہ احمد اور اصحاب سنن نے بیان کی ہے اور اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اس پر تبصرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”فَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ تَرْتِيْبَ الْاٰيَاتِ فِيْ كُلِّ سُوْرَةٍ كَانَ تَوْقِيْفًا، وَلَمَّا لَمْ يَفْصِحِ النَّبِيُّ ﷺ بِاَمْرِ بَرَآْءَةَ اَضَافَهَا عُثْمَانُ اِلَى الْاَنْفَالِ اِجْتِهَادًا امِنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ“ (فتح الباری، ج ۹، ص ۴۲)

”یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ ہر سورت میں آیات کی ترتیب توقیفی تھی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے بتائی تھی اور نبی اکرم ﷺ نے سورت براءت کے معاملہ کی وضاحت نہ فرمائی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اسے انفال کے ساتھ ملا دیا۔“

مسئلہ:......ابن بطال ؒ فرماتے ہیں، نماز میں یا نماز کے علاوہ سورتوں اور آیات کی ترتیب تلاوت میں واجب نہیں۔ ایک سورت جو بعد میں ہے وہ پہلے پڑھ لیں اور پہلے والی بعد میں پڑھ لیں تو جائز ہے۔ تاہم ترتیب رہے تو بہتر ہے۔ (فتح الباری، ج ۹، ص ۴۵)

ثابت یہ ہوا کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب نبی ﷺ کی توقیف وتعلیم سے ہے۔ اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ہوتی تو وہ سورت براءت میں بسم اللہ لکھوا دیتے۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ نے نہیں لکھوائی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھی۔ بس یہ اجتہاد کیا ہے کہ سورت انفال اور برأت کو آپس میں ملانے پر اجتہاد کیا ہے۔ دوسرا سارا مصحف نبی ﷺ کی تعلیم سے تھا۔ یہ کام خلیفۂ راشد نے کیا ہے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے برقرار رکھا ہے۔

ایک اعتراض:

یہ معترض لکھتا ہے، یہ ممکن ہی نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت بھی ایسی ہو جو صرف خزیمہ یا ابوخزیمہ، یا حرث بن خزیمہ کے پاس نکلے اور دوسرے صحابہ اس سے بالکل بے خبر ہوں۔ یا اٹھارہ یا انیس برس کے بعد زید بن ثابت کو یاد آئے کہ میں اس آیت کو رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے سنتا تھا۔ وہاں تو جو آیت اترتی تھی فوراً لکھ لی جاتی تھی۔

(طلوع اسلام، ص ۹۳، ۱۹۵۲ء)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس کا جواب:

یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ یہ دو آیات (سورۃ توبہ والی اور احزاب والی) صرف ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تھیں اور کسی کو علم نہ تھا اور نہ ہی اٹھارہ انیس سال کے وقفہ کی کوئی بات ہے۔ جس پر یہ استہزاء کیا گیا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جمع قرآن کے وقت صرف حافظہ پر اکتفاء نہ کیا جاتا تھا بلکہ ساتھ تحریر لی جاتی تھی اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس پایا مراد ہے۔ اس آیت کو لکھا ہوا ان کے پاس پایا تھا، یہ نہیں کہ اس آیت اور کوئی نہ جانتا تھا، مقصد ہے، سب جانتے تھے۔ انہیں یاد بھی تھی، مزید مضبوطی کے لیے جو تحریر کے ساتھ چاہیے تھی وہ کسی اور کے پاس نہ تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَیْ مَکْتُوْبَۃً مِّنْ اَنَّہٗ کَانَ لَا یَکْتَفِیْ بِالْحِفْظِ دُوْنَ الْکِتَابَۃِ، وَلَا یَلْزَمُ مِنْ عَدَمِ وِجْدَانِہٖ اِیَّاھَا حِیْنَئِذٍ اَنْ لَّا تَکُوْنَ تَوَاتَرَتْ عِنْدَ مَنْ لَّمْ یَتَلَقَّھَا مِنَ النَّبِیِّ ﷺ"

(فتح الباری، ج ۹، ص ۱۵)

"یعنی اس آیت کو جو کہ سورت توبہ کے آخر میں ہے، لکھا ہوا نہ پایا تھا۔ کیونکہ وہ صرف حافظہ پر کفایت نہ کرتے تھے، تحریر بھی لیتے تھے، اس کے نہ پانے کا یہ معنی نہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے جس نے اس آیت کو وصول کیا ہے، یہ اس کے پاس متواتر نہ تھی، متواتر تھی، صرف کتابت نہ تھی۔ کتابت ان سے مل گئی تو اور تقویت ہوئی۔"

(فتح الباری، ج ۸، ص ۵۱۸) پر رقم طراز ہیں کہ یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ سورت احزاب (۲۳) کی آیت میں صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ہی اکتفا کیا گیا۔ اس سے یہ اصول مجروح ہوتا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ دو گواہوں پر اعتماد کرتے تھے، یہاں تو ایک ہی گواہی ہے۔

تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نہ تو صرف حافظہ پر اور نہ ہی اپنے علم پر اعتماد کیا کرتے تھے ساتھ شہادت لیتے تھے۔

تو اس آیت کا وجود بھی محفوظ تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خود بھی نبی اکرم ﷺ سے سنی تھی۔ اس کے باوجود وہ شہادت کی جستجو میں تھے جو انہیں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مل گئی۔ ان کی گواہی دو شہادت کے مطابق تھی۔ ایک اعرابی سے نبی ﷺ نے جب گھوڑا خریدا تو اس کے گھوڑے کے فروخت ہونے کا کسی کو علم نہ تھا۔ لوگوں نے اس کی قیمت زیادہ لگا دی تو وہ پھر گیا اور گواہ طلب کیا حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے شہادت دی تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ نے انہیں یہ اعزاز بخشا ان کی تنہا شہادت دو کے قائم مقام ہے۔ ثابت ہوا یہ بات جو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ دونوں آیات محفوظ تھیں سب کو علم تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے خود سنی تھی اس کے باوجود تواتر کا اصول پورا کیا تھا۔ اس حقیقت کے تابناک آفتاب کو اس تاثر سے کہ دوسرے اس سے بے خبر تھے اور صرف ان تینوں کے پاس ہی یہ آیت تھی، دوسروں کو پتہ نہ تھا، یہ فضول بات کہہ کر انکار حدیث کے دھواں سے دھندلا کرنے کی جسارت کرنا علم دشمنی ہے۔ (مزید حوالہ: ترمذی: ۳۱۰۴، ج ۴، ص ۲۵۵، کتاب تفسیر القرآن۔ الاتقان، ج ۱، ص ۱۷۲، ۱۷۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیات اور سورتوں کی تعداد اور ان کے معانی

(ا) سورت اس کی جمع سُوَرٌ ہے۔ سُوْرَات اور سوارات بھی جمع آتی ہے اس کے معنی کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ابانت (ظاہر کرنا) اور ارتفاع (بلند ہونے) کے معنی میں ہے۔ نابغہ شاعر نے کہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَعْطَاكَ سُوْرَةً
تَرٰى كُلَّ مَلِكٍ دُوْنَهَا يَتَذَبْذَبُ

''کیا تو نے دیکھا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے وہ بلندی اور ظاہر و باہر شان دی ہے کہ تو ہر بادشاہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے سوا تذبذب اور شش و پنج میں پڑا ہے۔''

جس طرح کسی شہر کی فصیل بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ سورت بھی قرآن پاک کو بلند اور نمایاں کرتی ہے یا جس طرح بلندی کے درجات ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک کا قاری بھی ایک مقام سے دسرے مقام پر منتقل ہوتا ہے۔ قرآن کی منزلیں طے کرتا ہے یا جس طرح فصیل شہر کو گھیرے میں لیتی ہے اسی طرح یہ بھی قرآنی منزل کو گھیرے ہوتی ہے۔

آیت کا معنی علامت ہے۔ اس کی جمع آیٌ اور آیایٌ اور آیات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ﴾ (البقرہ : ۲۴۸)

''اس کے ملک کی نشانی یہ ہے۔''

یہ چونکہ پہلی بات اور بعد والی بات سے منقطع ہونے اور جدا ہونے کی نشانی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے آیت کہتے ہیں۔ نابغہ ہی کہتا ہے۔

تَوَهَّمْتُ آيَاتٍ لَّهَا فَعَرَفْتُهَا
لِسِتَّةِ اَعْوَامٍ وَذَا الْعَامُ سَابِعٌ

''میں اس کی نشانیوں میں چھ سال تک وہم میں پڑا رہا اور یہ ساتواں سال ہو چکا، آخر میں نے اسے پہچان لیا۔''

ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت، جماعت کے معنی میں بھی ہے۔ مقولہ ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"خَرَجَ الْقَوْمُ بِاٰیَاتِهِمْ"

"لوگ اپنی جماعتوں کے ساتھ باہر نکلے۔"

ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت معجزہ کے معنی میں بھی ہے۔ آیت کو آیت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انسانیت اس قسم کی بات کرنے سے بے بس ہے۔ آیات قرآنی ایسی عجیب تاثیر رکھتی ہیں۔

اہم نکتہ:

آیَةٌ کی اصل **اَیَیَةٌ** تھا۔ یاء حرکت والی ہے اس سے پہلے فتحہ (زبر) ہے، اسے الف سے بدل کر **اٰیَةٌ** بنا دیا گیا ہے۔

قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد (۱۱۴) ہے۔ بعض نے (۱۱۳) بھی لکھی ہے۔ یہ سورت انفال اور سورت برائت کو ایک ہی شمار کرتے ہیں۔ مگر قابل اعتماد علماء کا اجماع ہے کہ سورتوں کی تعداد (۱۱۴) ہی ہے۔ (الاتقان، ج ا ،ص ۱۸۳)

قرآن پاک کی آیات کی تعداد چھ ہزار ہے۔ یہ تقریباً اتفاقی رائے ہے۔ بعض نے اس میں دوسو چار آیات زیادہ بتائی ہیں۔ بعض نے چھ ہزار پر (۱۴) آیات زیادہ بتائی ہیں۔ بعض نے دوسو انیس زیادہ بتائی ہیں۔ اس سے کم وبیش بیان کرتے ہیں۔

کلمہ کی تعریف:

قرآن پاک میں کلمہ سے مراد اس کا ایک لفظ ہے جو کہ کبھی صرف دو حرف کا کلمہ ہوتا ہے۔ مثلاً **ما**، **لا**، کبھی زیادہ ہوتا ہے، کبھی ایک کلمہ دس حروف پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً ﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ﴾ (النور : ۵۵) "البتہ ضرور وہ انہیں خلیفہ بنائے گا۔" کبھی پوری آیت ہی ایک کلمہ کی ہوتی ہے۔ مثلاً **وَالْفَجْرِ** وغیرہ۔

حرف:

جو اسم اور فعل کو ملانے کے لیے آتا ہے۔ اپنا معنی نہیں رکھتا۔ باء، تاء وغیرہ۔

قرآن پاک کے کلمات کی تعداد ستر ہزار چار سو انتالیس کلمات پر مشتمل ہے۔ (۷۷۴۳۹)

اس کے حروف کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس ہے۔ (۳۴۰۷۴۰)

ان حروف کی تعداد کا نصف ﴿وَلْیَتَلَطَّفْ﴾ (الکهف : ۱۹) کی فاء پر ہے۔ "چاہیے کہ نرمی کرے۔"

قرآن پاک کے اجزاء (پاروں) کی تعداد (۳۰) ہے۔ اس طرح اجزاء کی صورت میں پڑھنا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے۔ (مقدمہ تفسیر ابن کثیر، ج ا ،ص ۷۔ الاتقان، ج ا ،ص ۱۸۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی سورتوں اور آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت

قرآن پاک کوسورتوں اور آیتوں میں تقسیم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ثابت ہو جائے کہ ہر سورت اور ہر آیت ایک معجزہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ہر سورت ایک مستقل طریقۂ کار رکھتی ہے۔ جبکہ سابقہ کتابیں تورات اور انجیل نظم عبارت اور ترتیب میں معجزہ نہ تھیں۔ قرآن پاک کو نظم عبارت اور حسن ترتیب میں بھی ایک معجزہ ظاہر کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ہے جس طرح ایک مسافر میل طے کرتا جاتا ہے تو اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح قاریٔ قرآن جب ایک سورت پڑھتا ہے اور دوسری کا آغاز کرتا ہے تو اس کے لیے قرآن پاک میں مزید دل لگی پیدا ہوتی ہے اور ہر ایک سورت میں مہارت سے اس پر اعتماد بڑھتا ہے۔

ایک اور فائدہ بھی ہے۔ سورتوں میں مہارت کے علاوہ سورتوں کی صورت میں قرآن پاک بچوں کے لیے یاد کرنا بھی آسان تر ہو جاتا ہے۔ (الاتقان، ج ۱ ص ۱۸۵ تا ۱۸۶)

اہم نکتہ:

(۱) طویل ترین آیت قرآن پاک میں سورۃ بقرہ کی آیت (۲۸۲) ہے اور مختصر ترین سورت الرحمٰن کی آیت (۶۴) ﴿مُدْهَآمَّتٰنِ ﴾ (الرحمٰن : ٦٤) ہے۔ (حاشیہ السیر التفاسیر، ص ۱۱)

(۲) قرآن پاک میں زبر کی تعداد (۵۳۲۴۳)، زیر کی تعداد (۳۹۵۸۲)، مدیں (۱۷۷)، پیش کی تعداد (۸۸۰۴)، نقطے (۱۰۵۶۸۴)، شدیں (۱۲۵۳)۔ (مقدمہ القرآن الحکیم، ص ۵۶ از فرمان علی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی

نعمت اللہ الجزائری تحریر کرتے ہیں کہ مشہور اور متواتر دلائل سے ثابت ہے اس لیے سب نے اتفاق کیا ہے۔

"عَلٰی وُقُوْعِ التَّحْرِیْفِ فِی الْقُرْاٰنِ"

(فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الأرباب، ص ۳۱)

"کہ قرآن پاک میں تحریف واقع ہوئی ہے۔"

یہ بات قرآن پاک کے بھی خلاف ہے اور اوپر ایک مقام پر قرآن پاک کی جمع وترتیب میں ہم واضح بھی کر چکے ہیں کہ قرآن پاک باقاعدہ محفوظ ہے۔ اس میں قطعاً رد و بدل نہیں ہوا، دراصل یہ جس فرقہ نے افواہ پھیلائی ہے وہ جھوٹ بولنے میں ضرب المثل ہے۔

اور قرآن پاک خود اس خیال کو غلط قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ (الحجر : ۹)

"بے شک ہم نے ذکر (قرآن) اتارا اور بے شک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اس کی وضاحت میں علامہ ابوبکر الجزائری فرماتے ہیں:

"ذکر سے مراد قرآن پاک ہے اور اس کی حفاظت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہم نے قرآن پاک کو ضائع ہونے سے بچا لیا ہے۔ نہ تو اس میں اضافہ ہونے دیا ہے اور نہ ہی ہم نے اس میں نقصان ہونے دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اسے ہم نے مخلوق کے لیے قیامت تک حجت بنا کر بھیجا ہے۔ اگر اس میں کمی بیشی ہو جائے تو پھر یہ حجت نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اسے ہم نے ذکر، ہدایت، رحمت، شفا اور نور بنا کر بھیجا ہے...... اور یہی قرآن پاک رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہے۔" (السیر التفاسیر، ص ۷۳۶)

یعنی اگر اس میں تحریف یا تبدیلی کا الزام لگایا جائے تو ہماری حفاظت کا اعلان بھی مجروح ہوتا ہے۔ ساتھ آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل بھی نہیں رہتی۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اس آیۂ مبارکہ میں شاہانہ انداز گفتگو ہے، بادشاہ تنہا ہوتا ہے، جب حکم دیتا ہے تو کہتا ہے: ہم نے یہ کہا تو شہنشاہ کبریا نے بھی لوگوں سے اسی طرز تخاطب کو اختیار کیا ہے کہ ہم نے اتارا ہے۔ ہم ہی اسی کے نگہبان ہیں اور تمام مفسرین نے یہاں ''ذکر'' سے مراد قرآن پاک لیا ہے۔ **لَهُ** میں ھاء ضمیر ذکر کی طرف لوٹتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس قرآن کی اس نے خاص حفاظت کی ہے کہ ابلیس کے بس میں نہیں کہ اس میں باطل کی آمیزش کر سکے اور نہ ہی اس کی حقیقت میں کوئی خرافات لگا کر نقص پیدا کر سکتا ہے۔'' (زاد المسیر، ص ۷۵۵)

ایک اہم نکتہ:

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل کی حفاظت اہل کتاب کو سونپی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ (المائدہ: ٤٤)

''اللہ کی کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی حفاظت ان کے سر سونپی گئی۔''

یعنی ان اہل کتاب کی ذمہ داری تھی کہ وہ تورات اور انجیل کی حفاظت کرتے مگر انہوں نے اسے ضائع کر دیا، کمی بیشی کر دی۔

جبکہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ ذوالجلال نے لیا ہے اور ایسی حفاظت فرمائی نہ تو اس میں ایک حرف کا اضافہ ہوا اور نہ ہی اس سے ایک حرف کی کمی ہوئی۔ (انتہٰی)

علامہ قاضی سید سلیمان، سلمان منصور پوری رحمہ اللہ یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت، اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد تورات پر بصیرت افروز بات کرتے ہیں۔ یہ ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں یہ احکام لکھے گئے اور صندوق میں رکھے گئے۔ (استثناء، ب ۲۵)

تاہم بعد میں اصلی کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر نہیں آتی ہے۔

(۲) انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا تمام عیسائیوں کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ میں سے کوئی انجیل بھی مسیح پر منجاب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتاب انہی مصنفین کی تصنیف ہیں جن کے نام سے یہ منسوب ہیں اور ان میں تناقض موجود ہے۔ آدم کلارک، نورٹن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موجود نہیں۔

(۳) پارسیوں کی کتاب ژند، اصل میں اس کا معنیٰ چقماق ہے، جس سے آگ جلاتے ہیں، اس کا نام ژند، اسی لیے رکھا گا ہے کہ اس کے اندر روشنی ہے۔

مگر یہ طوائف الملوکی اور مذہبی حالت خراب ہونے کی وجہ سے نابود ہو گئی اور ایرانیوں کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

(۴) ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔

کتاب مذکور (برہمن بھاگ) کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ہمارے ان مختصر فقرات سے ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظت الٰہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔

اس حفاظت الٰہیہ کا اندازہ کرو جو قرآن مجید کے متعلق کہ اس کا زیر و زبر اور حرف بہ حرف توالی و تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الٰہی خود کار فرما نہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہو جانا ضروری تھا۔ یہ حفاظت الٰہی کے متعلق قطعی ثبوت ہے۔ (رحمۃ اللعالمین، ج ۳، ص ۳۰۶ تا ۳۱۱)

قرآن مجید میں حروف تہجی کی تعداد کا شمار

درج ذیل میں ہم یہ نقشہ پیش کرتے ہیں الف سے لے کر یاء تک ہر ایک حرف تہجی کتنی تعداد میں قرآن میں آیا ہے۔

الف	:	۴۸۹۹۲	ب	:	۴۴۱۸
ت	:	۲۴۰۴	ث	:	۳۱۰۵
ج	:	۴۲۳۲	ح	:	۴۱۲۰
خ	:	۲۱۰۵	د	:	۵۹۷۲
ذ	:	۴۷۳۹	ر	:	۱۲۶۴۰

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ز	:	۳۵۸۰	س	:	۵۹۷۶
ش	:	۲۱۱۵	ص	:	۲۰۰۸۳
ض	:	۶۸۲	ط	:	۱۳۰۷
ظ	:	۷۸۲	ع	:	۹۲۷۴
غ	:	۹۲۱۱	ف	:	۴۴۱۸
ق	:	۲۶۱۲	ک	:	۱۰۶۲۸
ل	:	۳۳۵۲۰	م	:	۲۶۵۱۵
ن	:	۴۴۱۹۰	و	:	۲۵۵۸۹
ہ	:	۱۶۰۷۰	ی	:	۲۵۹۹۰

(دستور العلماء، جلد نمبر ۲، قاضی الفاضل عبدالنبی احمد نگری)

سید مودودی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: یہ ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا نزول جس روز مکمل ہوا، اسی روز اس کی ترتیب بھی مکمل ہوگئی۔

جو اس کا نازل کرنے والا تھا وہی اس کا مرتب کرنے والا تھا، جس کے قلب پر وہ نازل کیا گیا، اسی کے ہاتھوں اسے مرتب بھی کرا دیا گیا۔ کسی دوسرے کی مجال نہ تھی کہ اس میں مداخلت کرتا۔ (مقدمہ تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۸)

اس سے آگے فرماتے ہیں: آج جو قرآن ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ ٹھیک اسی مصحف صدیقی کے مطابق ہے جس کی نقلیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری اہتمام سے تمام دیار و امصار میں بھجوائی تھیں۔

اس وقت بھی دنیا میں متعدد مقامات پر قرآن کے وہ مستند نسخے موجود ہیں۔ کسی کو اگر قرآن کی محفوظیت میں ذرہ برابر بھی شک ہو تو وہ اپنا اطمینان اس طرح کر سکتا ہے کہ مغربی افریقہ میں کسی کتاب فروش سے قرآن کا ایک نسخہ خریدے اور جاوا میں کسی حافظ سے زبانی قرآن سن کر اس کا مقابلہ کرے۔

اور پھر دنیا کی بڑی بڑی لائبریریوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت سے لے کر آج تک مختلف صدیوں کے لکھے ہوئے جو مصاحف رکھے ہیں ان سے اس کا تقابل کر لے۔ اگر کسی حرف یا شوشے کا فرق وہ پائے تو اس کا فرض ہے کہ دنیا کو اس سب سے بڑے تاریخی انکشاف سے ضرور مطلع کرے...... یہ...... قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ بلا کسی کمی بیشی کے ٹھیک ہے کہ یہ وہی قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ (مقدمہ تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۳۰ تا ۳۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی صداقت پر قرآن پاک کی گواہی

نبی اکرم ﷺ پر قرآن پاک نازل ہوا ہے اور اس دنیا میں سب سے پہلے قرآن پاک کا تعارف بھی نبی اکرم ﷺ نے پیش کیا تھا۔ قرآن پاک اس محسن اعظم ﷺ کی نبوت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے، سماعت فرمائیں:

دلیل نمبر ۱:...... رسول اکرم ﷺ جب پیدا ہوئے تو ملک عرب سخت جہالت میں جکڑا ہوا تھا۔ شراب نوشی، جوا بازی، غارت گری، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ بداخلاقیوں کا عام رواج تھا۔ عرب کی سرزمین کو ان بداخلاقیوں سے پاک اور ان گندے عیوب سے صاف آپ ﷺ نے ہی کیا تھا اور جاہل عرب کو استاد عالم آپ ﷺ نے ہی بنایا تھا اور یہ درندے لوگ انسانیت کی کمال تک آپ ﷺ کی صحبت کے اثر سے ہی پہنچے تھے۔ قرآن پاک آپ ﷺ کی نبوت کے دفاع میں اعلان کرتا ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ﴾ (سبا: ٤٦)

''میں تمہیں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تمہارے اور ہمارے سب جھگڑے طے ہو جائیں گے۔ وہ یہ کہ تم سب مل کر یا علیحدہ علیحدہ ہو کر سوچو اور غور کرو کہ تمہارے ساتھی کو جنون نہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ نے آپ ﷺ کو مقنن، مصلح قوم اور دور اندیش قرار دیا ہے اور یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جو تاریخ عرب سے واقف ہے۔ یہ آپ کے سچے نبی ہونے کی دلیل ہے کہ ایسا نظام ملکی قائم کیا کہ جس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں۔

دلیل نمبر ۲:...... قرآن پاک یہ پیش کر رہا ہے جو اس کتاب نے دنیا کے متعلق نظریہ دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا کردار عین اس کے مطابق ہے۔ ارشاد قرآن ہے:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫﴾ (النساء: ٧٧)

''دنیا کا گزارہ تو بہت ہی تھوڑا ہے اور آخرت کا بدلہ جو پرہیزگاروں کے لیے سب سے بہتر ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَفَرِحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴾ (الرعد : ٢٦)

''اور یہ دنیا کی زندگانی کے ساتھ خوش ہوئے جبکہ دنیا کی زندگانی آخرت کے مقابلہ میں معمولی سامان ہے۔''

ایک اور مقام پر آتا ہے:

﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾ (الکھف : ٤٦)

''دنیا کا مال اور بال بچے، یہ سب دنیا ہی کی زینت ہیں۔ ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیاں ہی ہیں جو ثواب اور آرزو کے لحاظ سے بہتر ہیں۔''

ان تمام آیات مبارکات میں دنیا کی بے بضاعتی اور بے ثباتی بیان ہوئی ہے۔ آیئے ہم اس معیار پر پیارے پیغمبر ﷺ کا سیرت و انداز پرکھیں کہ وہ ان قرآنی آیات کی تصدیق پر پورا اترتا ہے۔ درج ذیل واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک نبی اکرم ﷺ کے اس نبوت کے کردار کی مکمل تائید کرتا ہے۔ جو آپ ﷺ کے سچا پیغمبر ہونے کی دلیل ہے۔ آیئے نبی اکرم ﷺ کے خانگی امور کی سادگی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ ﷺ کی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں (جو کہ گھریلو زندگی میں سب سے زیادہ قریب ہیں) آپ ﷺ اور آپ کے گھر والوں نے دو روز پے در پے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ یہ الفاظ شمائل ترمذی کے ہیں مگر بخاری، ج ٢، ص ٩٥٦، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی ﷺ میں اس کے مفہوم کی حدیث آتی ہے) اور مشکوۃ، ج ٢، ص ٢٢، باب فضل الفقراء میں متفق علیہ، حدیث میں یہی الفاظ ہیں)

ایک اعتراض:

یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اتنی زیادہ معاشی تنگی گزار رہے تھے جبکہ یہ بھی احادیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کی خوراک جمع کرتے تھے اور چار آدمیوں کو ہزار اونٹ دیتے تھے۔ ایک عمرہ میں سو اونٹ ذبح کیے تھے اور ایک دیہاتی کو بکریوں کا ریوڑ دیا تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم جیسے بزرگ جانثار اصحاب مال بھی موجود تھے پھر یہ تنگ حالی کیوں تھی؟

اس کا حل:

یہ ہے کہ یہ سب باتیں درست ہیں، مختلف حالات رہے ہیں۔ آپ ﷺ داد و دہش بھی کرتے رہے ہیں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فاقہ مستی بھی آتی رہی ہے اور یہ فاقہ کشی مالی تنگی کی وجہ سے نہ تھی، کبھی تو خود پر دوسروں کا ایثار کرتے تھے، کبھی زیادہ سیری وسیرابی اور کھانے پینے کی کثرت سے بچاؤ کے لیے معمولی غذا کھاتے تھے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مکہ میں مسلمان معاشی بدحالی کا شکار تھے۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد یہ اصحاب ثروت ہو گئے اور بنونضیر قبیلہ فتح کرنے کے بعد تو وافر مقدار میں کھجوریں وغیرہ حاصل ہوئیں۔ لوگ تحفہ میں دودھ والے جانور بھی دینے کی طاقت رکھتے تھے اور دیتے بھی تھے۔ مگر نبی اکرم ﷺ دنیا میں بے جا کشادگی نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ کے سامنے فرشتے نے یہ پیش کش کی کہ یہ بطحاء کی وادی سونے کی بنا دی جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اے میرے رب! ایک دن سیر رہوں، ایک دن بھوکا رہوں، میں تو یہ پسند کرتا ہوں، جب بھوکا ہوں گا تو تیری بارگاہ میں گڑگڑاؤں گا اور جب سیر شکم ہوں گا تو تیرا شکریہ ادا کروں گا۔ (تنقیح الرواۃ، ج ۲، ص ۲۲)

ایک منٹ کے لیے یہ مان لیتے ہیں کہ دیگر چیزیں آپ کو میسر نہ تھیں، کھانے پینے کو ملتی نہ تھیں۔ اس لیے آپ نے زہد اختیار کیا مگر اس کی تردید کے لیے یہ بات کافی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے لیے ٹاٹ کا بستر دوہرہ کر کے بچھایا کرتے تھے۔ ایک دن ہم نے چادر کو تہہ کر کے بچھایا، صبح ہوتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات تم نے کیا بچھایا تھا، ہم نے عرض کی بستر تو وہی ہے مگر ہم نے اسے چار تہہ بچھایا تھا کہ نرم ہوجائے۔ فرمایا، حسب معمول دو تہہ ہی بچھایا کرو اس نے مجھے نماز تہجد سے غافل کر دیا ہے۔ (شمائل، ص ۲۷، باب ما جاء فی فراش رسول اللہ ﷺ)

ظاہر ہے دوسری چیزیں تو میسر نہ آنے کا کہا جاسکتا ہے۔ یہ ٹاٹ تو قبضہ میں تھا، اسے دوہرا بچھاتے خواہ چوہرہ بچھاتے، ایسا کر سکتے تھے، یہ دنیا سے بے رغبتی کی زبردست دلیل ہے، قرآن پاک جس دنیا کو معمولی سامان قرار دے رہا ہے آپ ﷺ کا طرزِ عمل عین اس کے مطابق ہے۔ یہی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

''بادشاہ تواضع اختیار کرے تو تب اچھا کام ہے۔ گداگر تواضع کرتا ہے تو یہ اس کی عادت ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آپ کی تعلیم سے نبوت کا ثبوت

نبی اکرم ﷺ کی تعلیم کا بنیادی مسئلہ توحید باری تعالیٰ تھا اور نبی ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے توحید بیان کی جو توحید کے سخت منکر تھے۔ یہ صرف بیان ہی نہیں کی بلکہ اسے ان سے منوایا، یہ کیفیت تھی۔

پانی میں ہے آگ کا لگانا دشوار
بہتے دریا کو پھیر لانا دشوار
دشوار تو ہے نہ اتنا جتنا
بگڑی ہوئی قوم کا بنانا دشوار

سورت اخلاص میں اللہ کی واحدانیت اور بے نیازی بیان کی۔ آیۃ الکرسی میں اوصاف ربانی بیان کیے۔ توحید کے اثبات میں بے شمار دلائل پیش کیے اور شرک کی نفی کی اور عظمت الٰہی دلوں میں نقش کی اور شرک سے نفرت پیدا کی۔ مشرکوں کو اس سے رنج ہوا اور کہا:

﴿ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝ ﴾ (ص : ٥)

”یہ کیسا شخص ہے کہ جو سب خداؤں کو چھوڑ کر ایک ہی خدا کے پیچھے ہولیا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔“

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ مشرکوں کو آپ ﷺ کی ذات مستودہ صفات میں توحید کا عیب نظر آیا ہے۔

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں
ان میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہیں خود کام بھی ہیں

حالانکہ یہی وہ سب سے عظیم وصف تھا جو آپ کے اعلیٰ ہونے کا ثبوت ہے اور حق نبی ہونے کی دلیل ہے، اس کے سامنے آپ سر بندگی جھکائے نظر آ رہے ہیں۔

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ﴾ (الانعام : ١٦٢)

”تو کہہ دے میری نمازیں اور میری دعائیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے جو سب جہاں کا مربی ہے۔“

اب ذرا عقل و دانش کا دامن تھام کر بتائیں جو شخص ہر طرح سے خدا کی عظمت کرتا ہو اور اس کی توحید کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قائل ہو اور دوسروں کو توحید سکھاتا ہو اور اللہ کی تعظیم کے سبب اپنے گھر بار سے نکالا گیا ہو، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ یہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے، یقیناً یہ سچا نبی ہے۔ (تلخیص مقدمہ تفسیر ثنائی ص ۱۲ تا ۲۰)

وحی کی تعریف

لغت عرب میں وحی کا معنی خفیہ طور پر کسی چیز کو معلوم کرانا ہے، خواہ یہ کتابت وتحریر کے ذریعہ ہو، پیغام رسانی کے ذریعہ ہو، الہام، اشارہ یا معمولی آواز کے ذریعہ ہو۔ شرعی معنیٰ ہے۔ شریعت سے آگاہ کرنا اور اس کے احکام سے خبردار کرنا۔ (فتح الباری، ج ۱، ص ۹)

مولانا صفی الرحمٰن رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس ہوگئی اور یہی سن کمال ہے..... تو حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی (۲۱) تاریخ کو دوشنبہ (سوموار) کی رات میں پیش آیا۔ اس روز اگست کی (۱۰) تاریخ تھی اور ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے نبی ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے، بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے (۳۹) سال تین مہینے (۲۲) دن تھی۔ (الرحیق، ص ۹۷)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے درج ذیل وحی کی اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ سچے خواب کی صورت میں آتی تھی وحی کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی تھی۔

۲۔ فرشتہ دکھلائی دیئے بغیر آپ کے دل میں بات ڈال دیتا تھا۔ جیسا کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ اللہ سے اطاعت کے ذریعہ ہی کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ فرشتہ آدمی کی شکل میں آپ ﷺ کو مخاطب کرتا تھا۔ آپ اسے یاد کر لیتے تھے۔ اس صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی فرشتہ دیکھ لیتے تھے۔

۴۔ آپ ﷺ کے پاس ٹن ٹنانے کی طرح وحی آتی تھی۔ یہ وحی کی صورت بہت سخت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کو سخت سردی میں بھی پسینہ آجاتا۔ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بیٹھ جاتی۔

۵۔ فرشتہ اصلی شکل میں وحی لے کر آتا۔

۶۔ وہ وحی جو آپ پر بذریعہ فرشتہ معراج کی رات نازل ہوئی۔

۷۔ اور پس پردہ بغیر فرشتہ کے اللہ تعالیٰ خود بھی ہمکلام ہوئے۔ (ج ۱، ص ۱۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وحی کی ضرورت

آج دنیا میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اور دنیا بے چینی میں مبتلا ہے۔ حیاء باختگی کا دور دورہ ہے۔ عقائد فساد کی زد میں ہیں۔ انسانیت مٹ رہی ہے۔ اس کی جگہ حیوانیت چھا رہی ہے۔ دولت وثروت ہی زندگی کا مقصد بن چکی ہے۔ آیئے قرآن پاک کی صورت میں اس کا کا کچھ حل نکالیں، ہمیں قرآن پاک کی طرف پلٹنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

حضرت علامہ قاضی سید سلیمان منصوری پوری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

> ''یہ ان کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطۂ انسانیت سے نکل کر ان کی ماں، بہن سے نکاح جائز، مباح سمجھ لینا اور روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگان خدا کا خون پانی کی طرح بہانا۔ ان کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔ اس کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد، عورت، برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔ غرض تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کو دور کرنے میں وہ کتابیں جو دینا میں پہلے نازل شدہ تھیں ناکافی ثابت ہو چکی تھیں۔ اس لیے ضرورت تھی، ایک مہیمن کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کی قابلیت اور بلحاظ عظمت شان کے دیگر اوارق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی اگر ایسی کتاب ہے تو وہ قرآن مجید ہے۔ (رحمۃ اللعالمین، ج ۲، ص ۲۷۳)

اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کو اللہ کی مرضی سے زندگی گزارنے کا پابند ہونا چاہیے۔ اللہ کی مرضی کیا ہے۔ وحی کے ذریعہ ہی پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواس، یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ پھر عقل دی ہے اور علاوہ ازیں وحی سے آگاہ کیا ہے۔ انسان کئی چیزیں حواس کے ذریعے حاصل کرتا ہے، کئی چیزیں عقل کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ جو ان دونوں سے حاصل نہ ہوں وہ وحی کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تینوں ذرائع کی ایک حد ہے، یہ اس سے آگے نہیں بڑھتے۔ مثلاً دیوار دیکھ کر آنکھ کو علم ہوجاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، اگر آنکھ بند کرلیں تو عقل سے اس رنگ کو معلوم کرنا ممکن نہیں۔ یہ حواس کا کام اور حواس اور عقل دونوں سے اگر یہ پتہ کریں کہ اس دیوار کو کس نے بنایا ہے یہ ممکن نہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس دیوار کو کس طرح استعمال کریں گے تو رب راضی ہے اور کس طرح استعمال نہ کریں تو رب راضی نہیں۔ یہ نہ تو عقل سے ممکن ہے نہ ہی حواس سے ممکن ہے، یہ کوئی بتائے گا تو تب پتہ چلے گا۔

یہ بتانا کہ فلاں کام کریں تو اللہ راضی ہے اور فلاں کام سے اللہ ناراض ہے، یہ پیغمبروں کی ذمہ داری ہے اور پیغمبر بذریعہ وحی بتاتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ وحی ایک ناگزیر حقیقت ہے جس کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کو محیر العقول انداز میں پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا ایسا انتظام بھی نہ کرسکے جس کے ذریعہ انسانوں کو یہ ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے۔ پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔ اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ وحی محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔'' (معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۳)

صاحب تبیان القرآن رقم طراز ہیں:

''بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں۔ مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے جو اس کی غلطیوں پر عقل تنبیہ کرتی ہے اور بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے۔ مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

صاحب تبیان کی یہ بات درست ہے اور نہایت ہی دلکش ہے۔ ایک بات قابل اعتراض کر گئے ہیں، جو یہ ہے کہ ہماری رسائی عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔'' (ج ۱، ص ۴۶، مقدمہ تفسیر)

یہ کہنا نبی کی رسائی عالم غیب میں بھی ہے اس کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ عالم غیب سے اللہ تعالیٰ نبی پر وحی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں اور اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور وہ آگے قوم کی رہنمائی کرتے ہیں تو اس میں اعتراض نہیں، اگر یہ مطلب ہے جیسا کہ بظاہر الفاظ کا تقاضا ہے کہ نبی کو عالم غیب تک رسائی ہے وہ اس عالم سے خود جانتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے یا جن وغیرہ کا ہے تو یہ اللہ کی صفت میں شریک کر دیا گیا جو سخت غلط ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲﴾ (الحشر : ۲۲)

”وہی اللہ معبود ہے، نہیں کوئی معبود مگر وہی، غیب اور حاضر کو جاننے والا ہے۔“

باقی اس بات میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ نبی پر دوسری بات میں اور وحی میں تمیز کرنا مشکل نہیں، سچے نبی کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میرے اوپر نازل ہی کلام الٰہی ہوتا ہے، غیر کلام کی آمیزش اس میں ہو ہی نہیں سکتی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حدیث کا مقام قرآن کی نظر میں

سنت اور حدیث ہم معنی ہیں۔ سنت کا لغوی معنی طریقہ ہے خواہ اچھا ہو یا برا ہو۔ قرآن پاک میں وارد ہوا ہے:

﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾ (الاسراء : ۷۷)

''یہ طریقہ ہے ان کا جنہیں ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور تو ہمارے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پائے گا۔''

محدثین کرام سنت کی یہ تعریف کرتے ہیں، نبی ﷺ کا قول، یا فعل، تقریر، صفت یا سیرت سنت ہے۔ سنت اور حدیث ہم معنی و ہم مطلب ہیں۔

امت اسلامیہ نے حدیث اور سنت کی حفاظت کا بہت اہتمام کیا ہے، اسے زبانی اور تحریری محفوظ رکھا ہے اور پھر اسے ایک دوسرے تک پہنچایا ہے اور اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ نے اس امت کو یہ شرف خاص بخشا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کی سنت و حدیث جیسی امانت کے تحفظ پر ہر چیز قربان کر دی۔

ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ خصوصیت دی ہے کہ اور کسی بھی ملت کو یہ شرف حاصل نہیں کہ باسند متصل قابل اعتماد ذریعہ سے حدیث نبی ﷺ تک پہنچتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور تابعین رحمہم اللہ نے اور بعد والوں نے بھی جو رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے، پورے فکر اور امانت و اخلاص کے ساتھ اسے پہنچایا ہے جسے ائمہ حدیث نے مدون کیا ہے۔'' (تاریخ تشریع الاسلامی، ص ۸۸)

مگر ایک گروہ ایسا ہے جن کے دلوں کا نور مٹ چکا ہے اور آنکھوں کی بصارت ناکارہ ہے۔ وہ حدیث و سنت کی اہمیت کا انکار کرتا ہے۔ وہ یہ اظہار کرتا ہے، قرآن پاک ہی کافی ہے حدیث و سنت کی نہ تو ضرورت ہے نہ ہی اس کا مقام ہے۔ پس نماز و روزہ، حج وغیرہ جس طرح نسل در نسل جاری ہے اسی طرح ادا کریں۔ نبی ﷺ کا قول یا فعل بھی یہ حیثیت رکھتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے امام ہیں اور آپ کا اجتہاد بدلتا رہتا ہے۔ قرآن پاک نے احکام بیان کر دیئے ہیں، حدیث و سنت کی طرف جانا ضروری نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ ارشادگرامی ہے:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ (المائدہ : ۳)

''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔''

اور ارشادگرامی ہے:

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ (النحل : ۸۹)

''اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔''

لوگ ان آیات سے یہ دلیل لیتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مستقل کچھ نہیں بتایا جو کچھ بھی بتایا قرآن پاک سے بیان کیا ہے۔ اگر آپ کی حدیث قانون سازی کی حیثیت رکھتی ہوتی تو اس کی تدوین کا حکم دیتے جیسا کہ قرآن کی تدوین کا حکم دیا ہے بلکہ آپ نے حدیث لکھنے سے منع کر دیا تھا اور آپ کی مرض الموت میں بھی یہ کہنے کا ثبوت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے پاس ہی کہا تھا۔ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے وہ ہمیں کافی ہے۔

یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ علمائے اسلام نے اس کا جواب دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ کے دین والے لوگوں پر جو بھی مصیبت نازل ہوئی ہے اللہ کی کتاب میں اس کی رہنمائی موجود ہے۔

ان اعتراضات کے جوابات:

(۱) اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے بعض احکام واضح طور پر فرض کیے ہیں مثلاً زکوۃ، نماز، حج، بے حیائیوں کو حرام قرار دیا، زنا اور شراب، مردار کھانا، خنزیر کا گوشت کھانا حرام قرار دیا ہے اور وضو کے فرائض بیان کیے ہیں۔

(۲) قرآن پاک نے اجمالی طور پر حکم دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے قولی اور عملی سنت سے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ جیسا کہ نماز کے اوقات ہیں۔ ان کی رکعات ہیں۔ زکوۃ کی مقدار سے روزے کے احکام ہیں۔ حج کے طریقے ہیں۔ شکار کرنے اور جانور ذبح کرنے اور کون سے جانور کھانے حلال ہیں اور کون سے حرام ہیں۔ نکاح کی تفصیلات ہیں۔ تجارت کے معاملات ہیں اور دیگر جرائم کے معاملات ہیں، ان کی تفصیل حدیث بتاتی ہے۔

(۳) وہ احکام ہیں جنہیں قرآن نے واضح نہیں کیا اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت لازم قرار دے دی ہے جو اس کو تسلیم کرتا ہے اس نے اللہ کے حکم کی ہی اطاعت کی ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ اپنے تاثرات یوں قلمبند فرماتے ہیں:

''سنت کا تعلق قرآن پاک کے ساتھ تین طرح کا ہے۔ (۱) سنت اور قرآن کی آپس میں ہر طرح موافقت ہو۔ (۲) قرآن پاک کی مراد کی سنت تفسیر کرے۔ (۳) قرآن پاک نے ایک حکم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرام ہونے یا حلال ہونے سے خاموشی رکھی ہے۔ حدیث اسے واضح کرتی ہے۔"

سنت کی یہ تینوں اقسام کسی وجہ سے بھی قرآن پاک کے مخالف نہیں، بلکہ سنت سے ثابت اجمال کی تفصیل اور قرآن کی موافقت اور قرآن کی خاموشی پر سنت کا حکم لازمی اطاعت کے قابل ہیں کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اسے نہ ماننا قرآن کی نافرمانی ہے اور اسے ماننا قرآن کی اطاعت ہے اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بعض شریعت کے احکام صرف سنت سے ثابت ہیں۔

مثالیں:

(۱) گھریلو گدھے کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر صرف حدیث میں ہے اور ہر کچلی والے درندے کے حرام ہونے کا ذکر بھی صرف حدیث میں ہے۔ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل نہ کرنے کا ذکر بھی حدیث میں ہے اور ایک وقت ایک آدمی کے نکاح میں بھانجی اور خالہ اور بھتیجی اور پھوپھی کو جمع کرنے کے حرام ہونے کا ذکر بھی حدیث میں ہی ہے۔

(۲) جواب: رہی یہ بات کہ نبی ﷺ نے حدیث لکھنے سے منع کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کا حل یہ ہے کہ یہ آغاز وحی میں تھا کہ لوگوں کو قوت حافظہ پر اعتماد تھا اور ساتھ یہ وجہ تھی کہ حدیث اور قرآن خلط ملط نہ ہو جائیں۔ بعد میں آپ ﷺ نے خود احادیث لکھوائی تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث کے صحیفے تحریر کیے لہٰذا ثابت ہوا کہ سنت اور حدیث ایک مستقل شریعت کا شعبہ ہے۔ ایک شعبہ قرآن ہے اور دوسرا شعبہ حدیث ہے۔ تمام احکام اسلامی کا یہ مرکز ہیں۔ قرآن پاک سنت اور اس کا مقام خود متعین کرتا ہے۔

(۱) ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (النجم : ۳۔۴)

"وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی ہے جو کی جاتی ہے۔"

قرآن نبی ﷺ کی دین کے بارے میں ہر بات کو وحی قرار دے رہا ہے۔ اس میں سنت اور حدیث بھی آجاتے ہیں۔

۲۔ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (الحشر : ۷)

"اور رسول اکرم ﷺ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔"

اس میں رسول اکرم ﷺ کے حکم دینے سے اطاعت کرنے کا اور منع کرنے سے رکنے کا کہا گیا ہے۔ ثابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوا آپ کی اتباع کا حکم ہے۔

(۳) ارشاد گرامی ہے:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ (النساء : ۵۹)

''اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اکرم کی اطاعت کرو۔''

اس میں آپ ﷺ کی اطاعت کا ایک مستقل حکم دیا گیا ہے۔

(۴) ارشاد گرامی ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

(النور : ۶۳)

''پس چاہیے کہ ڈر جائیں وہ لوگ جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں یہ کہ انہیں فتنہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب پہنچے۔''

اس میں بھی آپ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے۔

(۵) ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ (الاحزاب : ۳۶)

''کسی مؤمن مرد اور عورت کے لائق نہیں جب ایک کام کا اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں پھر انہیں اختیار نہیں اسے نہ مانیں۔''

اس میں آپ ﷺ کے حکم کے سامنے اختیار نہ رکھنے کا درس ہے۔

(۶) ارشاد گرامی ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾ (النساء : ۶۵)

''تیرے رب کی قسم! یہ ایماندار نہیں یہاں تک کہ یہ آپ کو اپنے جھگڑے میں حاکم بنائیں پھر جو تو فیصلہ کرے اس میں تنگی نہ پائیں اور اسے رضامندی سے تسلیم کر لیں۔''

آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کے اصول میں شمار کیا گیا ہے۔

(۷) ارشاد گرامی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء : ۸۰)

''جس نے رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اس میں آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمانداروں پر فرض قرار دیا ہے کیونکہ آپ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔

علامہ منان خلیل قطاع فرماتے ہیں:

شرعی دلائل اس شک کی جڑ کاٹ دیتے ہیں جو سنت کے بارے میں پیدا ہوتا ہے اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کے بعد دوسرا مقام سنت و حدیث کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمانداروں کے دلوں میں حدیث و سنت کا بہت بلند مقام ہے اور اس کے علوم کی مسلمانوں نے جتنی نگہداشت کی ہے دنیا کے دیگر ادیان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی اور نبی ﷺ کی طرف منسوب احادیث کی صحیح اور غیر صحیح کی تمیز کرنے میں انہوں نے جہد مسلسل سے کام لیا ہے۔ (تاریخ التشریع الاسلامی، ص ۸۹)

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ اس کا حل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث کی حفاظت کا خود انتظام کیا تھا اور انھیں دوسروں سے لکھوایا تھا اور حدیث کے مطابق خود فیصلے کیے۔ لہٰذا یہ بات خود بخود باطل ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ (تفہیم اسلام، ص ۵۸)

مفسرین کے طبقات:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ۔

(۲) تابعین کرام رحمہم اللہ کا طبقہ۔

(۳) ایسے مفسرین جنھوں نے صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال جمع کیے۔

(۴) ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ کا طبقہ۔

(۵) ایسے مفسرین جنھوں نے اسانید کو حذف کر دیا۔

(۶) ایسے مفسرین جنھوں نے اپنے اپنے زمانوں کے چیلنج کا مقابلہ کیا۔

کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کئی براعظموں تک ہو چکی تھی اور مخالفین اسلام قرآن کریم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کر رہے تھے۔ فلسفی فلسفہ سے اعتراض کر رہے تھے اور یہود و نصاریٰ الگ اعتراضات کر رہے تھے۔ دہریوں نے طوفان اٹھا رکھا تھا۔ ان مفسرین نے ان سب کا مقابلہ کیا۔ (مقدمہ تبیان القرآن: ۱/۱۲۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی تفسیر

تفسیر کا لغوی معنی:

یہ فَسَرَ سے نکلا ہے۔ فَسَرَ کا معنی اظہار کرنا ہے اور کھولنا ہے۔ (المفردات، ص ۳۸۰)

تفسیر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ الفاظ قرآنی بولنے کی کیفیت اور ان کے مدلولات اور احکام کی وضاحت کرنا، مسائل نکالنا، احادیث و آثار بیان کرنا اور ان کے شان نزول بیان کرنا۔ (کتاب التعریفات، ج ۳، ص ۴۴۰)

علامہ خازن رحمہ اللہ تفسیر اور تاویل میں فرق بیان فرماتے ہیں:

"وَالْفَرْقُ بَيْنَ التَّفْسِيْرِ وَالتَّاوِيْلِ اَنَّ التَّفْسِيْرَ يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ الْمُسْتَعِ وَالتَّاوِيْلَ يَتَوَقَّفُ عَلَى الْفَهْمِ الصَّحِيْحِ" (تفسیر خازن، ج۱، ص ۱۱)

"تفسیر اور تاویل کے درمیان یہ فرق ہے کہ تفسیر کا علم منقول پر موقوف ہے جو سنا گیا ہے اور تاویل صحیح فہم پر موقوف ہے۔"

اگر بری سوچ سے تفسیر کی جائے تو اسے غلط تاویل کہتے ہیں جو تحریف ہے۔

مفسر چونکہ آیت کا معنی و معاملہ واضح کرتا ہے اس لیے تفسیر کرنے والے کو مفسر کہتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"عربی زبان میں تفسیر کے لفظی معنی ہیں کھولنا اور اصطلاح میں علم تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے معانی بیان کیے جائیں اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے۔"

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝۴۴﴾ (النحل : ٤٤)

"اور ہم نے قرآن آپ پر اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرما دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔"

نیز قرآن کریم کا ارشاد ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (آل عمران : ١٦٤)

''بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور انہیں پاک وصاف کرے اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے۔''

چنانچہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے۔ بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے۔ (مقدمہ تفسیر معارف، ص ۴۹)

قرآن پاک کی تفسیر کے طریقے

علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ یہ کلام الٰہی کے معانی و مطالب لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ قرآن پاک یہود و نصاریٰ کی مذمت اس وجہ سے بھی کرتا ہے کہ انہوں نے یہ ذمہ داری پوری نہ کی تھی۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴾ (آل عمران : ١٨٧)

''اور جب ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جو کتاب دیئے گئے تھے۔ ضرور تم اسے بیان کرو لوگوں کے لیے اور اسے مت چھپاؤ۔ پس انہوں نے اسے پس پشت ڈالا اور اس کے ساتھ تھوڑی قیمت خریدی۔ برا ہے جو وہ خریدتے ہیں۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب پر توجہ نہ دی دنیا میں مشغول رہے۔ ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ جن وجوہ کی بناء پر اہل کتاب کی مذمت ہوئی ہے۔ ہم اس سے باز رہیں۔ کتاب کی اتباع کریں اور اسے سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔ جس طرح مردہ زمین پر باران رحمت برسے تو یہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گناہوں کے باعث سنگدل ہونے والے انسان، ایمان و ہدایت کی بدولت صاحب گداز بن سکتے ہیں اور یہ قرآن پاک کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قرآن پاک کی تفسیر بذریعہ قرآن کرنا صحیح ترین تفسیر ہے۔ کیونکہ اگر قرآن پاک ایک جگہ مختصر بیان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے تو دوسری جگہ وضاحت سے بیان کرتا ہے اور اگر قرآن کی قرآن سے وضاحت نہ ہو تو پھر سنت سے تفسیر کی جائے کیونکہ سنت قرآن پاک کی تشریح ہے۔ بلکہ ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم قرآن پاک سے لیا گیا ہے۔"

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ﴾ (النساء : ١٠٥)

"بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے آپ کو سکھائی ہے۔"

ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ﴾ (النحل : ٦٤)

"اور نہیں اتارا ہم نے کتاب کو مگر تاکہ تم جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اس چیز کو بیان کرو۔"

اگر قرآن و سنت سے تفسیر نہ ملے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن پاک کے نازل ہونے کے دور کے حالات و قرائن سے خوب واقف تھے۔ ان کا علم کامل تھا اور درست تھا اور یہ لوگ عمل صالح کے پیکر تھے۔ اگر قرآن و سنت اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تفسیر نہ ملے تو پھر تابعین رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں تفسیر کی جائے۔ (مقدمہ تفسیر ابن کثیر، ج ١، ص ٣)

علامہ محمد میر ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ نے ان طریقوں کے علاوہ یہ بھی بتایا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ساتھ، قرآن کی تفسیر حدیث کے ساتھ، اقوال صحابہ و تابعین کے ساتھ کی جائے اور بغیر تحریف کیے اور الحاد اور کجروی سے بچ کر عرب زبان کے انداز اور ادب کی تراکیب کے مطابق بھی تفسیر کی جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اوپر مذکورہ طریقوں میں تفسیر نہ ملے۔ (واضح البیان، ص ٢٨)

علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قرآن، حدیث، صحابہ کے اقوال، تابعین کے اقوال، لغت عرب، تدبر اور استنباط کے ساتھ تفسیر کی جائے۔ مزید فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن و سنت، اجماع، لغت، صحابہ اور تابعین کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی دوسرے شرعی اصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔بعض صوفیاء نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار و افکار بیان کرنے شروع کیے تھے لیکن امت کے محقق علماء نے انہیں قابل اعتبار نہ سمجھا، کیونکہ قرآن و سنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔'' (مقدمہ معارف القرآن، ج۱،ص ۵۲)

علامہ غلام رسول صاحب نے بھی تبیان القرآن، ج۱،ص ۱۲۸ میں تقریباً یہی تفسیر کے طریقے تسلیم کیے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی سات قرأتوں کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر آسانی فرمائی ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ تاکہ دقت نہ رہے۔ کوئی ایک طریقہ سے نہیں پڑھ سکتا تو دوسرے طریقہ سے پڑھ لے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ایک جھوٹے سے تالاب کے پاس تشریف فرما تھے جو کہ بنو غفار قبیلہ کا تھا۔ آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا، امت کو ایک حرف (وجہ) پر قراءت کا حکم دو۔ آپ نے فرمایا، میں اللہ سے مغفرت و عافیت مانگتا ہوں۔ میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ یہ دوبارہ آئے تین انداز پر پڑھنے کا کہا۔ آپ نے وہی کہا۔ پھر سہ بارہ آئے۔ یہی کہا، چوتھی مرتبہ آئے تو جبریل نے کہا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُقْرِءَ اُمَّتَكَ الْقُرانَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاَيُّمَا حَرْفٍ قَرَءُوْا عَلَيْهِ فَقَدْ اَصَابُوْا)) (مسلم : ۸۲۱۔ ابوداؤد : ۱۴۷۸۔ نسائی ، ج ۲، ص ۱۵۲۔ احمد، ج۵، ص ۱۲۷۔ ابن حبان : ۷۳۸، طبری : ۳۵)

”بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی امت کو سات انداز پر قرآن پڑھائیے، جس بھی انداز پر یہ پڑھیں گے یہ درست ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے ملے تو فرمایا، جبریل میں امی امت کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ان میں بوڑھے، غلام اور لونڈی بھی ہیں اور ایسے آدمی بھی ہیں، انہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی، انہوں نے فرمایا:

((يَا مُحَمَّدُ: اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ)) (صحیح۔ ترمذی : ۲۹۴۴۔ احمد، ج۵، ص ۱۳۲۔ ابن ابی شیبہ، ج ۱۰، ص ۵۱۸۔ ابن حبان : ۷۳۹ والصواب حسن)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اے محمد ﷺ! قرآن پاک سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔''

سات حرفوں کی وضاحت:

اَحْرُف جمع ہے اس کا واحد حرف ہے۔حرف تین معانی میں استعمال ہوا ہے۔(۱) حد (۲) طرف یا کنارہ (۳) انحراف کرنا

حدیث میں وارد (احرف) کے بارے میں اختلاف ہے۔سیوطی رحمہ اللہ نے تقریباً (۴۰) اقوال بیان کیے ہیں اور اکثر علمائے کرام نے (سات) اقوال بیان کیے ہیں۔ (۱) وہ حرف جو متعدد معانی پر بولا جائے، اس کا تعین مشکل ہے۔(۲) اس سے حقیقی تعداد مراد نہیں بلکہ حروف کی کثرت تعداد مراد ہے۔(۳) سات حروف سے مراد احکام کی سات اقسام مراد ہیں۔حلال وحرام، امر، توبیخ، محکم متشابہ، امثال (۴) سات حروف سے مراد یہ ہے جو بعض کلمات میں کمی کر دی جاتی ہے اور بعض میں حروف کی زیادتی کر دی جاتی ہے۔(۵) سات حروف سے مراد ہے کہ قرآنی کلمات میں اختلاف سات قسموں میں کیا جا سکتا ہے۔یہ اختلاف ان سے خالی نہ ہوگا۔ (۶) سات حروف سے مراد یہ ہے کہ الفاظ میں تبدیلی آئے مگر معنی تبدیل نہ ہو جیسا کہ کسی سے کہیں ادھر آؤ تو هَلُمَّ کا لفظ ہے اس کی جگہ تَعَالُ کہنا۔

(۷) سات قراء توں سے مراد ایسی سات لغات ہیں جن میں یہ قرآن پاک نازل ہوا ہے۔علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تحقیق کے بعد میرا دلی میلان یہ ہے کہ سات حروف سے مراد سات لغات ہیں۔(مقدمہ روح المعانی، ج۱ص ۲۹۔۳۰)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔اکثر اہل علم کا یہی خیال ہے کہ سات حروف سے مراد یہ ہے الفاظ مختلف ہوں جن کے معانی تقریباً قریب قریب ہوں۔(تفسیر، ج۱ص ۴۸)

مثلاً سورۃ الحدید آیت (۱۳) ہے: ﴿لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا﴾ کی جگہ اَمْهِلُوْنَا اور اَخِّرُوْنَا پڑھا جائے۔معانی سب کے ایک ہیں۔ہمیں مہلت دو۔

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَقِيْلَ هِيَ سَبْعُ قِرَاتٍ وَهُوَ الصَّحِيْحُ الْمُوَافِقُ لِلْحَدِيْثِ لِاَنَّ هٰذِهِ السَّبْعَةَ ظَهَرَتْ وَاسْتَفَاضَتْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ" (تفسیر، ج۱، ص ۹)

''کہا گیا ہے کہ سات حروف سے مراد سات قرأتیں ہیں اور یہی قول صحیح ہے اور حدیث کے موافق ہے۔یہی سات نبی ﷺ سے محفوظ و مشہور ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگے فرماتے ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے انہیں ہی ضبط کیا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے مصحف میں انہیں ثابت رکھا ہے۔

علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور اچھی وضاحت سے لکھتے ہیں۔محقق علماء کے نزدیک اس میں راجح مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ان میں باہمی فرق و اختلاف کل سات نوعیتوں پر مشتمل ہے اور وہ سات نوعتیں یہ ہیں۔

۱۔ اسماء کا اختلاف، جس میں افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے۔مثلاً ایک قراءت میں **تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ** ہے اور دوسری قرأت میں **كَلِمٰتُ رَبِّكَ**۔

۲۔ افعال کا اختلاف: کہ کسی قراءت میں صیغۂ ماضی ہے، کسی میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً ایک قراءت میں **رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا** ہے اور دوسری میں **رَبَّنَا بَعِّدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا**۔

۳۔ وجوہ اعراب کا اختلاف جس میں اعراب یا زیر، زبر، پیش کا فرق پایا جاتا ہے۔مثلاً **لَا يُضَارَّ كَاتِبٌ** کی جگہ **لَا يُضَارُّ كَاتِبٌ** اور **ذُوْا الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ** کی جگہ **ذُوْا الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ**

۴۔ الفاظ کی کمی وبیشی کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو مثلاً ایک قراءت میں **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** اور دوسری میں **تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** ہے۔

۵۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہو۔مثلاً **وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ** اور **وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ**۔

۶۔ بدلیت کا اختلاف، ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ، مثلاً **نُنْشِرُهَا اَوْ نَنْشُرُهَا** نیز **فَتَبَيَّنُوْا** اور **فَتَثَبَّطُوْا** اور **طَلْحٍ** اور **طَلْعٍ**۔

۷۔ لہجوں کا اختلاف: جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، مد، قصر، ہمزہ، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلافات داخل ہیں۔یعنی اس میں لفظ تو نہیں بدلتا لیکن اس کے پڑھنے کا طریقہ بدل جاتا ہے۔مثلاً **مُوْسٰى** کو ایک قراءت میں **مُوْسَىْ** کی طرح پڑھا جاتا ہے۔(معارف القرآن، ج۱، ص۳۱)

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَظْهَرُ الْاَقْوَالِ وَاَصَحُّهَا وَاَشْبُهُهَا بِظَاهِرِ الْحَدِيْثِ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ هٰذِهِ الْحُرُوْفِ اللُّغَاتُ، وَهُوَ اَنْ يَّقْرَءَ كُلُّ قَوْمٍ مِّنَ الْعَرَبِ بِلُغَتِهِمْ" (شرح السنه، ج٤، ص ٥٠٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"سب سے ظاہر اور صحیح ترین اور حدیث کے مناسب یہی قول ہے کہ ان حروف سے مراد زبانیں ہیں کہ عرب کی ہر قوم اپنی لغت کے مطابق پڑھ لے۔"

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، سات حروف کے پڑھنے کے اختلاف سے مراد الفاظ کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ کسی سے یہ کہنا ہو آؤ، تو اس کے لیے تَعَالْ اور هَلُمَّ کہنا معانی متفق ہوتے ہیں، معانی کا اختلاف نہیں ہوتا جو کہ احکام کے اختلاف کا موجب ہو جائے۔ صرف لفظی اختلاف ہوتا ہے۔ معانی مختلف نہیں ہوتے۔

(جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ج ا ص ۶۷)

مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ ان حروف والی احادیث اور اقوال پر بحث کے بعد فرماتے ہیں، مذکورہ بالا دلائل قاہرہ براہین ساطعہ، احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ محکمہ اور ائمہ حدیث و قراء فقہاء محدثین رحمہم اللہ کی نصوص صریحہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قراءات قرآنیہ اور اس کے مختلف ہجات بالکل صحیح اور قطعی ہیں، ان کا انکار کفر ہے۔ اس پر اجماع امت ہے۔ (ماہنامہ رشد، ج ۲ ص ۵۹، ماہ ستمبر ص ۲۰۰۹ء)

اسی کے ص ۱۲۸ پر ہر مکتب فکر کے علماء (دیوبندی اہل حدیث، بریلوی) کے فتاویٰ کے بعد لکھا ہے:

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قراءات قرآنیہ یا بالفاظ دیگر قرآن مجید کو پڑھنے کے مختلف اسالیب قرآن و حدیث سے ثابت ہیں اور ان پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان سب کا یا کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو وہ بالا جماع گمراہ اور سبیل المؤمنین سے ہٹا ہوا ہے۔

سید مودودی رحمہ اللہ ایک سائل کے جواب میں قراءتوں کی پوری تحقیق سے تائید کرتے ہیں اور قرائے کرام کے نام بھی درج کرتے ہیں۔ جن سے یہ قراءتیں منقول ہیں۔

۱۔ نافع بن عبدالرحمن صوفی ۱۶۹ھ، یہ مدینہ کے رئیس القراء تھے۔

۲۔ عبداللہ بن کثیر متوفی ۱۳۰ھ یہ مکہ کے امام قراء تھے۔

۳۔ ابوعمرو بن علاء بصری متوفی ۱۵۵ھ حرمین، کوفہ و بصرہ کے قاری تھے۔

۴۔ عبداللہ بن عامر، متوفی ۱۱۸ھ یہ اہل شام کے امام قرأت تھے۔

۵۔ حمزہ بن حبیب کوفی متوفی ۱۵۷ھ یہ کوفہ کے امام قرأت تھے۔

۶۔ علی الکسائی متوفی ۱۸۹، یہ حمزہ کے بعد کوفہ کے امام قراءت تھے۔

۷۔ عاصم بن ابی نجود (۱۲۷ میں وفات پائی) موجودہ قرآنی نسخہ ان کے شاگرد حفص کی روایت کے مطابق ہے۔ ان کے علاوہ مشہور قراء ابوجعفر، یعقوب، خلف، حسن بصری، ابن محیصن، یحییٰ الزیدی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیوذی رحمہ اللہ ہیں۔

مولانا قراءتوں کے اختلاف کی افادیت میں رقم طراز ہیں۔

ان مختلف قراءتوں میں درحقیقت تضاد نہیں بلکہ غور کرنے سے ان میں بڑی گہری معنوی مناسبت اور افادیت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر **ملك يوم الدين** کی دو متواتر قراءتیں ہیں۔ عاصم، کسائی، خلف اور یعقوب نے کثیر التعداد صحابہ کی سند سے اس کو **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** نقل کی ہے۔ ایک قراءت کی رو سے ترجمہ ہوگا۔ روز جزا کا مالک اور دوسری قراءت کا ترجمہ روز جزا کا بادشاہ، غور کیجئے کیا ان دونوں میں تضاد ہے۔ درحقیقت ان دو قراءتوں نے مل کر تو معنیٰ کو اور زیادہ وسعت دے دی اور مدعا کو پوری طرح نکھار دیا......

اسی طرح دوسرے جن جن مقامات پر بھی قرآن کی متواتر اور مشہور قراءتوں میں اختلاف پائے جاتے ہیں، ان میں کسی جگہ بھی آپ تضاد اور تصادم نہ پائیں گے۔ ہر قرأت دوسری قرأت کے ساتھ ایک نیا فائدہ دیتی ہے۔ جو تھوڑے سے غور و فکر اور تحقیق سے آپ کو معلوم ہوسکتا ہے۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن، شمارہ ۱۹۵۹ء)

سات قراءتوں سے زائد قراءتوں کا ذکر:

ان سات کے علاوہ اور بھی کئی قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں۔ جب یہ غلط فہمی پیدا ہونے لگی کہ صحیح قراءتیں ان سات ہی میں منحصر ہیں تو متعدد علماء نے سات کے بجائے دس قراءتیں ایک کتاب میں جمع کر دیں۔ چنانچہ قرأت عشرۃ کی اصطلاح مشہور ہوگئی۔ بعض حضرات نے چودہ قاریوں کی قراءتیں جمع کیں۔ دس قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں ان کے علاوہ شاذ ہیں۔ (مقدمہ معارف، ج ا، ص ۳۴)

منکرین حدیث قرآن پاک کے غیر محفوظ ہونے یا اس کی قراءتوں کے غیر محفوظ ہونے کا واویلا اٹھاتے ہیں۔ ہماری مذکورہ تفصیل سے ان کے خیال کی تردید واضح طور پر ہو جاتی ہے اور ایسی بات ایک لغو ہے۔

علمائے کرام نے قرآن پاک کے علوم و مطالب کی حفاظت کی، کاتبوں نے اس کے رسم الخط کی حفاظت کی۔ قاریوں نے طرز و ادا کی حفاظت کی۔ حافظوں نے عبارت و الفاظ کی حفاظت کی اس کے نزول کے وقت سے لے کر آج تک اس کی زیر، زبر تبدیل نہ ہوسکی۔ کسی نے قراءت کے رکوع گنے، کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتی کہ بعض نے ایک ایک حرکت اور ایک ایک نقطے کو شمار کر ڈالا۔

(ادارہ معارف اسلامیہ، ج ۱۶، ص ۴۷۵)

ان سے تو مستشرقین (یورپ والے) اچھے ہیں جنہوں نے قرآن کو تمام صحیفوں میں مستند ترین صحیفہ قرار دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۔ تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔(وھیری)

۲۔ پامر کہتا ہے، سیدنا عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلم صحیفہ ہے۔

۳۔ لیکن پول کہتا ہے، قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف جو آج ہم پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔

(مجلہ فہم القرآن، اپریل ۲۰۰۱ء)

اس کے برعکس دیگر صحیفوں کے متعلق خود یہودی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے:

یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم اپنے کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا یہ بات بلاتکلف کہی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید جس شکل میں اور جن حروف میں اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا انہیں حروف کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محفوظ رکھا اور انہی حروف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محفوظ رکھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہی صحیفوں سے نقل کیا جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ پھر ان مصاحف کو مختلف علاقوں میں پھیلا دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں کا کہنا کہ انہوں نے سوائے حفص کی قراءت کے باقی سب قراءات ختم کر دیں بالکل درست نہیں یہ وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جن کو ان کی اصل کا پتہ نہیں۔ یہ قراءات اب بھی موجود ہیں۔ ہمارے ہاں حفص کی قراءت مروج ہو گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسری قراءات ختم ہوئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ختم کیا اور اختلاف نہ رہا وہ کیا چیز تھی؟

اس بارے میں گزارش ہے کہ نبی ﷺ نے جس سال وفات پائی۔ اس رمضان میں آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دو مرتبہ دور کیا تھا۔ (بخاری مع فتح الباری، ج۸، ص ۴۹۹۔ طبقات، ج۲، ص ۱۹۵) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی آخری دور والے قرآن کو نقل کیا تھا۔ اس میں جو تبدیلی کرنا تھی کر دی گئی تھی۔ اسی کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کیے تھے اور تبدیل شدہ چیزیں منسوخ آیات، شاذ قراءت جو لوگوں میں شائع ہو چکی تھیں اور تلاوت ہو رہی تھیں، ان سے اختلافات پیدا ہو سکتے تھے، ایسی چیزوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ختم کیا۔ مثلاً ایک چیز ایک آیت میں منسوخ ہو چکی تھی، لوگ ابھی پڑھ رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْعَصْرِ۔ لوگ یہ پڑھ رہے تھے حالانکہ یہ اس طرح نازل ہو چکی تھی۔ ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرہ: ۲۳۸)(فتح الباری، ج ۸، ص ۱۹۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب یہ عصر کے لفظ والی قراءت آخری دور میں نہ تھی، بدل چکی تھی لوگ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عثمان نے یہ ختم کیا تھا۔ سات قراءتیں ختم نہ کی تھیں۔ تاکہ بعد والے اسے قرآن نہ تصور کرلیں۔ (شرح نودی، ج۶، ص۳۴۹) ثابت ہوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن جمع کیا، انہوں نے وہ کچھ نکالا تھا جو نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے آخری دور کے وقت نکال دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کچھ نہ نکالا تھا نہ ہی ان سات لغات کو ختم کیا تھا جن کی اجازت وحی کے ذریعہ خود نبی ﷺ نے دی ہے اور یہ کام سارے صحابۂ کرام بمع حضرت علی رضی اللہ عنہم کے تعاون اور مشورہ سے ہوا تھا۔ اسے معرض تنقید میں لانا احادیث کے انکار کے ساتھ امت کے اجماع کی بھی تردید ہے جبکہ ایک مسلمان ایسا وبال مول نہیں لیتا۔

قراءت کے قبول کرنے کے بارے میں ایک اتفاقی قاعدہ یہ ہے کہ

۱۔ یہ قراءت جو بھی ہو مصحف عثمانی کے رسم الخط سے مطابقت رکھتی ہو۔ مثلاً ایک لفظ **بعد** ہے۔ اسے **بُعِدُ** اور **بَعَّدَ** پڑھیں تو قبول ہوگا مگر **بَعَدْتَ** قبول نہ ہوگا یہ سرکاری متن کے خلاف ہے۔

۲۔ یہ قراءت تب قبول ہوگی جو لغت عرب محاورے اور قواعد اور زبان کے خلاف نہ ہو اور عبارت کے سیاق و سباق سے مناسبت رکھتی ہو۔

۳۔ اس قراءت کی سند معتبر اور مسلسل واسطوں سے نبی ﷺ تک پہنچتی ہو۔ (ماہنامہ رشد، ص ۵۰۔۴۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسرائیلی روایات کا حکم

اسرائیلی روایات سے مراد وہ باتیں ہیں جو تورات اور انجیل سے حاصل کی جائیں، یہود اور نصاریٰ نے بیان کی ہوں، کیا ان سے قرآن پاک کی تفسیر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بارے میں بڑی ہی معتدل اور مناسب رائے بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں، اسرائیلی روایات استشہاد اور وضاحت کے لیے تو درج کی جا سکتی ہیں۔ قرآن کی تائید کے لیے نہیں۔ ان کی تین اقسام ہیں:

۱۔ جن کی صحت کا ہمیں یقین ہے انہیں بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ بھی وضاحت قرآن کے لیے بیان کی جائیں، اس کی تائید کے لیے نہیں۔

۲۔ وہ اسرائیلیات ہیں جو ہماری شریعت کے خلاف ہیں، جن کے جھوٹا ہونے کو ہم جانتے ہیں۔ انہیں قبول نہ کیا جائے گا۔

۳۔ وہ روایات جن کے متعلق خاموشی ہے، نہ سچ میں آتی ہیں نہ جھوٹ میں آتی ہیں۔ نہ تو ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، نہ ہی انہیں جھٹلاتے ہیں۔ انہیں بھی بیان کرنا جائز ہے۔ مگر دینی فائدہ نہیں۔

مثلاً اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کا رنگ، موسیٰ علیہ السلام کا عصا کس درخت سے تھا وغیرہ۔ (مقدمہ تفسیر، ج ۱، ص ۴)

اسرائیلی روایات جو قرآن کی موافق ہیں جیسا کہ فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ اور وہ جو قرآن وسنت کے خلاف ہیں، جیسا کہ اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ نعوذ باللہ! حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں کفر میں مبتلا ہو گئے تھے۔ قرآن کریم نے تردید کی۔ (البقرۃ: ۱۰۲)

اور جن کے بارے میں شرعی احکام خاموش ہیں ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھی خاموش رہنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ اوپر ابن کثیر کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ انہیں بیان کرنے کا جواز ہے اور جو مخالف ہیں ان کی تردید کی جائے اور جو شریعت کے موافق ہیں ان سے تشریح کرنا جائز ہے۔ یہ اسرائیلیات ہم تک کیسے پہنچیں، اس بارے میں علامہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ پہلے زمانے کے مفسرین کی عادت تھی کہ وہ کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچتی تھیں۔ ان میں بہت سی روایات اسرائیلیات ہوتی تھیں۔ اس لیے ان کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے، یہی اسرائیلیات تفسیر کی کتابوں میں داخل ہو گئی ہیں۔ (مقدمہ تفسیر معارف، ج ۱، ص ۵۲)

راقم نے ان سے مستفید ہونے کی صورت اوپر بیان کر دی ہے کہ جھوٹی روایات کی تردید کی جائے، صحیح کو تسلیم کرنے کا جواز ہے اور جن پر شریعت خاموش ہے ان سے خاموش رہیں، ضرورت پڑے تو بیان کرنے کا جواز ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رائے کے ذریعے تفسیر کا حکم

اوپر درج ہو چکا ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے یا حدیث سے یا اقوال صحابہ و تابعین سے کی جائے۔ اسرائیلی روایات کا حکم بھی ابھی اوپر گزرا ہے۔ اب اپنی رائے سے تفسیر کرنے کی جو مذمت ہے اس کی وضاحت پیش خدمت ہے۔ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اوپر بات کرنے سے بچو، وہی کہو جو تم جانتے ہو۔ جس نے میرے اوپر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

((وَمَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَأْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) (ترمذی : ۲۹۵۱۔ نسائی فی الکبریٰ : ۸۰۸۵، رجالہ ثقات)

''اور جس نے قرآن میں اپنی رائے سے بات کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔''

رائے سے تفسیر کے بارے میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لغوی اور نحوی لوگ جو معنی بیان کرتے ہیں وہ اس حدیث کی زد میں نہیں آتے اور نہ ہی فقہاء آتے ہیں جو اس کے معانی بیان کرتے ہیں۔ یہ علم ونظر کے قوانین کے تحت اجتہاد کرتے ہیں، یہ خالی رائے والے نہیں ہیں، مذمت والی رائے کی تفسیر یہ ہے کہ ائمہ سلف سے تفسیر نہ لے اپنی ہوا و ہوس کے مطابق اور صرف رائے سے کام لے۔'' (مقدمہ تفسیر، ج ۱، ص ٦٧)

شیخ علی مہائمی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

''وَقِيْلَ الْمَذْمُوْمُ جَعْلُ الرَّأْيِ مِعْيَارًا لِّمَا جَآءَ الْقُرْاٰنُ فَيُفَسَّرُ عَلٰى وَفْقِهٖ تَقْرِيْرًا لَّهٗ وَيُتْرَكُ ظَاهِرُ الْقُرْاٰنِ وَالْمَحْمُوْدُ جَعْلُ الرَّأْيِ تَابِعًا لِّدَلَالَةِ الْقُرْاٰنِ''

(مقدمہ تفسیر رحمانی، ص ٦)

''جو قرآن پاک لے کر آیا ہے اس میں اپنی رائے کو معیار قرار دینا اور رائے مضبوط کرنے کے مطابق اس کی تفسیر کرنا اور قرآن کے ظاہر معانی چھوڑ دینا مذموم رائے ہے اور رائے کو قرآن پاک کی دلالت کے تابع کرنا یہ محمود رائے ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اللہ کے فضل سے اس تفسیر میں یہ نہیں ہوگا کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کی تصریحات کے خلاف پہلے ایک بات کو ذہن میں قرار دے لوں اور پھر اس کی تائید کے لیے آیات قرآنیہ کو توڑ مروڑ کر اپنے ناقص ذہن کے سانچے میں ڈھالوں اور اسے بیان القرآن قرار دے کر اپنا اعتبار جماؤں۔ میں اس بات کو سراسر حرام مطلق جانتا ہوں۔ میرا ذہن، میری سمجھ، میرا علم، میرا عقیدہ، میرا خیال، غرض سب کچھ قرآن و حدیث کے تابع ہے اور ہونا چاہیے۔ پس مجھے ان کے سانچے میں ڈھلنا چاہیے۔ یہ کہ الٹا قرآن و حدیث کو اپنے ذہن اور اپنی سمجھ اور اپنے عقیدے کے تابع کروں کہ یہ عکس موضوع ہے۔''

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

''میں نے اپنی گردن کو دوست کے سامنے سرافگندہ کر دیا ہے جس جگہ اس کی مرضی ہے وہ لے جائے۔'' (مقدمہ واضح البیان، ص ۳۹)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تفسیر بالرائے کے متعلق عام تاثر یہی ہے کہ یہ منع ہے۔ تاہم قرآن کے الفاظ کی تفسیر میں اہل لغت کی جانب لوٹنا پڑتا ہے۔ اس کے ناسخ و منسوخ کو جاننے کے لیے تاریخ کی جانب رجوع کرنا ہوتا ہے اور اس کی مراد کے بیان کے لیے شریعت لانے والے پیغمبر کی جانب رخ کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان ماخذ سے رہنمائی نہ ملے تو اچھی فکر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اپنی خواہش اور اپنے خاص مذہب کو اصل بنا کر قرآن میں ایسی بات کہنا جو اس غلط مذہب کے تابع ہو یہ غلط ہے۔ جیسا کہ حروف مقطعات کے بارے میں یہ پختہ رائے دینا کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ چیز مراد لی ہے یہ رائے کی تفسیر ہے۔ مزید فرماتے ہیں:

ارسطو کے فلسفے اور وسوسے اور ملحد فرقوں کے ایسے کلیے جو شریعت کی نفی کرتے ہیں۔ یہ آراء غلط ہیں وگرنہ قرآن کے صحیح فہم کے لیے اجتہاد کرنے کی تو ترغیب دی گئی ہے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾

(النساء : ۸۳)

''اگر یہ اسے رسول اور اصحاب امر کی طرف لوٹاتے تاکہ وہ لوگ اس سے گہرائی میں اتر کر علم نکالتے تو بہتر تھا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دین میں فقہ وتفسیر کی مہارت کی دعاء کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کیا تمہارے پاس کوئی خاص علم ہے۔ فرمایا، کچھ نہیں، ہمارے پاس وہی علم ہے جو اس صحیفہ میں ہے یا پھر وہ فہم ہے جو اللہ کی کتاب میں دیا گیا ہے۔ (مقدمہ روح المعانی، ج ۱، ص ۱۰)

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَلنَّهْيُ عَنِ الْقَوْلِ فِي الْقُرْاٰنِ بِالرَّايِ اِنَّمَا وَرَدَ فِيْ حَقِّ مَنْ يَّتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ عَلٰى مُرَادِ نَفْسِهٖ وَمَا هُوَ تَابِعٌ لِهَوَاهُ'' (مقدمہ تفسیر، ج۱، ص ۵)

''قرآن میں اس رائے سے دخل اندازی سے منع کیا گیا ہے جو اس کی تاویل اپنے نفس کی مراد اور اپنی ہوا وہوس کے تابع کی جائے۔''

جیسا کہ اہل بدعت لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے بغیر علم کے قرآن کے بارے میں رائے دیتے ہیں، رائے مذموم ہے۔

علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھ رکھا ہے۔ چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے۔ وہ قرآن کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے۔ بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتا ہے...... یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت ہی مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے...... ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے...... آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کر دے۔

(مقدمہ معارف، ج ۱، ص ۵۴۔ ۵۳)

ہر آیت کے ظاہر و باطن کا مطلب:

ایک تو یہ مطلب ہے جو صوفیاء بیان کرتے ہیں اور معرفت کے نام پر وضاحت کرتے ہیں جو کہ سراسر بدعت اور خلاف شریعت ہوتے ہیں کیونکہ یہ اسلاف کے نقطۂ نظر کے مخالف بیان کرتے ہیں، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ جسے اہل علم بغیر غور وفکر ہی جانتے ہیں۔ باطن وہ ہیں جو غور وفکر سے حاصل ہوں۔ اللہ کی صفات کا بیان، احکام، قصے، کافروں کے خلاف دلائل پیش کرنا، جنت اور دوزخ کا بیان، یہ ظاہر ہے اللہ کی آیات میں اور صفات میں غور کرنا، احکام سے استنباط کرنا، نصیحت پکڑتے ہوئے رقت قلب پیدا ہونا۔ خوف کی آیات سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوف آنا اور امید والی آیات سے امید کی کرن پیدا ہونا، یہ باطنی معانی ہیں۔(مرعاۃ المفاتیح، ج۱، ص ۳۲۴)

ثابت ہوا آیات قرآنی ظاہر معنی رکھتی ہیں اور باطنی معانی رکھتی ہیں۔شریعت نے ہمیں بتا دیئے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ قرآن کا مغز صوفیاء کو معلوم ہے، علماء چھلکا لیے پھرتے ہیں بلکہ ظاہر و باطن دونوں علوم شریعت نے بتا دیئے ہیں۔ اس بارے میں، مناع خلیل القطان نے بہت ہی جاندار تبصرہ کیا ہے کہ اچھی رائے کیا ہے اور بری رائے کیا ہے۔فرماتے ہیں۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء : ۵۹)

''اگر تم تنازع کرو کسی چیز میں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

اس آیت میں اشارہ ہے کہ ایمانداروں کے درمیان بعض احکام میں تنازع کا احتمال ہے اور اختلاف ہوسکتا ہے اور حلال یا حرام میں تنازع ہو تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے اور جو مجتہد کا اجتہاد ہے اسے بھی قبول کیا جائے گا۔ یہ مذمت والی رائے میں شامل نہیں، کیونکہ خالی رائے کی مذمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، اگر اللہ کی کتاب کی کسی آیت میں اپنی رائے سے کام لوں تو مجھے آسمان سایہ نہ دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے، رائے سے بچو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے، یہ میری رائے ہے اگر درست ہوجائے تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر خطا ہو تو شیطان سے ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رائے کی مذمت فرماتے تھے۔ مذموم رائے یہ ہے کہ نص کے مخالف ہو اور دین میں اٹکل لگایا ہو۔ احکام کے حصول کے لیے آیات و احادیث میں غور و خوض کے بغیر ہی حکم لگا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، اسماء اور افعال باطل قیاس آرائیوں کے ذریعہ تسلیم نہ کرنا اور بدعات کی تائید میں میلان ظاہر کرنا، بغیر کسی اصول کے احکام شریعت میں حکم لگانا وغیرہ مذموم رائے ہے۔ اس رائے کی مذمت وہ عظیم لوگ کر رہے ہیں جن کی تعریف میں قرآن اور تورات اور انجیل رطب اللسان ہیں۔ صدیقین، شہداء اور صالحین کے درجہ پر فائز ہیں۔ انہوں نے وحی کے اترنے کا مشاہدہ کیا۔ وہ ایسا علم رکھتے تھے ہم اس سے تہی دامن ہیں۔ علم و اجتہاد ورع و عقل میں وہ ہم سے بالاتر تھے۔ ان کی آراء بعد والوں کی آراء سے زیادہ لائق ستائش تھیں۔ ان کی رائے پر قرآن بھی نازل ہوا، اس کے باوجود یہ خالی رائے کی مذمت کرتے ہیں، مگر خود ان کی اپنی رائے فکر و نظر پر مبنی ہوتی تھی اور راہ صواب کے انتخاب کے لیے ہوتی تھی۔ اس لیے ان کی رائے محمود ہے۔ لہٰذا جو بغیر دلیل رائے ہے۔ اٹکل پر ہے، انہوں نے اس کی مذمت کی ہے اور جو رائے بصیرت قلبی سے ہو۔ نصوص کے استنباط سے ہو۔ یہ وہ رائے اور فہم ہے! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ (تاریخ الاسلامی، ص ۱۷۲ تا ۱۷۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسباب نزول یا شان نزول کی اہمیت

سبب کا معنی ذریعہ اور نزول کا معنی اترنا ہے۔ سبب نزول کا یہ مطلب ہوا کہ قرآن پاک کے اترنے کی وجہ جسے پس منظر یا شان نزول کہتے ہیں۔ قرآن فہمی میں اور اس کی تفسیر میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن پاک کے نازل ہونے کی دو اقسام ہیں:

۱۔ جو ابتدائی طور پر بغیر سبب نازل ہوا ہے۔

۲۔ کسی واقعہ یا سوال کے بعد نازل ہوا ہے۔

شان نزول کی معرفت حکم کی قانون سازی میں اہم عنصر ہے۔ واحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں قرآن پاک کے معانی کی تفسیر اس کے شان نزول سے صحیح سمجھ آتی ہے۔ ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ معانی قرآن سمجھنے میں شان نزول ایک قوی ذریعہ ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شان نزول آیت کے فہم میں معاون ہے۔

اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ مروان بن حکم اس آیت کے بارے میں مشکل میں پڑ گئے۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ (آل عمران : ۱۸۸)

''تو ہرگز نہ گمان کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں۔''

انہوں نے کہا، اگر کسی کام پر خوش ہونا اور مدح کیا جانا عذاب کا باعث ہے تو پھر تو ہم میں سے کوئی بھی عذاب سے نہ بچے گا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی یہ غلط فہمی شان نزول کے ذریعہ دور کی کہ یہ یہودیوں کو کہا جا رہا ہے جو حق چھپاتے تھے اور اس قابل مذمت کام پر ستائش کی تمنا رکھتے تھے تو اس سے مروان مطمئن ہو گئے۔ (الاتقان، ج ۱، ص ۸۳، ۸۴)

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں۔ بعض اوقات ایک آیت کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب کی وجہ سے متعدد آیات نازل ہوتی ہیں۔ اس کی مثال انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ صفا و مروہ کے متعلق حکم الٰہی ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (البقرہ : ۱۵۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''صفا اور مروہ کا چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں۔''

جب لوگ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے سوال کیا ہم تو صفا اور مروہ کی سعی کو گناہ سمجھتے تھے تب اللہ نے یہ آیت اتاری کہ صفا و مروہ کے طواف میں کوئی گناہ نہیں۔

ایک دوسری بات اس طرح ہے۔ جب لوگ مناۃ بت کے لیے احرام باندھتے تھے تو صفا و مروہ میں طواف کرتے تھے۔ اللہ نے جب بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا اس میں صفا و مروہ کا ذکر نہ کیا تو انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد اس بارے میں سوال کیا کیونکہ انہیں صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں پریشانی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ صفا و مروہ کی سعی کرو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ تو یہ آیت ان دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (مقدمہ تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۶)

ایک بات یاد رہے، بعض مفسرین شان نزول ثابت کرنے کے بہت زیادہ دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان میں بے جا تکلف سے کام لیتے ہیں۔ یہ نہ لیا جائے جو صحیح سند سے ثابت ہو اور وہ شان نزول کے قابل ہو تب اسے شان نزول قرار دیا جائے۔ ضروری نہیں ہر آیت یا سورت کا شان نزول ثابت کرنا لازمی نہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب ایک قرآنی مثال بیان کرنے کے بعد وہ یہ مثال دیتے ہیں۔ سورت البقرہ (۲۲۱) میں مشرک مرد کا مشرکہ سے اور مشرکہ کا مشرک سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ مرثد بن ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے عناق نامی عورت سے تعلقات تھے۔ یہ مکہ میں کسی کام کے لیے گئے اس نے گناہ کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا اور واپس آ کر نبی ﷺ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرکہ سے نکاح نہ کرو۔ (اسباب النزول، ص ۳۸)

مفتی صاحب فرماتے ہیں، یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا شان نزول یا سبب نزول ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر میں شان نزول نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک ان کا شان نزول معلوم نہ ہو۔ (معارف، ج ۱، ص ۳۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کے نقطے، حرکات، اجزاء اور منزلیں وغیرہ کا بیان

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن پاک ترتیب دیا تھا، اس کے بعد اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ اسی رسم عثمانی کے مطابق ہی قرآن پاک لکھا جائے اور دوسرے طریقہ سے لکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے اسی مصحف کی نقول تیار کر کے وسیع پیمانے پر شائع کی تھیں۔ لیکن اس میں زبر، زیر اور نقطے وغیرہ نہ تھے۔ عجم کے مسلمانوں کی آسانی کے لیے ان کا اہتمام بھی کیا گیا۔ ایک قول کے مطابق سب سے پہلے یہ کام ابو اسود دئلی رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے سرانجام دیا۔ ایک قول ہے زیاد بن ابوسفیان کوفہ کے گورنر کے حکم سے انہوں نے یہ کام کیا۔ ایک قول ہے حجاج بن یوسف نے حسن بصری، یحیٰی بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثی کے ذریعہ یہ اعراب و نقاط لگوائے۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ یہ حرکات سب سے پہلے ابو اسود دئلی رحمہ اللہ نے وضع کیں۔ لیکن یہ نقطہ کی شکل میں تھیں، مثلاً ؟ یہ زبر؟ زیر اور پیش کے لیے حرف کے سامنے نقطہ ڈالتے تھے اور تنوین کے لیے دو نقطے مقرر کیے گئے تھے۔ بعد میں خلیل بن احمد نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں اور حجاج کے حکم پر حسن بصری وغیرہم بزرگوں نے حرکات کے لیے زبر اور زیر اور پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کیں تاکہ حروف کے ذاتی نقطے اور حرکات کے ساتھ معاملہ گڈمڈ نہ ہو جائے۔ (صبح الاعشٰی، ج ۳، ص ۱۵۵۔ البرہان، ج ۱، ص ۲۵۰۔ تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۶۳) صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا معمول یہ تھا ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے تلاوت کی مقدار مقرر کر رکھی تھی۔ انہیں منزل کہتے تھے۔ اس لیے کل سات منزل پر قرآن پاک تقسیم کیا گیا۔ (البرھان، ج ۱، ص ۲۵۰)

اور شروع سے قرآن پاک کے تیس پارے آ رہے ہیں، رکوع کو رکوع اس لیے کہتے ہیں کہ یہ علامت ہے کہ آیات کی اتنی مقدار نماز میں پڑھنے کے بعد رکوع کیا جائے۔ قرآن پاک میں رکوعات کی تعداد تقریباً (۵۶۷) ہے۔ (مقدمہ معارف، ج ۱، ص ۴۴ تا ۴۶)

علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں، ۶۶ھ اور ۶۹ھ کے درمیان قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔ (مقدمہ تفسیر، ص ۱۱۴)

اعراب کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ ابو اسود کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان بن جندل بن یعمر بن جلس بن نفاثہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عدی بن الدیل بن بکر الدیلی تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے علم نحو وضع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل اور حرف اور انہیں ان کی بنیاد پر قواعد تحریر کرنے کا حکم دیا۔

اور ان قواعد کی وجہ یہ ہے کہ زیاد نے ابواسود سے علم نحو کی فرمائش کی لیکن انہوں نے زیاد سے معذرت کر لی۔ ابوالاسود نے ایک شخص سے سنا، وہ سورۂ توبہ کی یہ آیت غلط پڑھ رہا ہے:

"اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلِهٖ" (۳)

"اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔"

اس شخص نے پیش؟ کی جگہ پر لام پر زیر؟ پڑھی، جس کا معنی ہے، نعوذ باللہ، اللہ مشرکوں اور اپنے پیغمبر سے بیزار ہے۔

اس کے بعد ابواسود نے عربی قواعد لکھے۔ (وفیات الاعیان، ج ۲، ص ۵۲۹)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قرآن پاک کے حروف تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں۔ سورت الکھف کی آیت (۱۹) کے **وَلْيَتَلَطَّفْ** کے فاء پر قرآن پاک کے نصف حروف ہوتے ہیں اور سورت براءت کی سونمبر آیت کا پہلا حصہ جو ہے اس پر قرآن کے حروف کا تیسرا حصہ ہوتا ہے اور دوسرا تہائی حصہ سورت شعراء کی طسم پر ہوتا ہے اور قرآن پاک کے حروف کا تیسرا تہائی حصہ آخر قرآن تک ہے۔ قرآن پاک کا پہلا ساتواں حصہ سورت النساء آیت (۵۵) کے لفظ **صَدَّ** کے دال پر ہوتا ہے۔ دوسرا ساتواں حصہ سورت اعراف میں **اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ** کی تاء پر ہوتا ہے اور تیسرا ساتواں حصہ سورت رعد (۳۵) **اُكُلُهَا** کے آخری الف پر ہوتا ہے اور چوتھا ساتواں حصہ سورت حج (۳۴) کے **مَنْسَكًا** کے الف پر ہوتا ہے۔ پانچواں، ساتواں، حروف کا حصہ سورت احزاب آیت (۳۶) **وَلَا مُؤْمِنَةٍ** کی ھاء پر ہوتا ہے اور چھٹا ساتواں حصہ الفتح آیت (۶) **السَّوْءِ** کی واو پر ہوتا ہے۔ ساتواں حروف کا حصہ بقیہ قرآن میں ہے۔ (مقدمہ تفسیر، ج ۱، ص ۱۰۰)

رموز اوقاف:

قرآن پاک کی تجوید کے لیے اور تلاوت کی سہولت کے لیے یہ کام بھی بہت مفید ہوا ہے۔ قرآنی جملوں پر اشارے لکھ دیئے گئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وقف (سانس لینا) ہے یا نہیں لینا۔ ان اشارات کو رموز اوقاف کہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کر سکے اور غلط سانس توڑنے سے معنی میں تبدیلی پیدا نہ ہو، یہ رموز زیادہ تر علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمہ اللہ نے وضع فرمائے۔ (النشر فی القراءات العشر، ج ۱، ص ۲۲۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ یہ غیر عرب لوگوں کے لیے ہیں۔ عرب لوگ تو قرآن مجید کو پڑھنے پر قادر تھے، صحیح پڑھتے تھے، جہاں وقف کی ضرورت ہے وہاں وقف کرتے تھے، غیر عرب بے جا وقف کرتے تھے، اس پر امام احمد بن یحییٰ الشعلب نحوی نے کتاب الوقف کے نام سے کتاب لکھی۔

آیات پر وقف کی دلیل یہ روایت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، ایک عرصہ تک ہمارا معمول رہا کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی صورت نازل ہوتی تو ہم اس سورت کے حلال اور حرام کا علم حاصل کرتے اور اس سورت میں کہاں کہاں وقف کرنا چاہیے۔ یہ بھی سیکھتے تھے۔ (شرح مشکل الآثار، ج ۴، ص ۸۵) اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۶۵)

وقف کی درج ذیل رموز ہیں:

ط اس سے مراد وقف مطلق ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج اس سے مراد وقف جائز ہے یعنی یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز اس کا مطلب ہے یہاں وقف کرنا درست تو ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں لیکن جملہ چونکہ طویل ہوگیا ہے۔ اس لیے سانس لینے کے لیے دوسرے مقامات کی بجائے یہاں وقف کرنا چاہیے۔

م اس کا مطلب اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے۔ لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نہ کریں تو حرج نہیں نہ گناہ ہے۔ (النشر، ج ۱، ص ۲۳۱)

لا اس کا مطلب یہاں نہ ٹھہرو، یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹایا جائے۔ اگلے لفظ سے ابتداء کرنا اچھا نہیں اس کی علامت (ہ) گول دائرہ ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

تنبیہ:

یہ وہ علامات ہیں جو علامہ سجاوندی رحمہ اللہ نے وضع کی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی رموز ہیں۔

مع یہ معانقہ کا مخفف ہے۔ جہاں یہ علامت ہو اس کی دو تفسیریں ممکن ہیں۔ تاہم ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف نہ کیا جائے۔ مثلاً **ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ، وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ**۔ اس میں اگر **التورٰۃ** پر وقف کرلیا تو **الانجیل** پر وقف درست نہیں اور اگر **الانجیل** پر وقف کرنا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

التوٰزة پر وقف درست نہیں۔ دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے۔ سب سے پہلے اس علامت کی نشان دہی امام ابو الفضل رازی نے فرمائی۔ (الاتقان، ج۱، ص ۸۸)

سکتہ اس کا مقصد ہے اس جگہ رکنا چاہیے۔ لیکن سانس نہ رکنے پائے۔ یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ اس میں سکتہ سے کچھ زیادہ دیر رکنا چاہیے۔ سانس نہ ٹوٹے۔

ق مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔

قف ٹھہر جاؤ۔ یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے اس کا مطلب ہے ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

صل اس کا مطلب ہے یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی ﷺ: یہ ان مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رو سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔ (مقدمہ معارف، ج۱، ص ۴۸۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں نسخ کا مسئلہ

نسخ کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو زائل اور متغیر کرنا۔ (قاموس، ج۱،ص ۵۳۳) عرب کا مقولہ ہے:
نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ۔ آفتاب نے سائے کو زائل کر دیا۔ (تاج العروس، ج۲،ص ۲۸۲) کتاب نقل کرنے کو بھی نسخ کہتے ہیں۔ نسخ کا شرعی معنی، ایک شرعی دلیل کے حکم کو بعد والی شرعی دلیل کے حکم سے زائل کر دینا۔ اس کی کچھ اقسام ہیں۔

۱۔ قرآن پاک کا نسخ قرآن کے ذریعہ۔
۲۔ سنت متواترہ کا نسخ سنت متواترہ کے ذریعہ اور خبر واحد کا نسخ خبر واحد کے ذریعہ
۳۔ سنت کا نسخ قرآن کے ذریعہ
۴۔ قرآن کا نسخ سنت متواترہ کے ساتھ کرنا
۵۔ قرآن اور سنت کا نسخ خبر واحد کے ذریعہ کرنا

قرآن پاک کا نسخ قرآن کے ساتھ کی مثال یہ ہے کہ البقرہ (۲۴۰) میں حکم تھا جس کا خاوند فوت ہو جائے وہ عورت ایک سال تک عدت گزارے۔ مگر اسی سورت آیت (۲۳۴) میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ جس کا خاوند فوت ہو جائے وہ عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے۔

اور سنت کا نسخ بذریعہ قرآن کی مثال یہ ہے، ارشاد باری ہے:
﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ﴾ (البقرہ: ۱۴۴)
''تحقیق ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھتے ہیں۔''

سنت کے ذریعہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم تھا۔ قرآن پاک نے اس آیت کے ذریعہ رخ بدلنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا سنت والے حکم کو قرآن پاک کے حکم سے بدل دیا گیا ہے اور سنت کے ذریعہ قرآن کے حکم کے نسخ کی مثال یہ ہے۔ قرآن پاک میں والدین اور قریبیوں کو وصیت کرنے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے: **لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔** وارث کے لیے وصیت نہیں۔ حدیث نے قرآن کا حکم منسوخ کر دیا۔ (مرعاۃ المفاتیح، ج۱،ص ۲۹۷)

اس بات پر تو تقریباً تمام صحیح العقیدہ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ قرآن کا نسخ قرآن سے ہو سکتا ہے۔ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اختلاف ہے کہ قرآن پاک کا نسخ بذریعہ حدیث یا بذریعہ اجماع اور قیاس جائز ہے کہ نہیں۔ اجماع یا قیاس اگر شریعت کے مطابق ہوں تو پھر تو نسخ جائز ہے۔ اگر نہ ہوں تو پھر جائز نہیں اور جہاں تک معاملہ حدیث کا ہے تو متواتر ہو، خبر واحد ہو۔ ہر حدیث سے قرآن پاک کا نسخ ہوسکتا ہے۔ علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَاحْتَجَّ الْجَمْهُوْرُ عَلٰى جَوَازِ نَسْخِ الْكِتَابِ بِالسُّنَّةِ" (خازن، ج۱، ص ۷۸)

"جمہور علمائے کرام کتاب اللہ کا نسخ بذریعہ سنت جائز قرار دیتے ہیں۔"

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَاِذَا كَانَ كَلَامُهٗ وَحْيًامِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْقُرْاٰنُ وَحْيٌ فَنَسْخُ الْوَحْيِ بِالْوَحْيِ جَائِزٌ لِاَنَّ كُلَّ ذٰلِكَ سَوَاءٌ فِي اَنَّهٗ وَحْيٌ"

(الاحكام، ج۱، ص ۱۰۷، جزء ٤)

"جب نبی پاک ﷺ کا کلام بھی وحی ہے اور قرآن پاک بھی وحی ہے تو وحی کا نسخ بذریعہ وحی جائز ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت دونوں وحی ہونے میں برابر ہیں۔"

علامہ عبید اللہ رحمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حُكْمُهَا حُكْمُ الْقُرْاٰنِ فِي النَّسْخِ وَغَيْرِهٖ وَلَيْسَ فِي الْعَقْلِ مَا يَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ فَاِنَّ النَّاسِخَ فِي الْحَقِيْقَةِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِوَحْيٍ غَيْرِ نَظْمِ الْقُرْاٰنِ" (مرعاة المفاتيح، ج۱، ص ۲۹۷)

"سنت کا حکم نسخ وغیرہ قرآن پاک ہی کا حکم ہے۔ عقلی طور پر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، کیونکہ نسخ کرنے والے حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہیں جو کہ نبی پاک ﷺ کی زبانی پیغام قرآن کے علاوہ وحی فرما کر کسی حکم کو منسوخ فرماتے ہیں۔"

ایک شبہ کا ازالہ:

شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ پاک کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ اس کی سند میں محمد داؤد قنطری ہے جو سخت کمزور ہے بلکہ حدیث جھوٹی بنالیا کرتا تھا۔ (مرعاۃ المفاتیح، ج ا،ص ۲۹۸)

لہٰذا یہ قابل اعتماد نہیں، ثابت ہوا بذریعہ سنت نسخ ہوسکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور صحیح ترین بات یہی ہے کہ خبر واحد کے ذریعہ بھی قرآن پاک اور سنت متواترہ کا نسخ جائز ہے۔ (حوالہ مذکور)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلسُّنَّۃُ الْمَنْقُوْلَۃُ بِالتَّوَاتُرِ وَالسُّنَّۃُ الْمَنْقُوْلَۃُ بِاَخْبَارِ الْاٰحَادِ کُلُّ ذٰلِکَ یَنْسُخُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" (الاحکام، ج۱، ص ۱۰۷)

''وہ سنت جو تواتر سے منقول ہے اور وہ سنت جو خبر واحد کے طور پر منقول ہے یہ سب ایک دوسری کو منسوخ کر دیتی ہیں۔''

ایک اعتراض:

یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک یا سنت متواترہ قطعی ہیں اور خبر واحد ظنی ہے۔ اس ظنی الثبوت کے ذریعہ قطعی الثبوت کو منسوخ کرنا جائز نہیں۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ جو خبر واحد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچی ہے اور ان سے باسند صحیح ہم تک پہنچی ہے۔ وہ بھی قطعی الثبوت ہی ہے۔

تو خبر واحد سے جو نسخ ہوگا وہ قطعی ہے ظنی نہیں۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے مروی ہے۔ اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح قرآن پاک کی اطاعت فرض ہے ان کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ قرآن اور حدیث دونوں اللہ کے ہی اتارے ہوئے ہیں۔ (الاحکام، ج۱، ص ۱۰۷)

آیات منسوخہ کی تعداد:

ایک قول ہے منسوخ آیات (۲۲) ہیں۔ ایک قول ہے (۵۰۰) ہیں۔ ایک قول ہے۔ (۱۲) آیات ہیں۔ ایک قول ہے۔ (۵) آیات منسوخ ہیں۔

لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ پانچ آیات ہی منسوخ ہیں۔

جو کہ درج ذیل ہیں۔ (۱) سورت البقرہ (۲۹) آیت (۲۳۴) یہ آیت ناسخ ہے، منسوخ یہ ہے سورت البقرہ پ ۲ (۲۴۰)

۲۔ سورت النساء (پ ۴) آیت (۱۱) یہ ناسخ ہے اور سورۃ البقرہ (پ ۲) آیت (۱۸۰) منسوخ ہے۔

۳۔ سورت الانفال آیت (۶۶) (پ ۱۰) یہ ناسخ ہے اور منسوخ یہ ہے۔ سورۃ الانفال، پ ۱۰ اور آیت (۶۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۔ سورت المجادلہ پ ۲۸، آیت ۱۲، یہ ناسخ ہے اور سورت المجادلہ آیت (۱۲) پ ۲۸، یہ منسوخ ہے۔

۵۔ سورۃ المزمل پ ۲۹، آیت ۲۰، یہ ناسخ ہے اور سورت المزمل آیت (۲) منسوخ ہے۔

قرآن کریم میں نسخ کی اقسام:

قرآن پاک میں نسخ کی درج ذیل قسمیں ہیں۔

۱۔ آیت کا حکم اٹھ جائے اور اس کے الفاظ بھی اٹھا لیے جائیں۔

جیسا کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قرآن پاک کی سورتوں میں سے ایک سورت جو کہ سورت برأت کے برابر تھی، پڑھا کرتے تھے، مگر وہ اب یاد نہیں رہی۔ (مقدمہ احسن التفاسیر، ج ۱ ص ۲۳)

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَاحْتَجَّ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى جَوَازَ نَسَخَ الْكِتَابِ بِالسنةِ"

۲۔ بعض منسوخ آیات ایسی ہیں جن کے الفاظ منسوخ ہیں اور حکم باقی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگسار کرنے کی آیت قرآن پاک میں تھی اور ہم اسے پڑھا کرتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوئی اور اس کا حکم باقی ہے۔

(بخاری: ۶۸۲۹، کتاب المحاربین، باب الاعتراف بالزنا)

یہ آیت کہ شادی شدہ مرد اور عورت جب زنا کریں تو انہیں رجم کر دو، سورت احزاب میں نازل ہوئی تھی جو کہ اب منسوخ ہو چکی ہے۔ (مستدرک حاکم، ص ۴۵۰)

۳۔ منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں کے الفاظ قرآن پاک میں موجود ہوتے ہیں، مگر ان میں سے ایک کا حکم منسوخ ہو چکا ہوتا ہے۔

جیسا کہ سورت البقرہ کی آیت ۲۴۰ ہے اور آیت ۲۳۴ ہے۔ الفاظ دونوں کے موجود ہیں مگر سورت بقرہ کی آیت ۲۴۰ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور عمل آیت ۲۳۴ پر ہو رہا ہے کہ جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ سال والی منسوخ ہو چکی ہے۔

نسخ کا انکار:

عیسائی نسخ کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ نسخ پریشانی کا موجب ہے۔ (سلطان التفاسیر، ص ۴۸۸)

نسخ کا ثبوت:

اوپر والے دلائل عقل و فکر اور دلائل نقل نسخ کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ مگر ان منکروں سے ہم عرض گزار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل ہیں۔ ایک کہتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں۔ ایک قول ہے ان کی والدہ خدا ہیں اور ایک قول ہے اللہ، عیسیٰ اور مریم یہ تینوں مل کر خدا ہیں۔ نسخ کی پریشانی اتنی نہیں جتنی عیسائی دنیا تثلیث سے پریشان ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ انجیل میں بھی نسخ موجود ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے نسخ کیا ہے۔ فرماتے ہیں تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ (متی ۵: ۳۸)

اس میں صاف قصاص لینے کا حکم ہو رہا ہے۔ اب نسخ سماعت فرمائیں۔ فرماتے ہیں پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ (حوالہ مذکور)

اس حکم نے قصاص کے حکم کو اٹھا دیا، یہی منسوخ ہے۔ (برہان التفاسیر، ص ۹۴۔ ۹۳)

اب ان لوگوں کو قرآنی نسخ کی حکمت و ضرورت کو تسلیم کرنا چاہیے۔

گمراہوں کے نظریات سے خبردار رہیں

۱۔ ایک گروہ منکرین حدیث کا ہے۔ جو دراصل منکرین قرآن کا گروہ ہے۔ یہ جدید نسل کو ورغلاتے ہیں اور غلط بیانی سے انہیں راہ راست سے بھٹکاتے ہیں۔ مثلاً اس گروہ کا بڑا غلام احمد پرویز لکھتا ہے۔ یہ اپنی تفسیر مطالب الفرقان کی خصوصیت کو بیان کرتا ہے۔

زیر نظر تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر آیت کے مفہوم کو خود قرآن کریم کے دیگر مقامات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ نیز! چونکہ میرا تعلق کسی فرقہ سے نہیں اور میرے اعتقادات و نظریات کی بنیاد قرآن کریم ہے۔ اس لیے اس تفسیر میں آپ فرقہ بندی کے رنگ کی کوئی آمیزش نہیں پائیں گے۔ (طلوع اسلام، جلد ۱)

حالانکہ غلام احمد پرویز یہ درست نہیں کہہ رہا۔ ہم با دلائل ثابت کرتے ہیں۔ اس نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے آیت کا مفہوم خود قرآن کریم سے واضح کیا ہے یہ درست نہیں۔

ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ﴾ (الفتح: ۲۷)

”اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے، امن والے حلق کرانے والے اور قصر کروانے والے ہوں گے۔“

قرآن کے بیان کردہ اس خواب کا ذکر حدیث میں ہے اور پرویز صاحب حدیث کی وحی کا انکار کرتے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں، اصل بات تو یہ ہے کہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ کی طرف جائیں گے۔ کفار روکیں گے، آخر کار صلح ہوگی جس کے ذریعہ دوسرے سال عمرہ کا موقع ملے گا۔

لیکن پرویز صاحب دیکھیں اپنے دعویٰ کو خود غلط ثابت کرتے ہیں، لکھتے ہیں، دو سال بعد جب مکہ فتح ہوا اور حضور فاتح و منصور اس میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کا خواب سچ کر دکھایا۔

(تفسیر مطالب القرآن، ج ۷، ص ۸۴)

یہ آیت فتح مکہ سے دو سال پہلے نازل ہوئی ہے اور یہ مفکر قرآن (پرویز) آیت کا ترجمہ بھی بدلتے ہیں اور اس کے نزول کو دو سال کے بعد تصور کرتے ہیں۔ یہ تحریف ہے۔ حالانکہ یہ خواب آپ کو دو سال پہلے آیا اور صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد یہ خواب سچا ہوا۔ لہٰذا ان کا یہ دعویٰ کہ میں قرآن کی قرآن کے دوسرے مقام کے ساتھ وضاحت کرتا ہوں، یہ ثابت نہ ہو سکا بلکہ جو مثال ہم نے بیان کی ہے یہ تو ان کے دلائل کو باطل ثابت کر رہی ہے۔ محمد دین قاسمی صاحب کہتے ہیں، ان کی ہر آن بدلتی ہوئی رائے اور قیاس سے قرآنی آیات کی تفسیر بھی بدلتی رہتی ہے کہ (مطالب الفرقان کا عملی جائزہ، ج ۱، ص ۲۰۴)

۲۔ ان کا یہ کہنا کہ میرا کسی فرقہ سے تعلق نہیں۔ اس کا جائزہ بھی پیش خدمت ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ فرقہ واریت تب بنتی ہے جب کتاب و سنت سے ہٹ کر کوئی نظریہ اپنایا جائے اور کسی امی کو معیار اتباع ٹھہرایا جائے۔ قرآن پاک اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''پکڑو اللہ کی رسی کو اکٹھے ہو کر تفرقہ نہ ہو جاؤ۔''

علامہ ابوبکر جزائری رقم طراز ہیں:

"بِحَبْلِ اللّٰهِ كِتَابُهُ الْقُرْاٰنُ وَدِيْنُهُ الْاِسْلَامُ لِاَنَّ الْكِتَابَ وَالدِّيْنَ هِيَ الصِّلَةُ الَّتِيْ تُرْبِطُ الْمُسْلِمَ بِرَبِّهٖ" (ایسر التفاسیر، ص ۱۹۳)

''حبل اللہ سے مراد اللہ کی کتاب قرآن پاک ہے اور اس کا دین اسلام ہے، کیونکہ کتاب اور دین دونوں وہ ذریعہ ہیں جس کی وجہ سے مسلمان اپنے رب سے وابستہ ہوتا ہے۔''

ثابت ہوا جو اس رابطہ سے پیچھے رہے گا وہ تفرقہ کا شکار ہوگا۔

پرویز خود لکھتا ہے جس دن آپ نے دین کے معاملہ میں قرآن کریم کی بجائے کسی انسان کو سند مان لیا آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرقہ بندی کی بنیاد رکھ دی۔ (طلوع اسلام، ص ۵۲، جون ۱۹۶۰ء)

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حالانکہ پرویز مغرب کی فکری اسیری میں خود مبتلا ہے اور اس فرقے کی پیشوائیت کی سند پر بیٹھا ہوا ہے اور یہ خود کو اتھارٹی قرار دیتا ہے۔ ایک کنونشن میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ غلام احمد پرویز کو اتھارٹی تسلیم کیا گیا ہے، اخبار لکھتا ہے:

اس نوجوان کا نام جو آج قرآن کریم کے حقائق کے سلسلہ میں اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے غلام احمد پرویز ہے۔ (طلوع اسلام، ص ۷۳، ۱۹۷۰ء)

ایک انسان کو اتھارٹی تصور کرنے والے ایک فرقہ قرار پاتے ہیں، اب پرویز کا یہ کہنا کہ میرا کسی فرقہ سے تعلق نہیں قطعی طور پر خلاف حقیقت بات ہے۔

۳۔ اس کا یہ کہنا کہ میری تفسیر میں فرقہ بندی کا کوئی رنگ نہیں۔ یہ بھی قطعی غلط بیانی ہے۔وجہ یہ ہے کہ پرویز نے قرآن پاک کو رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی کے بغیر سمجھنے کا نظریہ اختیار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ قرآن بلا محمد (ﷺ) یعنی محمد ﷺ کے بغیر قرآن فہمی درست ہے۔

دیکھیں ساری امت مسلمہ سے کٹ کر یہ نظریہ اختیار کرنا اور پھر یہ کہنا، میری تفسیر میں فرقہ بندی نہیں اور صرف قرآن کو حجت ماننا اور سنت کو حجت تسلیم نہ کرنا یہ سب سے بڑی فرقہ بندی ہے اور یہ فرقہ اہل قرآن دو گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔

۱۔تحریک بلاغ القرآن (۲) تحریک طلوع اسلام۔ یہ اس میں متفق ہیں کہ قرآن ہی حجت ہے، حدیث نہیں۔لیکن باہم متصادم ہیں۔

یہ پرویز جو کہ تحریک طلوع اسلام سے وابستہ ہے یہ پانچ نمازوں کا قائل ہے اور تحریک بلاغ القرآن والے تین نمازوں کے قائل ہیں۔ جبکہ پرویز خود کہتا ہے فرقہ بن جانے کے لیے معمولی اختلاف ہی کافی ہے، یہ بات وہ خود لکھتا ہے۔

اس سے مذہبی فرقہ کے متعلق سوال ہوا تو اس نے کہا، مذہبی فرقہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کا نماز پڑھنے کا طریقہ دوسرے فرقوں سے مختلف ہوتا ہے (خواہ یہ فرق ذرا سا بھی کیوں نہ ہو)۔

(طلوع اسلام، ص ۳، مئی، جون ۱۹۶۰)

اب، اس کی روشنی میں دیکھیں، پرویز کہتا ہے، میں فقہ حنفی کے مطابق پانچ نمازیں پڑھتا ہوں اور بلاغ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

القرآن والے (لاہوری فرقہ) وہ صرف تین نماز پڑھتا ہے اور نماز کی بھی صرف دو رکعتیں پڑھتا ہے اور پھر ہر رکعت میں ایک سجدہ کرتا ہے۔ (تفسیر مطالب القرآن، ج۱، ص ۱۳۵)

پرویز نے فرقہ کی پہچان ہی نماز میں اختلاف بیان کیا ہے اور خود اپنی اور بلاغ القرآن والوں کی نماز میں اختلاف بیان کیا ہے۔

ایک تفسیر امت مسلمہ سے کٹ کر ہو، جس میں نماز کا فرق اور اختلاف پایا جائے جو فرقہ کی علامت ہے، اب بھی یہ کہنا کہ میری تفسیر میں فرقہ بندی نہیں یہ سراسر ڈھٹائی ہے۔

مولانا سید احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بغیر مدد حدیث نبوی کے قرآن کا صحیح مطلب سمجھ سکتے ہیں، یہاں سے ان کی غلطی بھی سمجھ میں آ سکتی ہے، کیونکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن شریف نازل ہوا جس کے سبب کے ہر ایک آیت کا شان نزول سے وہ لوگ خوب واقف تھے اور برکت صحبت کے سبب سے قرآن کی آیتوں کا صحیح مطلب سمجھنے میں ان کا درجہ حال کے اہل قرآن فرقہ سے بڑھ کر تھا، باوجود ان باتوں کے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس قابل نہیں ٹھہرایا کہ وہ بغیر مدد و حدیث نبوی کے سارے قرآن کا صحیح مطلب خود سمجھ لیں گے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے مطلب سمجھ کر تابعین کو بتایا اور پھر یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے......

اہل قرآن بتائیں کیا ان کی قابلیت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھی ہوئی ہے اور اگر ان کی تفسیر اللہ کی مرضی کے مطابق ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ تفسیر اپنے رسول کی معرفت کیوں نہ کرائی۔ (مقدمہ احسن التفاسیر، ص ۳۶) بلکہ قرآن میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ ذکر آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کی وضاحت کریں۔ (النحل، ۴۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فلسفیوں کی گمراہی

اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا ہر چیز حادث (جدید) ہے اور فلسفی کہتے ہیں کہ عالم (دنیا اور دنیا کی ہر چیز) قدیم (پرانی) ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا قدیمی (پرانا) ارادہ ہے۔ ان کے متعلق ہے جو قدیم چیزیں ہیں، نئی پیدا ہونے والی چیزوں کے متعلق اللہ پاک کا ارادہ نہیں ہوسکتا۔ اسی غلط نظریہ کے تحت وہ کہتے ہیں ہم فلک کو قدیم (پرانا) مانتے ہیں اور رات دن میں جو نئی حرکات پیدا ہوتی ہیں یہ سب فلک پیدا کرتے ہیں اور یہ نفوس فلکیہ ان کا سبب ہیں۔

یہ زبردست گمراہ کن نظریہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل (کرنے والا) اور مختار ہے۔ جب اسے منظور تھا تب اس نے عالم (جہاں) کو پیدا کیا اور اس کے قدیم ارادہ میں تھا کہ وہ کائنات پیدا کرے گا، جب مصلحت الٰہی ہوئی اور جو پیدا کرنے کا وقت تھا وہ ہوا تو اس نے اس عالم (جہاں) کو پیدا کیا۔

فلسفی اپنی رائے پر کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کرتے، ان کا یہ نظریہ بے دلیل ہے، جبکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝٤٩﴾ (القمر: ۴۹)

''بے شک ہر چیز کو ہم نے اندازے سے پیدا کیا ہے۔''

سعدی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، ہم نے اپنی سابقہ تقدیر کے ساتھ ہر چیز کو پیدا کیا ہے، یہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پہلے جو لوح محفوظ میں لکھا تھا، اسی طرح اسی مقدار سے اسی صورت میں، اسی وقت اور اسی مکان میں پیدا کیا ہے، ذرہ برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوا۔ (تیسر القرآن، ص ۱۵۵۷)

حدیث شریف میں ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: آسمان اور زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کا اندازہ کیا تھا اور لوح محفوظ کو پیدا کر کے یہ اندازہ اس میں لکھ دیا۔ (ترمذی: ۲۱۵۶، کتاب القدر، باب ۱۸، صحیح)

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پچاس ہزار سال پہلے اندازہ لگایا تھا، اسی اپنے قدیمی (پرانے) اندازے کے موافق مخلوقات کو پیدا کیا۔ فلسفی لوگ اپنے نظریہ میں غلط ہیں۔ فلسفہ کی ایک غلطی یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں، جس طرح بعض لوگوں کو خواب میں غیب کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں، اسی طرح انبیاء کو جاگتے میں غیب کی باتیں معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوجاتی ہیں۔ اسی کو وحی کہتے ہیں۔ ایک تو نبی کی تعریف انہوں نے ادھوری کی۔ بالفرض اگر یہی تعریف تسلیم کر لیں تو یہ لوگ نبی کو پھر بھی نہیں مانتے۔ یہ اپنی عقل کے پابند ہیں، شریعت کے پابند نہیں ہوتے۔

بطور فرض نبی ﷺ کو ان کے بقول جاگتے میں یہ معلوم ہوا کہ آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے پیدا کرنے کا وقت لوح محفوظ میں لکھا اور پھر اس وقت مقررہ پر آسمان کو پیدا کیا، جیسا کہ اوپر ہم نے حوالہ لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ آسمان حادث (نیا) قرار پاتا ہے۔ لیکن یہ وحی کی بات نہیں مانتے اپنی عقلی دلیلوں پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور آسمان کو قدیم (پرانا) قرار دیتے ہیں اور نبی جاگتے میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور یہ لوگ اس وحی کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اپنی عقل پر بھروسہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا ہے۔ پھر اس عقل اول کے ذریعہ تمام مخلوقات پیدا کی۔

الغرض یہ فلسفی اپنے نظریہ کے مطابق بھی نبوت و شریعت کی تعریف کر کے پھر خود اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، حالانکہ ان کی عقل کا یہ عالم ہے کہ ارسطو نے اپنے سے پہلے سب حکماء کی دلیلوں کو غلط ٹھہرایا ہے۔ اس کے بعد ابو علی سینا، نے ارسطو کی اکثر دلیلوں کو نہیں مانا۔ اس قدر اختلاف کے باوجود ان لوگوں کو اپنی عقل پر کتنا اعتماد ہے۔ سقراط نے تو حد کر دی اس سے کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ذکر کیا تو سقراط نے جواب دیا کہ انبیاء عام لوگوں کی ہدایت کے لیے آتے ہیں، ہم لوگوں کو انبیاء کی ہدایت کی ضرورت نہیں۔

فلسفیوں کی توحید کی خامیاں:

فلسفی توحید کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات سے خالی ہے، مثلاً علم، قدرت، ارادہ وغیرہ صفات اللہ میں نہیں۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ صفت الگ چیز ہے اور موصوف الگ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی غیر چیز سے کامل ہونا محال ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی ثبوتی صفت کا پایا جانا ممکن نہیں۔

اس میں خامی یہ ہے کہ انہوں نے صفت الٰہی اور ذات الٰہی کو الگ قرار دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی سب صفات قدیم اور ثبوت کمال والی ہیں اور اللہ کی ذات کو اس کی صفات سے الگ کرنا دراصل اللہ کے کمال کو ناقص کرنا ہے اور یہ سخت اللہ کی بے ادبی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ فلسفی خود کو حکیم اور عالم وغیرہ کہتے ہیں مگر جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے اسے صفات کمال سے خالی کرتے ہیں۔ توحید کی تعریف جو ان فلسفیوں نے کی ہے یہ غلط ہے، ارسطو لکھتا ہے کہ اللہ کی ذات میں اگر صفات کو لیا جائے تو ذات میں کثرت لازم آتی ہے اس سے توحید میں فرق پڑتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیخ ابو علی سینا نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے، یہ کہتا ہے صفات کی کثرت سے موصوف کی ذات میں کثرت لازم نہیں آتی۔

مثلاً زید کو عالم، حکیم، صاحب مال کہنے سے کئی زید نہیں ہو جاتے۔ وہ اکیلا ہی رہتا ہے۔

فلسفیوں کے نزدیک پیدائش کا سلسلہ:

فلسفی کہتے ہیں کہ عالم (جہاں) کی پیدائش کا سلسلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل اول کو پیدا کیا اور عقل اول نے عقل ثانی کو پیدا کیا۔ پھر نویں آسمان اور نویں آسمان کی روح کو پیدا کیا اور پیدائش کا یہ سلسلہ اول آسمان تک جاری رہا۔ انسان میں روح اور جسم دو چیزیں ہیں۔ یہ لوگ آسمان کو بھی روح اور جسم دو چیزوں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں اور آسمانوں کی روحوں کو نفوس فلکیہ کہتے ہیں اور اول آسمان کی روح کو فلسفی عقل فعال کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ اس عقل فعال نے آسمان کی مدد سے عناصر اربعہ یعنی چار عناصر خاک، پانی، ہوا اور آگ کو پیدا کیا اور ان عناصر کے ملنے سے اور ان میں آسمان کی گردش سے طرح طرح کی تاثیرات اور خاصیتوں کے پیدا ہو جانے کے سبب سے زمین کی جاندار اور بے جان چیزیں پیدا ہوئیں اور جن آلات سے آسمان اور تاروں کی حالت دریافت کی جاتی ہے، یہ فلسفی ان کو آلات رصد کہتے ہیں۔ رصد کا معنی تاک لگانا ہے۔ ان آلات رصد کے ذریعہ یہ تاروں کی گردش تو ثابت کرتے ہیں۔ مگر آج تک آسمان کی گردش ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا ان کی یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے کہ عقل فعال نے آسمان کی گردش کی مدد سے ان چار عناصر کو پیدا کیا ہے۔ (جب یہ آلات رصد سے آسمان کی گردش ہی ثابت نہیں کر سکے تو اس گردش سے عناصر پیدا ہونے کا سوال نہیں پیدا ہوسکتا۔ یہ اپنے آلات رصد سے بھی بھٹکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نو آسمان قرار دیتے ہیں اور یورپی فلسفی ایک آسمان بھی نہیں مانتے اور یہ عرش اور کرسی کو بھی آسمان کہتے ہیں اور آسمان کے عام فرشتوں کو یہ عام روحیں اور مقرب فرشتوں کو عقول عشرہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ابو علی سینا نے اس فرض پیدائش کے سلسلہ کو غلط قرار دیا ہے۔

۲۔ یہ ہے کہ یہ فلسفی خود اس بات کے قائل ہیں کہ عقول عشرہ (دس عقلیں) اور نفوس فلکیہ کی اصلی حقیقت ہمیں معلوم نہیں جب یہ معلوم ہی نہیں تو پھر ان کی تاثیرات کا اور ایک عقل نے دوسری عقل کو اول آسمان کی گردش کی مدد سے زمین پر تمام جاندار اور بے جان چیزیں پیدا کیں، اس کا انہیں تعین کیسے ہوا؟

کتاب وسنت سے یہی ثابت ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے کوئی چیز خود پیدا نہیں ہوئی۔

وحی اور نبوت کے بارے میں فلاسفہ کی غلطی:

ان فلسفیوں نے شرعی نبوت کو سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے، شریعت میں نبی کی دو بڑی علامتیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱) وحی (۲) معجزات۔ ان کے نزدیک وحی کا مطلب یہ ہے کہ نفوس فلکیہ کو جو غیب کی باتیں معلوم ہیں، یہ عام لوگوں کو خواب میں اور نبی کو جاگتے میں معلوم ہوتی ہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ارسطو نفوس فلکیہ کو مانتا ہی نہیں، تو یہ غیب کی باتیں کیا بتائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ نبی ﷺ پر وحی جبریل علیہ السلام لے کر آئے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴾ (الشعراء : ۱۹۳)

''اس (قرآن) کو روح الامین (جبریل) فرشتہ لے کر اترا ہے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں نفوس فلکیہ کی تردید ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن پاک جبریل علیہ السلام لے کر آئے ہیں، نہ عام فرشتے لائے ہیں، نہ ہی نفوس فلکیہ نے بتایا ہے۔ اس نظریہ کا وجود ہی نہیں۔

اسی طرح یہ معجزات کا انکار کرتے ہیں، مثلاً لکڑی کا سانپ بننا، یہ کہتے ہیں، یہ عقلاً محال ہے، لکڑی سانپ کی صورت میں نظر آنے لگی۔

اور شق قمر (چاند کے دو ٹکڑے) کے معجزہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ اسے تسلیم کرنے سے کرۂ آسمان کی خط مستقیم کی حرکت لازم آتی ہے جو کہ محال ہے۔

اس بارے میں عقلی جواب یہ ہے کہ تمہارے آلات رصد آسمان کی حرکت ہی ثابت نہیں کر سکے تو پھر خط مستقیم کی حرکت محال ہونے کا ثبوت نہ مل سکا۔ لہٰذا شریعت نے جو وحی اور معجزات بتائے ہیں وہ بالکل عقل و فکر کے مطابق ہیں۔

جسمانی حشر:

یونانی فلسفی جسمانی حشر (مر کر اٹھنے) کے اور جنت اور دوزخ کے اس طرح قائل ہیں۔ یہ کہتے ہیں جسم سے جدا ہونے کے بعد انسانی روح نفوس فلکیہ میں جا کر مل جاتی ہے اور دنیا میں روح جن نیک کاموں میں لگی رہی ہو وہ ان نیک تصورات کو یاد کر کے خوش ہوتی ہے اس خوشی کا نام جنت ہے اور جو روح بد کاموں میں لگی رہی ہو وہ ان بد تصورات کو یاد کر کے جو غمگین ہوتی ہے اسی کا نام دوزخ ہے۔ تو اس طرح یہ فلسفی جنت اور دوزخ اور جسم انسان کے دوبارہ اٹھنے کے منکر ہیں۔

اور جسمانی حشر کا مطلب ہے کہ انسان کا جو جسم دنیا میں تھا وہ حشر کے دن پھر دوبارہ بنایا جائے گا اور وہی روح اس میں پھونکی جائے گی۔

کتاب و سنت کے بے شمار دلائل اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ یہ فلسفی کہتے ہیں، جس سے روح نکل جانے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد اس جسم کا وجود نہیں رہتا، لہٰذا اس کا دوبارہ پیدا ہونا محال ہے۔ کیونکہ اس کا علم نہیں ہوتا۔ اس کی تردید کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ تو انسان کے لیے ناموجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ناموجود نہیں ہر چیز اس کے علم میں ہے اور جب انسان کی پہلی پیدائش نہیں ہوئی تھی تو اس کا کوئی ظاہری جسم نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ یہ جسم مقررہ وقت پر پیدا ہونے والے ہیں اور ایسا ہی ہوا یہ پیدا ہوئے۔ لہٰذا مرنے کے بعد بھی جسم کا مقررہ وقت پر پیدا ہونا ممکن ہے۔ محال نہیں اور روح اور جسم دوبارہ پیدا ہوں گے روح تو مرتی نہیں۔ یہ مردہ جسم میں ڈالی جائے گی جزا اور سزا کے لیے جنت میں اور دوزخ میں اسے داخل کیا جائے گا۔ یہ فلسفی وحی کے مقابلہ میں جو کہ ایک پختہ سچ ہے اپنا غیر معقول اعتقاد پیش کرتے ہیں جو کہ نہایت ہی غلط ہے۔

یورپ کے فلسفیوں کے نظریات کی تردید:

یورپ کے فلسفی، یونان کے فلسفیوں کے بیان کردہ، آسمان کی روح اور عقول عشرہ وغیرہ کو نہیں مانتے۔ یہ کہتے ہیں، یہ چیزیں ثابت نہیں اور نہ ہی ان چیزوں سے کائنات کی پیدائش ہوئی ہے۔

یورپی فلاسفہ کہتے ہیں، سورج اور زمین کے درمیان ایک رقیق (باریک) متحرک مادہ ہے اس سے اس کائنات کی پیدائش کا سلسلہ قائم ہوا ہے۔ وہ یوں کہ پہلے اس مادہ کے چھوٹے چھوٹے ذروں سے سورج اور پھر سورج سے تارے اور زمین سب کچھ پیدا ہوا ہے۔

اور یہ لوگ علم طبقات الارض اور علم کیمیائی کے تجربہ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ایک مدت دراز تک خالی پڑی رہی ہے اور پھر اسی رقیق متحرک مادہ سے عناصر پیدا ہوئے اور پھر عناصر سے پیڑ، پہاڑ اور معدنیات اور حیوانیات پیدا ہوئے اور سب سے آخر میں انسان پیدا ہوا۔ یہ اسی مادہ کو ہر چیز کی پیدائش کا سبب قرار دیتے ہیں اور اس مادہ اور حرکت کے یہ قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ اس وجہ سے انہیں اللہ کی ہستی پر پورا یقین نہیں۔

قدیم وہ ہے جو ہمیشہ سے موجود ہو اس پر نہ ہونے کا زمانہ کبھی نہ آیا ہو، لیکن اسے ثابت کرنے میں ناقص رہے ہیں، یہ کبھی کہتے ہیں مادہ کی قدیم حرکت سے سورج پیدا ہوا اور کبھی کہتے ہیں اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ مادہ میں ارادہ یا سمجھ کچھ نہیں، بلکہ جس طرح آگ میں بلا اختیار ہر چیز کو جلانے کی خاصیت ہے۔ اسی طرح اس متحرک مادہ میں بھی ہر چیز کے پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔

ان کے ان نظریۂ گمراہ کن کے بارے میں گزارش ہے کہ کسی چیز کی خاصیت اس سے کبھی الگ نہیں ہوتی اور تم نے طبقات الارض کے علم کے مطابق کہا ہے کہ یہ زمین مدت دراز تک خالی پڑی رہی اس میں کوئی چیز پیدا نہ ہوئی۔ یہ اس قدیم مادہ کی خاصیت سے محروم کیسے رہی کہ وہ متحرک مادہ اس میں کوئی چیز پیدا نہ کر سکا۔ ثابت ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ان کے بقول یہ مادہ قدیم نہیں، کیونکہ قدیم چیز ہمیشہ رہتی ہے۔ بات یہ ہے کہ خاصیت بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر پیدا نہیں ہوتی، یہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوا ہے کہ حیوانات کے مادہ کے لیے کن اجزاء کی ضرورت ہے اور انسان کی پیدائش کے لیے کن اجزاء کی ضرورت ہے۔ جو چیز خود ارادۂ الٰہی کی محتاج ہے اس نے خاک پیدائش کا سبب بنا ہے۔

نظریۂ ارتقا پر بحث:

ارتقاء (کا معنی چڑھنا ہے) نظریۂ ارتقاء والے کہتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی مخلوقات رفتہ رفتہ ترقی کر کے اعلیٰ درجہ کی مخلوقات بن جاتی ہیں۔ مثلاً حیوانات ترقی کر کے انسان بن سکتے ہیں۔ اپنے اسی خیال کے تحت انہوں نے کہا ہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گئے ہوں تو عجیب بات نہیں کیونکہ بندے اور بندر کی بہت سی عادات ملتی جلتی ہیں۔

ان کا جواب یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ کی مخلوقات میں اگر پہلے سے ترقی کا مادہ موجود تھا تو پھر رفتہ رفتہ ترقی کی کیا ضرورت تھی (ایک دم ہی ترقی کر جاتی)

اگر ترقی کا مادہ پہلے موجود نہ تھا تو وہ ترقی کا مادہ کہاں سے آ گیا۔ جب ایک چیز انہوں نے دیکھی نہیں تو اسے پیدائش کا سبب قرار دینا بے بنیاد بات ہے۔

یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھا تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں، تو ان سے ہم کہیں گے اس کی قدرت کے (عجیب مظاہر) زمین اور آسمان ہیں۔ ان سے اللہ کے وجود پر دلالت ہوتی ہے اور یہ خالق صاحب قدرت و حکمت ہے۔ اس کی شان سب سے نرالی ہے اور وہ قانون فطرت کے ساتھ انتظام چلا رہا ہے۔ اس نے کائنات کا ایک نظام باندھ رکھا ہے جس کے تحت یہ چل رہی ہے۔ موسم برسات میں بارش برستی ہے۔ دوا کھائیں تو بیماری سے آرام آتا ہے۔ وغیرہ

نیچریوں کا تعارف اور ان کا رد:

نیچر کا مطلب قانون فطرت ہے۔ اسے ماننے والے کو نیچری کہتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ نیچری اسباب کے اثر سے ہوتا ہے۔ اللہ کی قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

یہ اس بات کے قائل ہیں کہ قانون فطرت اور نیچر کے طور پر مقناطیس میں لوہے کی کشش کی قوت ہے۔ مگر زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس کی وہ قوت زائل ہو جاتی ہے اور زلزلہ کے بعد وہ قوت پھر لوٹ آتی ہے۔

اور یہ نیچریوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر ایک تارے کی خاصیت دوسرے تارے سے بالکل جدا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ کہتے ہیں یہ اجالا زمین اور سورج کے مابین میں پھیلے ہوئے مادہ کی لہر ہے جو مادہ کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے۔

نیچریوں کا یہ نظریہ قطعاً غلط ہے۔ یہ قانون فطرت میں تاثیر اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں۔ قحط کا زمانہ ہو، موسم برسات موجود ہوتا ہے، گھرے گھرے بادل بھی آتے ہیں۔ لیکن بارش نہیں برستی۔

ایک بیمار آدمی مرض الموت کے وقت ہر طرح کی دواؤں کا استعمال کرتا ہے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس سے ہر عقل مند آدمی کو یہ اعتقاد رکھنا پڑے گا کہ ان نیچری (قدرتی اسباب میں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاثیر پیدا نہ کی جائے تو یہ اسباب بذات خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اسی طرح جو انہوں نے مقناطیسی قوت کے زائل ہونے کا کہا ہے۔ اگر یہ فطرتی اسباب تاثیر رکھتے تو یہ مقناطیسی قوت کبھی زائل نہ ہوتی۔ یہ دلیل ہے کہ اس میں تاثیر اللہ کی حکمت سے پیدا ہوتی ہے۔

اور ان نیچریوں نے جو تاروں کو جدا قرار دیا ہے۔ تو ان کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ اگر مادہ ایک ہے تو پھر ان کی خاصیتیں جدا جدا کیوں ہیں۔

یہ بات تجربہ میں ہے کہ زمین کی بہ نسبت پہاڑوں پر برف زیادہ پڑتی ہے تاکہ اونچی جگہ سے اس کا پانی نیچے گرے اور ندی نالوں کے ذریعہ یہ پانی مخلوقات کے کام آئے اور بادلوں کی بناوٹ اس حکمت سے رکھی گئی ہے کہ ہوا انہیں اٹھا کر رکھے اور لوہے کی کانیں زمین میں رکھی ہیں تاکہ لوہا مضبوط ہو جائے اور ماں کے پیٹ میں بچے کے اعضاء ایسے انتظام سے بنتے ہیں، عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ بعض درخت جو ہیں ان کی جڑ زمین میں ہوتی ہے، یہ اپنی غذا ء کے طور پر تری حاصل کرتے ہیں اور بعض درخت ایسے ہیں جو دوسرے درختوں پر لپٹے ہوتے ہیں، ان کی جڑ زمین میں زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ ان کی سرسبزی و شادابی صرف ہوا سے ہوتی ہے۔

بعض پہاڑ گرمی کے موسم میں بھی جاڑے (سردی) کے موسم کا آرام و راحت دیتے ہیں اور بعض پہاڑ آتش فشاں ہیں جن کی گرمی آدمی کی برداشت سے باہر ہے اور پہاڑوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ گرم اور سرد ہواؤں کی آڑ بنے ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ مادہ کی تاثیر سے نہیں ہوتا، اس قادر مطلق کی حکمت سے ہوتا ہے اور اسی سے وہ خالق پہچانا گیا ہے۔

اور یہ نیچری کہتے ہیں کہ خلاف نیچر کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بعض کام عادت کے باہر بھی کرتا ہے۔

سورج کی دھوپ میں یہ تاثیر ہے کہ وہ ہر ایک چیز کو سکھا دیتی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے سرسبز کھیتی دھوپ سے سوکھ جاتی ہے۔ اس کا اناج کاٹا جاتا ہے اور پیس کر کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ مگر یہی دھوپ آم اور مالٹا میں اور گنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں رس پیدا کرتی ہے۔ یہ وہ قادر مطلق ہی کرتا ہے۔ اور یہ نیچری جو یہ کہتے ہیں یہ اجالا مادہ کی لہر ہے جو مادہ کی حرکت سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ کلیہ درست ہے تو پھر مادہ کی یہ حرکت روشنی بند کمرے میں کیوں نہیں پہنچاتی۔ یہی تسلیم کرنا پڑتا ہے، یہ تاثیر خود پیدا نہیں ہوتی اللہ مالک الملک پیدا کرے تو ہوتی ہے۔

فرقہ آریہ کے اعتراضات:

۱۔ آریہ ایک فرقہ ہے جو ویدوں کو مانتا ہے۔ یہ اعتراض کرتا ہے کہ قرآن میں جو مریم علیہا السلام کا قصہ ہے اس میں عورت کی شرمگاہ کا ذکر ہے اس لیے قرآن پاک کلام الٰہی نہیں ہوسکتا۔ کلام الٰہی میں ایسی فحش باتوں کا ذکر ممکن نہیں۔ اس فرقہ نے خود اس مذہبی قاعدہ کا خیال نہیں کیا۔ ان کے ویدوں اور منتروں میں مرد اور عورت کی شرمگاہ کا ذکر سینکڑوں بار آیا ہے اور یہ انہیں کلام الٰہی مانتے ہیں۔

پہلے یہ اپنے ویدوں کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کریں پھر قرآن پاک پر اعتراض کریں۔

۲۔ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر آیتوں میں قرآن کی جو تعریف آئی ہے، اللہ تعالیٰ سے یہ بعید ہے کہ وہ خود اپنی کتاب کی اپنے منہ سے تعریف کرے۔ اس لیے قرآن کلام الٰہی نہیں۔ اس بارے میں ہماری گزارش ہے کہ ویدوں اور منتروں میں سینکڑوں جگہ ان کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ لہٰذا ویدوں کا کلام الٰہی ہونا بھی تسلیم نہ کریں۔

۳۔ ستیارتھ آریوں کے گرو دیانند کی یہ کتاب ہے اس میں آریہ نے اعتراض کیا ہے، جنت کے ریشمی کپڑے کون بنے گا۔

یہ بھی ایک فضول اعتراض ہے، اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے سب کچھ کرسکتا ہے، یہ آریہ بھی مانتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ اعتراض کرتا ہے۔ قرآن میں نطفہ کو بیج اور عورت کو کھیتی سے مثال دی گئی ہے یہ صحیح نہیں۔ حالانکہ ان کی ستیارتھ کتاب میں بھی یہ مثال دی گئی ہے۔

الغرض، اس فرقہ کی مذمت پر مزید کہنے کی ضرورت نہیں، جو اعتراض یہ قرآن پر کرتے ہیں، یہی اعتراض ان کے ویدوں اور منتروں میں پایا جاتا ہے اور قاعدہ خود ہی توڑ ڈالتے ہیں۔ یہ خود ہی غلط ہیں ہمیں انہیں غلط کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی کتاب الہامی نہیں، قرآن پاک ہی الہامی کتاب ہے اور ہر اعتراض سے پاک ہے۔

انتباہ:

راقم نے فلاسفہ پر تنقید سے لے کر آریہ فرقہ کی تردید تک کے مباحث، احسن التفاسیر (۱) کے مقدمہ کے ج۱، ص ۴۰ سے لے کر ص ۶۲ تک سے حاصل کیے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک میں تدبر کی اشد ضرورت ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں وعدہ کیا ہے کہ جو قرآن پاک کی اتباع کرے گا۔ وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اور خیرو برکات اس کے دامن میں سمٹ آئیں گے اور وہ حیات جاودانی سے سرفراز ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾ (طٰہٰ : ۱۲۳)

''جس نے میری ہدایت کی اتباع کی وہ نہ تو بھٹکے گا اور نہ ہی بدبخت ہوگا۔''

یہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو قرآن پاک میں تدبر اور غور وفکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتاب کا مقصد نزول ہی یہ بتاتے ہیں کہ لوگ اس پر تدبر کریں۔ ارشاد باری ہے:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (صٓ : ۲۹)

''اس کتاب کو ہم نے آپ کی جانب نازل کیا ہے، یہ مبارک ہے تاکہ یہ تدبر کریں اس کی آیات میں اور عقلمند نصیحت پکڑیں۔''

اور جو اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ انہیں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ (ہود : ۱۷)

''اور جو اس (قرآن) کے ساتھ کفر کرتا ہے، گروہوں میں سے تو آگ اس کی وعدہ گاہ ہے۔''

حالانکہ (قرآن پر غور کرنے کی وجہ سے بند دلوں کے پردے چاک ہوتے ہیں اور اندھی آنکھوں میں نور ایمان کی بینائی چمکنے لگتی ہے اور بہرے کان حق سننے لگ جاتے ہیں۔ مگر اس سے رخ پھیرنے والوں کی سزا خود قرآن پاک بیان کرتا ہے۔

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ﴾ (طٰہٰ : ۱۲٤)

''اور جس نے میرے ذکر (قرآن) سے رخ پھیر لیا اس کی معیشت تنگ ہوگی اور روز قیامت ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔''

غور فرمائیں، جو کتاب عجائبات کا مجموعہ ہے۔ شب و روز اس پر جتنا بھی تدبر کریں اس بحر علم سے کوئی نہ کوئی نیا موتی ہی اچھل کر زینت دامن بنتا ہے۔ جو آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے اس کی طرف توجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیں تو ہر سعادت سے بہرہ ور کرتی ہے اور اس سے رخ موڑ لیں تو ہر شر آ جاتی ہے۔ وہ کتنا خوش نصیب ہے جس کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں یہ حجت بن کر پیش ہوگی اور کتنی بڑی بدبختی اس کا مقدر ہے یہ جس کے خلاف دعویٰ دائر کرے گا۔

لیکن بصد افسوس، یہ کہنا پڑتا ہے کہ غیر مسلم تو غور و فکر نہیں کرتے۔ اکثریت مسلمانوں کی بھی آج اس سے بے پرواہ ہوتی جا رہی ہے اور یہ صرف ایک ملک میں نہیں تقریباً پوری دنیا میں یہ وطیرہ ہے کہ یہ مظلوم اللہ کی کتاب جو دعوت تدبر دے رہی ہے مسلمان بھی اسے قبول نہیں کر رہے۔ الا ماشاء اللہ

نہ ہی اس کے آداب سے آراستہ ہونے اور اس کے معجزانہ اخلاق اپنانے کی کوشش کرتی ہے اور بے تحاشا ہو کر اس کی مخالف گمراہ کن قانون سازی پر عمل پیرا ہوتی جا رہی ہے۔ جبکہ قرآن پاک پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (محمد : ٢٤)

''یہ قرآن پاک میں تدبر کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔''

سید مودودی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، کوئی شخص چاہے قرآن پر ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ بہر حال اگر وہ اس کتاب کو فی الواقع سمجھنا چاہتا ہے تو اولین کام اسے یہ کرنا چاہیے اپنے ذہن کو اپنے سے قائم کیے ہوئے تصورات اور نظریات سے اور موافقانہ یا مخالفانہ اغراض سے جس حد تک ممکن ہو خالی کر لے اور سمجھنے کا خالص مقصد لے کر کھلے دل سے اس کو پڑھنا شروع کرے...... اور اس کو بار بار پڑھنا چاہیے...... قرآن کو صرف اس غرض کے لیے پڑھنا چاہیے کہ...... بحیثیت مجموعی وہ پورا نظام فکر و عمل سامنے آ جائے جسے یہ کتاب پیش کرنا چاہتی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج۱، ص ۳۱۔۳۲)

اصل بات یہ ہے کہ انسان قرآن مجید کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اس پر غور کرے کیونکہ اگر دل میں قرآن مجید کی عظمت و اہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے حقائق و معارف دریافت کرنے پر محنت نہیں کرے گا جو کہ اس کے حکمت آموز خزانوں سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم بہت عمدہ عکاسی کرتے ہیں، فرماتے ہیں، دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن حکیم سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس کو پورے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے، لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ یہی ایک کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے...... لوگوں کی یہ انوکھی روش ہے کہ جب اس کو پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بالعموم سب سے پہلے اپنے دماغ پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ (تدبر القرآن، ج۱، ص ض، مقدمہ تفسیر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قارئین کرام! ہم نے جو قرآن پر تدبر کی دعوت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ضلالت کا دور دورہ ہے اور فتنے سر اٹھا رہے ہیں اور شکوک وشبہات کی اسلام کے خلاف آندھیاں چل رہی ہیں۔ ان کا حل صرف قرآن پاک پر تدبر میں مضمر ہے اور کوئی حل نہیں۔ آج پہلے سے بھی زیادہ تدبر کی ضرورت ہے۔

لیکن ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآن پاک کے الفاظ کی تلاوت کرنا بے فائدہ ہے۔نہیں ہرگز نہیں، اللہ کی پناہ، ایسا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اسے ایک نیکی حاصل ہوگی اور ایک نیکی کی دس بنتی ہیں۔ الف، ایک حرف ہے۔ لام، ایک حرف ہے اور میم، ایک حرف ہے۔ (یہ **الم**) کی تیس نیکیاں ہوئیں۔ (ترمذی: ۲۹۱۰۔ صحیح ہے۔ جائزۃ الاحوذی، ج ۴، ص ۱۴۵)

الف، وغیرہ کا تو مفہوم کوئی نہیں، ثابت ہوا بغیر ترجمہ وتفہیم صرف الفاظ کی تلاوت کا بھی اجر وثواب ملتا ہے، مگر نظام زندگی میں انقلاب اس پر تدبر ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کی بعض خصوصیات

۱۔ قرآن پاک کے متعلق ایک مومن صادق کو یہ شعور ضرور ہونا چاہیے کہ یہ رب کائنات کا کلام ہے۔ یہ مخلوق نہیں ہے اس ذات بے ہمتا کا کلام ہے۔ جس کی مثال کوئی نہیں اور یہ قرآن اسی بے نظیر پروردگار کا وصف ہے جس کا کوئی مدمقابل اس دنیا میں موجود نہیں۔ یہ اسی نورانی ذات کا پرنور اور روح پرور کلام ہے۔ اس کی تلاوت کرنے سے ثواب حاصل ہوتا ہے اور اس قرآن کو ترک کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے کہ اس نے بندوں کے دلوں میں یہ قوت رکھ دی ہے کہ وہ اسے اٹھانے کی ہمت پاتے ہیں۔ یہ اس کی حکمت سے ہوا ہے تاکہ یہ اس میں تدبر کریں اور عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور اس کی اطاعت و عبادت کرسکیں۔ اس کے فرائض اور حقوق ادا کرسکیں۔ اگر اس کریم کی یہ حکمت نہ ہوتی تو یہ دل قرآن کی عظمت کے سامنے ناتواں ہوجاتے۔ اس کے بوجھ سے ریزہ ریزہ ہوجاتے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ﴾ (الحشر : ۲۱)

''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو دیکھتا کہ وہ جھک گیا ہے اور اللہ کے ڈر سے پھٹ گیا ہے۔''

اندازہ لگائیں! کوہ گراں کی قوت اور دل ناتواں کی قوت کا آپس میں کیا مقابلہ ہے۔ یہ اللہ ہی کا فضل و رحمت ہے کہ اس نے دلوں میں یہ برداشت رکھ دی ہے کہ وہ اتنی بڑی کتاب اٹھا لیتے ہیں۔

۲۔ قرآن پاک ایک عظیم معجزہ ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے جو عربی زبان میں نازل ہوا، یہ نہ تو جبریل علیہ السلام کا اپنا بنایا ہوا ہے اور نہ ہی یہ حضرت محمد ﷺ کا تصنیف کردہ ہے۔ یہ دعوت فکر دے رہا ہے۔

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾

(النساء : ۸۲)

''کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے غیر سے ہوتا تو اس میں یہ بہت اختلاف پاتے۔''

یہ ایک معجزہ ہے جن اور انسان بھی مل کر اس کی مثل نہیں لا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورت بنی اسرائیل آیت (۸۸) میں ہے اگر جن اور انسان اس قرآن کی مثل لانے پر اکٹھے ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔

اور سورت ہود آیت (۱۳) میں ہے اس جیسی دس آیات لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اور سورت البقرہ آیت (۲۳) میں ہے۔ جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا اگر تم اس میں شک کرتے ہو تو اس کی مثل ایک سورت لے آؤ۔

اور سورت طور آیت (۳۴) میں ہے۔ اس جیسی ایک بات ہی لے کر آؤ اگر تم سچے ہو۔

قارئین کرام! اس بات پر غور کریں۔ دنیا میں علوم وفنون کی ترقی ہو رہی ہے اور اس قرآن کے منکر اور مخالف بھی کثرت سے ہیں، اگر اس کی مثال لانا کسی کے بس میں ہوتا تو وہ چودہ سو برس بیت چکے ہیں۔ اتنی مدت میں لاچکا ہوتا، یہ قرآن پاک اور اس کی ہر سورت اور اس کی ہر آیت کے معجزہ کی صداقت اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد ﷺ کی شان رسالت کی روشن دلیل ہے کہ یہ درست کتاب ہے۔

۳۔ تورات میں صرف وعظ و نصیحت ہے۔ زبور میں صرف حمد و ثناء ہے۔ انجیل میں صرف مثالیں بیان ہوئی ہیں۔

اس نقطہ نظر سے بھی قرآن پاک معجزہ ہے کہ اس میں وعظ و نصیحت بھی ہے۔ حمد و ثناء بھی ہے۔ مثالیں بھی ہیں۔ سب سے بڑھ کر اس میں یہ ہے کہ اس میں ایسے اصول اور احکام بیان کیے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے نظام حیات کے لیے کافی ہیں۔

اس کے مضامین میں توحید و رسالت ہے، ہدایت ہے۔ وعدہ و وعید ہے۔ قصے ہیں۔ دلائل ہیں، مثالیں ہیں، کائنات کے حقائق ہیں، ماضی اور مستقبل کے واقعات ہیں۔ غیب کی خبریں ہیں اور ایسی پیش گوئیاں ہیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔

۴۔ پرانی تاریخ اور اس زمانہ کی حالت زار پر نظر دوڑائیں کہ اس دنیا کے باسیوں کی عملی زندگی کیا نمونہ پیش کر رہی تھی۔ انسانیت حیوانیت سے بھی بدتر درجہ میں شمار ہونے لگی تھی، تو اس قرآن پاک کی ضرورت و اہمیت اور نمایاں ہو جاتی ہے، عرب سرزمین کے قریب ایران تھا۔ اس کے رہنے والے مجوسی (آتش پرست) تھے یہ شرک کی نجاست میں غرق تھے اور انسانیت سے باہر ہو چکے تھے۔ یہ ماں، بیٹی، بہن سے نکاح کرنا جائز جانتے تھے۔

اور روم کے عیسائی صریح بت پرستی میں مبتلا تھے اور اپنے ان مشرکانہ عقائد کی ترویج میں انہوں نے لاکھوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے بندوں کا خون پانی کی طرح بہایا اور ادھر چین میں یہ صورت تھی کہ قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں لگے ہوئے تھے اس کے باوجود کہتے تھے ہم آسمانی فرزند ہیں۔

اور فسق و فجور میں ایسے مست تھے کہ کہتے شراب نوشی بہترین انسانی عمل ہے اور مرد اور عورت کے اعضاء برہنہ کرنا، دختر کشی، جوابازی کو شرافت کا نشان قرار دیتے تھے۔ تمام معمورۂ عالم پر سخت تاریکی چھائی تھی اور وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے نازل شدہ تھیں۔ وہ ان ضلالتوں کو دور کرنے میں ناکافی تھیں۔ یہ دوسری دنیا کے بگڑے ہوئے لوگوں پر کیا اثر کرتیں جس قوم میں وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں وہی ان کی اطاعت کے دائرے میں نہ رہی تھیں۔ اب ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس میں تمام دنیا کی اصلاح کی طاقت ہو اور ساری پہلی کتابوں کو جمع کرنے کی قابلیت ہو اور ایسی شان والی ہو جو کہ دوسرے اوراق پریشان سے بے نیاز کر دے۔

اور خود عرب کی حالت ان ممالک سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے بعض بدصفات میں ان سے بھی بڑھ کر تھیں۔

جیسا کہ اصول ہے، سخت گرمی کے بعد باران رحمت نازل ہوتی ہے اور رات کی سخت تاریکی کے بعد آفتاب عالم تاب روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت کے درمیان سے قرآن مبین کا نور چمکا جس سے افراد عالم کے دل و دماغ جگمگا اٹھے، یہ رحمت الٰہی ہے کہ اس نے ہماری روحانی ضرورت کے لیے یہ نور ہدایت نازل کر دیا۔

یہ دنیا کی تاریخ ضرورت قرآن کے ثبوت کی دلیل ہے اور اس قرآن کے اترنے کے بعد جو لوگوں نے اپنے عقائد اور اصول کی اشاعت کی ہے اور اصلاحات کی ہیں اور ہزاروں سال کی مدت سے اقوام عالم جو قرآن پاک سے استفادہ کیا ہے اور اب تک کر رہی ہیں۔ یہ ترقیاتی اور اصلاحی منصوبے ثابت کر رہے ہیں اور دنیا کی تاریخ نے بتا دیا ہے کہ اس دنیا کو قرآن پاک کی سخت ضرورت تھی۔

۵۔ قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت بے مثال ہے۔ اسی پر تدبر کر لیں تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ الٰہی کلام ہے۔ بشر کے بس میں نہیں کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام پیش کر سکے۔ عرب کے لوگ حسن بیان اور خوبیٔ زبان کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اور عجیب و غریب قصائد اور بلیغ خطبوں پر قدرت رکھتے تھے۔

دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک شخص دنیا سے نرالا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی تائید میں کتاب بھی پیش کر دی ہے اور اسے اپنی سچائی کا معیار ٹھہرایا ہے اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتا ہے اور ہمیشہ دوزخی ہونے کی وعید بھی سناتا ہے۔

اس کے باوجود اسی ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان بولنے والے اور قادر الکلام اور سحر بیان لوگ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے خاموش اور مدہوش رہ گئے ہوں۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ کرنے سے یہ لوگ بے بس تھے۔

اور پھر ہر ایک فصیح نے ایک خاص وادی میں دادِ سخن دی ہے۔لیکن قرآن پاک نے گذشتہ قوموں کا عروج و زوال اور اس کے اسباب اور مذاہب وادیان اور عقائد اور انسان پر با دلائل روشنی ڈالی ہے۔

اس نے روح اور مادہ اور اعمال کے متعلق بہت سارے اسرار آشکارا کیے ہیں۔ اس نے تدبیر منزل اور شہری سیاست اور افراد کے حقوق کی خاطر قوانین اور ضوابط ایجاد کیے ہیں اور ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت اور معانی کا حسن نور افزا ہے۔توحید کا اثبات ہو، شرک کا رد ہو۔ باطل کی تردید ہو حق کا اثبات ہو۔ ہر فضا میں فصاحت و بلاغت عطر بیز اور روح پرور ہے۔

۶۔ قرآن پاک کے مضامین بھی بے مثال معجزہ ہیں۔ مضامین میں دو چیزیں معتبر ہیں، (۱) وسعت (کشادگی) (۲) عمدگی

قرآن پاک اپنی وسعت کے متعلق خود دعویٰ کرتا ہے:

﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾(الانعام : ۵۹)

''نہیں کوئی تر اور نہ ہی خشک مگر وہ ظاہر کتاب میں ہے۔''

اس دعویٰ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک مسلمان کل دنیا کو مخاطب کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیۂ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو۔ خواہ اس دنیا کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو، یا قدیم و جدید اکتشافات و تجربہ پر ہو، خواہ الٰہیات سے ہو۔ ان شاء اللہ اس مسئلہ کو پوری وضاحت اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید سے دکھایا جائے گا، یہ بھی قرآن پاک کی ہی پکار ہے۔

﴿وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (الفرقان : ۳۳)

''نہیں لائیں گے یہ آپ کے پاس کوئی مثال مگر ہم تیرے پاس حق لائیں گے اور اچھی تفسیر لائیں گے۔''

کوئی بھی علمی صداقت ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو۔

۲۔ مضمون میں عمدگی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ دنیا میں اللہ کی ہستی پر سب کا یقین ہے اور ہر آدمی حتی کہ ایک بت پرست بھی یہی کوشش کرتا ہے کہ وہ وحدت ثابت کرے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے ہر مذہب والا اپنی کتابوں میں ثابت کرتا ہے، لیکن جیسا کہ قرآن نے بیان کیا ہے یہ اور کسی جگہ ایسا نہ ملے گا۔

اگر کسی کو اس میں شک ہے وہ اپنی کتاب سے اور قرآن مجید سے اس کا ترجمہ کرے اور تیسرے مذہب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے کے پاس بھیجے اور پھر فیصلہ ہوگا کہ توحید کا کامل ترین بیان کس کتاب میں ہے۔

ایک مثال ملاحظہ کریں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ ﴾ (الغاشیہ: ۱۷۔۲۰)

''کیا یہ اونٹ نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ پیدا کیے گئے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کیسے بلند ہوئے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کیسے کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین نہیں دیکھتے کیسے بچھائی گئی ہے۔''

اس میں بدیع انداز اور بلند الفاظ، بے مثال ترتیب اور لاثانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی معجزہ نمائی اور اجتماعی شان آرائی بھی نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معانی جو اس کے الفاظ کی تہوں میں ہیرے جواہرات کی مانند درخشاں ہیں، صاف نظر آتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ میں اونٹ، آسمان اور پہاڑ اور زمین کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہی چیزیں ہیں جنہیں ہر ایک بادنشین بدو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود قرآن نے کہا، اونٹوں کی پیدائش دیکھو، آسمان کی رفعت دیکھو اور پہاڑوں کی تمکنت دیکھو اور زمین کی وسعت دیکھو۔ اس سوال نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اس آیۂ مبارکہ کے معانی انہیں معلوم ہو گئے اور اس خلاق عالم (اللہ) کی قدرت خالقیت اور رفیع الدرجات کی فوقیت اور کائنات کے سکون اور حرکت میں اس عزیز و حکیم کا غلبہ اور حکمت سب کو نظر آنے لگا اور عرب کے وہ صحراء جنہیں آنکھ بھر کر دیکھنا بھیانک لگتا تھا اب طالبان علم کے لیے اس کا ایک ایک ورق اور ذرہ دانش کدہ بن چکا تھا۔ قرآن پاک دل کی زندگی اور روح کا نور ہے اور اس کے طالب علموں کے لیے راحت و ہدایت ہے۔ اقبال و خوش نصیبی اور دولت و حکمت اس کے خادم ہیں اور ضیائے بصیرت اس کی تابع ہے اور علم و حقیقت اور ہدایت و صداقت اس کے علمبردار ہیں۔ نجات اخروی اور رضائے الٰہی کا خلعت شرف اسی بارگاہ قرآنی سے عطاء ہوتا ہے۔ کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں اور دلوں کے غلاف اتار کر اور بصیرت کے تالے کھول کر حسن قرآن پر نگاہ ڈالیں تو اس کے مضامین اس کے سامنے روشن ہو جائیں گے۔

۷۔ قرآن پاک کی تاثیر اور اثر انگیزی کا اندازہ لگانا ہو تو ان لوگوں پر نگاہ ڈالیں، جو ایک ایک پیسہ پر قتل کرنا معمولی کھیل سمجھتے تھے۔ اب قرآن پاک کی تاثیر سے دین حق کی محبت میں وہ اپنا سب کچھ لٹانا باعث نجات خیال کرنے لگے اور وہ لوگ جو مدت العمر (۳۶۰) بتوں کے پجاری رہے تھے۔ وہ اس کی تاثیر سے توحید کے واعظ بن گئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جولوگ لاوارث بچوں اور رانڈوں کا مال کھا جاتے تھے۔ اب وہ قرآن کی تاثیر سے یتیموں کی اعانت اور رانڈوں کی ہمدردی کا سبق پڑھانے لگے اور وہ خودسر قبائل جنہوں نے کبھی کسی قانون کی اطاعت نہ کی تھی۔ اب اس قرآن کی اثر انگیزی سے ایسے مطیع اور شریعت الٰہیہ کے پابند ہو چکے تھے کہ قصاص کے مقدمات میں اور زنا میں رجم کے لیے اور چوری میں ہاتھ کٹوانے کے لیے اور شراب کی حد جاری کروانے کے لیے خودکو پیش کرنے لگے۔

ایسی مثالیں کسی متمدن ملک میں بھی موجودنہیں اور نہ ہی کسی جگہ پر مجرم نے خودکو قانون کا احترام کرتے ہوئے اس کے حوالہ خودکو کیا ہے۔

یہ قرآن کی اثر انگیزی ہی تھی کہ زبان آوروں کی گرمئ بازار ٹھنڈی پڑ گئی اور یہ عالم ہو گیا کہ اس قرآن کے ورد سے ہی ان کی نشاط طبع تھی اور برکت کے حصول کا بھی یہی ذریعہ تھا۔

قرآن پاک کا اثر انسان کے دل و زبان، طبیعت اور دماغ اور حواس پر نہایت ہی مستحکم ہے اور اس کا جو اثر ایک شخص پر ہے وہی اثر تمام ملک پر ہے۔

۸۔ قرآن مجید کی تعلیم دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ دین کے حالات زندگی پر غور کیا جائے۔ انہوں نے جو مصائب پر صبر وتحمل سے کام لیا۔ احسان کا شکریہ ادا کیا اور ان کی تواضع، خشیت الٰہی، ہمدردی و غمگساری اور اخوت اور مخلوق کو نفع رسانی، پاکیزگی اور بلند ہمتی اور مہمان نوازی کو سامنے رکھیں یہ سب کچھ قرآن پاک کا ہی نمونۂ تعلیم ہے۔

خاندانی، تمدن اور حکومت کے اصول جو مسلمانوں نے اپنائے ہیں، یہ سب قرآن مجید کے تیار کردہ ہیں۔

ایزک ٹیلر نے اپنی تقریر کے دوران جو (۱۲ مئی ۱۸۸۷ء میں کی تھی۔ اس نے کہا کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا۔ وہاں سے زنا، قماری بازی، دختر کشی، قتل و غارت گری، وہم پرستی، شراب نوشی وغیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔

مگر جب اسی ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو ان رذیل اخلاق میں اور پختہ کر دیا۔

قرآن پاک اپنے نمونہ کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

''تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ آہن گر تھے۔ قریش نے انہیں ہجرت مدینہ سے روک دیا وہ اپنا سارا مال جمع شدہ مال ان ظالموں کو دیتے ہیں اور ہجرت کے سفر پر روانہ ہوئے۔

یہ ایثار انہیں قرآن پاک کی تعلیم سے ہی ملا تھا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر غور کریں۔ یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا۔ مگر وہ تنہا اللہ کی راہ میں تقریباً تین سو میل کا طویل سفر کرتی ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔

یہ جرأت یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں قرآن مجید کے نمونہ سے ہی پیدا ہوا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے اونٹ چرایا کرتے تھے اور اپنے باپ کی سخت خوئی سے سہمے رہتے تھے۔ اب

یہ بائیس لاکھ مربع میل پر حکومت کرتے ہیں اور ان کی عدل پروری اور رعایا نوازی اور دینداری کا اتنا بلند درجہ ہے کہ دنیا رشک کرتی ہے۔ حکمرانی اور کشور کشائی کی یہ قابلیت دنیا کے تین براعظم ان کے زیر نگین تھے یہ بے مثال اہلیت قرآنی تعلیم ہی کا نمونہ ہے۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو کہ سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی اپنے رضا کاروں کی معاونت سے شکست دے دی تھی۔ ان میں یہ عزیمت یہ ہمت، یہ استقلال یہ پامردی یہ شجاعت یہ قربانی یہ جان بازی قرآن پاک ہی کا نمونہ ہے۔

نوٹ:...... راقم نے یہ مضمون قرآن کریم کی بعض خصوصیات رحمۃ اللعالمین، ج ۳، ص ۲۷۲ سے لے کر ج ۳، ص ۲۹۳ سے حاصل کیا ہے، تاہم بعض عبارات میں راقم نے ترمیم کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن پاک کے فضائل اور آداب تلاوت

۱۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب تعالیٰ فرماتے ہیں، جسے قرآن پاک اور میرے ذکر نے مجھ سے اپنی (حاجت) مانگنے سے روکا میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں اور اللہ کے کلام (قرآن) کو سب کلاموں پر اسی طرح برتری ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق پر برتری ہے۔(ترمذی: ۲۹۲۶۔ حلیہ: ج۵، ۱۰۶۔ دارمی، ج۲، ص ۴۴۱) اس میں عطیہ عوفی ضعیف ہے مگر شواہد کی بناء پر یہ حدیث حسن ہے)

۲۔ وہ مؤمن جو قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثال (سنگترے) کی مانند ہے۔ اس کا ذائقہ بھی اچھا ہے اور خوشبو بھی اچھی ہے۔

اور وہ مؤمن جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال کھجور کی مانند ہے اس کا ذائقہ اچھا ہے اور اس کی خوشبو نہیں۔

اور منافق جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال پھول کی مانند ہے۔ اس کی خوشبو اچھی ہے اور ذائقہ کڑوا ہے۔ اور وہ منافق جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال اندرائن (کڑوی بوٹی) کی مانند ہے اس کی خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔(بخاری: ۵۰۲۷۔ ابوداؤد: ۴۸۵۲)

۳۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن کا ماہر معزز اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور وہ اس میں اٹکتا ہے اس کے لیے دو اجر ہیں۔

(بخاری: ۴۹۳۷۔ مسلم: ۷۹۸)

۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اسے ایک نیکی حاصل ہوتی ہے اور ایک نیکی دس گنا ہو جاتی ہے۔ **الم** ایک حرف نہیں، الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (تو یہ تیس نیکیاں ہوں گی)(ترمذی، حسن صحیح: ۲۹۱۰)

۵۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے گھر میں جمع ہو کر جو قوم کتاب اللہ کی تلاوت کرے تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان میں کرتا ہے جو اس کے پاس (فرشتے ہیں)

(مسلم: ۲۶۹۹)

۶۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: روز قیامت قرآن پاک آئے گا اور کہے گا: اے میرے پروردگار! اسے جس (نے مجھے پڑھا ہے) حلہ زیب تن کریں تو اسے کرامت کا تاج پہنچایا جائے گا، پھر سفارش کرے گا۔ اے میرے پروردگار اور اضافہ کر دے اسے اور کرامت کا حلہ پہنایا جائے گا۔

اس کے بعد قرآن کہے گا، اے میرے پروردگار! اس سے راضی ہو جا، تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوں گے۔ اور اس سے کہا جائے گا قرآن کو پڑھ اور بلندی پر چڑھ اور ہر آیت کے عوض اس کی نیکی میں اضافہ کیا جائے گا۔ (ترمذی: ۲۹۱۵) صحیح ہے۔

۷۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دے۔ (بخاری، ج ۲، ص ۷۵۲)

۸۔ قرآن پاک کی تلاوت کے کچھ آداب ہیں۔ اس کی تلاوت کے وقت باادب ہونا چاہیے اس کی تعظیم دل و دماغ پر چھائی ہو اور اس کی تلاوت کے وقت ٹھٹھا اور مذاق سے دور رہا جائے۔

(ادب نمبر ۱)...... یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت نیت میں اخلاص ہو۔ کیونکہ تلاوت ایک جلیل القدر عبادت ہے اور عبادت بغیر اخلاص قبول نہیں ہوتی۔

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ﴾ (البینہ: ۵)

"اور یہ نہیں حکم دیئے گئے مگر تاکہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے یکطرفہ ہوکر۔"

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قرآن پاک پڑھو، اس کے ذریعہ صرف اللہ کی رضا طلب کرو۔ ایک قوم آئے گی قرآن کو تیر کی مانند سیدھا کرے گی لیکن اس کے ذریعہ دنیا طلب کرے گی۔

(احمد: ۸۳۴۲، حسن۔ ابوداؤد: ۸۳۱)

(ادب نمبر ۲)...... تلاوت پورے تدبر سے کی جائے اور دلی خشوع سے کی جائے اور دل حاضر کر کے تلاوت کی جائے۔

(ادب نمبر ۳)...... یہ ہے کہ تلاوت باوضوء کی جائے، حالت جنابت میں تلاوت نہ کی جائے اور گندی جگہ نہ ہو اور ایسے مجمع میں بھی نہ کی جائے جہاں شور ہو۔ اس سے قرآن پاک کی اہانت ہے اور نہ ہی بیت الخلاء وغیرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں تلاوت کی جائے۔

(ادب نمبر ۴)...... یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم** پڑھا جائے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾(النحل : ۹۸)

''اور جب تم قرآن پڑھو تو **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم** کے ذریعہ پناہ مانگو۔ اس سے شیطان کے اثر سے تلاوت محفوظ رہتی ہے۔''

(ادب نمبر ۵)...... یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت عمدہ آواز سے کی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز کو اللہ تعالیٰ اتنا غور کے ساتھ نہیں سنتے جتنا دلکش اور بلند آواز سے قرآن پڑھنے کو سنتے ہیں۔

(بخاری: ۵۰۲۳۔ مسند احمد: ۸۳۵۸)

(ادب نمبر ۶)...... یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کی جائے، ارشاد باری ہے:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾(المزمل : ٤)

''اور قرآن کی تلاوت کیجئے ٹھہر ٹھہر کر۔''

یعنی الفاظ اور حروف کی پوری ادائیگی کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھیں، کیونکہ اس سے معانی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کی تلاوت لمبے لمبے حروف سے ہوتی تھی اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی تلاوت ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی۔

(احمد: ۸۳۶۸۔ مسند احمد: ۸۳۶۷)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، قرآن پاک کو ریت کی مانند نہ بکھیرو اور نہ ہی اسے اشعار کی مانند تیزی سے پڑھو، بلکہ اس کے عجائب کے پاس ٹھہر کر غور کرو اور اس کے ساتھ دلوں میں حرکت پیدا کرو۔ (مجالس شہر رمضان، ص ۶۲)

جس تیزی سے لفظوں میں خلل واقع نہ ہو اور نہ ہی حروف ساقط ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ادب نمبر ۷)...... یہ ہے کہ سجدہ کی آیت آئے تو سجدۂ تلاوت کیا جائے۔ بہتر تو یہ ہے کہ باوضوء سجدہ کیا جائے اگر نہ بھی ہو تو حرج نہیں۔ رات ہو دن ہو سجدہ کیا جائے، سجدہ جانے کے لیے اللہ اکبر کہہ لیا جائے اور سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہنے اور سلام پھیرنا ضروری نہیں۔ (مجالس رمضان، ص ۳۶، عثیمین)

مقدمہ تفسیر تمام ہوا۔ الحمد للہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

تفسیر کا لغوی معنی:

شرح کرنا اور بیان کرنا ہے۔شریعت کی اصطلاح میں تفسیر کا مطلب ہے۔ اللہ کے کلام کی ایسی وضاحت کرنا کہ اس کے معانی و مطالب سمجھ میں آسکیں اور اس کے امر و نہی پر عمل کیا جا سکے اور اس سے رشد و ہدایت حاصل کی جائے تا کہ اس کے واقعات سے عبرت اور اس کے مواعظہ حسنہ سے نصیحت حاصل کی جائے۔

(سورت) کا لفظ یا تو سورۃ البلد سے ماخوذ ہے۔ (شہر کے گرد جو بلند دیوار ہوتی ہے اسے کہتے ہیں یعنی فصیل شہر۔تو سورت کی بلندی اور اس کی رفعت شان کی وجہ سے اسے سورت کہتے ہیں۔جس طرح دیوار کی بلندی کی وجہ سے اسے (سُوْر) کہتے ہیں یا پھر **سورا لشراب** سے حاصل کردہ ہے۔یعنی پینے کی چیز کا بقیہ۔اس صورت میں سورت کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کا بقیہ حصہ ہے اور اس کا ٹکڑا ہے۔لیکن بلندی والا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

سورت میں کم از کم تین آیات ہوتی ہیں۔قرآن پاک کی (۱۱۴) سورتیں ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی سورت البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورت الکوثر ہے اور سب سے لمبی آیت سورت البقرہ کی دین (قرض) والی آیت (۲۸۲) ہے اور سب سے چھوٹی آیت (۶۴) **مُدْهَآمَّتٰنِ** ہے جو سورت الرحمٰن میں ہے۔

سورۂ فاتحہ کے نام:

اس کے بیس کے اوپر نام بیان کیے گئے ہیں جو صحیح طور پر ثابت ہیں۔ وہ چار ہیں۔ (۱) ام القرآن (۲) سبع مثانی۔ یہ سات آیات ہیں۔ اس لیے انہیں سبع کہتے ہیں۔مثانی کا معنیٰ ہے دہرائی گئیں، یہ نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔(۳) ام الکتاب، چونکہ قرآن میں مذکور عقائد، عبادات اور احکام اور واقعات کے اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ام اصل اور بنیاد کو کہتے ہیں تو ام الکتاب کا مطلب ہوا کتاب کی اصل۔ (۴) اس کا نام صلاۃ ہے کیونکہ اسے نماز قرار دیا گیا ہے۔

فاتحہ، ہر چیز کی ابتداء کو کہتے ہیں چونکہ قرآن پاک کی ابتداء اس سورت سے ہوتی ہے اس وجہ سے اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فاتحہ کہا جاتا ہے۔

مکی ہے، یعنی یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، قرآن کا جو حصہ ہجرت سے پہلے نازل ہوا ہے وہ کسی جگہ پر نازل ہوا ہو وہ مکی کہلواتا ہے اور جو حصہ ہجرت کے بعد نازل ہوا ہے وہ مدنی کہلواتا ہے خواہ کسی بھی جگہ پر نازل ہوا ہو۔

مکی سورتوں میں زیادہ تر عقیدہ اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کا اثبات ہے اور آخرت کو ثابت کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں زیادہ تر قانون سازی اور حلال وحرام کے احکام بیان ہوئے ہیں۔

اس کی آیات کی تعداد:

آیت کا لغت میں معنیٰ علامت ہے اور قرآن کی آیت سے مراد ہے اللہ کے کلام کا حصہ جو ہدایت کا حامل ہو اور اللہ کی قدرت اور اس کے علم پر دلالت کرے اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت پر دلیل ہو۔ قرآن پاک کی آیات چھ ہزار دو سو سے کچھ اوپر ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی آیات سات ہیں۔ (ایسر التفاسیر، ص ۱۱)

اور اس کے کلمات (۲۷) ہیں اور ایک سو چالیس (۱۴۰) حروف ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل:

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ام القرآن (سورت فاتحہ) جیسی سورت تورات اور انجیل میں بھی نازل نہیں ہوئی۔ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی گئی ہے۔ (ترمذی: ۳۱۲۵۔ بیہقی شعب الایمان: ۱۵۱۴ اسنادہ حسن)

(۲) سیدنا ابوسعید بن معلیٰ ان کا نام رافع بن اوس رضی اللہ عنہ ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے مجھے بلایا، میں نماز کی وجہ سے نہ گیا، (بعد میں آیا) تو آپ نے کہا، اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا:

﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (انفال: ۲۴)

"جب رسول اکرم تم کو بلائیں تو اسے قبول کرو پھر آپ نے فرمایا: (مسجد سے نکلنے سے پہلے) میں تمہیں قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت بتاؤں گا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ جب مسجد سے نکل چلے تو میں نے آپ سے کہا، آپ نے فرمایا تھا، میں قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت بتاؤں گا۔"

تو آپ نے الحمد للہ رب العالمین بتائی، یہی سات دہرائی جانے والی آیات ہیں اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (بخاری: ۴۴۷۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ان سے بھی آپ ﷺ نے اوپر والی حدیث کی مانند کہا تھا کہ یہ سورت فاتحہ قرآن میں سب سے عظیم سورت ہے۔ (ترمذی: ۳۱۲۵، حسن)

۴۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس سیدنا جبریل علیہ السلام بھی موجود تھے، اچانک آسمان سے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ جبریل علیہ السلام نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا، یہ آسمان کا دروازہ کھلا ہے۔ اس سے پہلے یہ کبھی نہیں کھولا گیا، اس سے فرشتہ اترا اور نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: آپ دو نور کے ساتھ خوش ہو جائیں گے جو صرف آپ دیئے گئے ہیں۔ آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں دیا گیا اور ایک سورۃ فاتحہ ہے۔ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات، ان میں سے ایک حرف بھی پڑھو گے تو جو کچھ اس میں ہے وہ دیا جائے گا۔ (نسائی: ۹۱۳۔ مسلم، ج۱، ص ۲۷۱، باب فضل الفاتحہ)

۵۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم ایک سفر میں تھے، ہمارے پاس ایک لونڈی آئی۔ اس نے کہا، اس قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا ہے اور ہمارے مرد گھر میں موجود نہیں، تم میں سے کوئی دم کر لیتا ہے۔

اس کے ساتھ ایک آدمی جانے کے لیے اٹھا، یہ حضرت ابو سعید ہی تھے۔ انہوں نے اس سردار کو دم کیا تو وہ تندرست ہو گیا۔ اس سردار نے انہیں تیس بکریاں دیں اور دودھ بھی پلایا، جب وہ واپس آئے تو ان سے پوچھا گیا، کیا تم دم کیا کرتے تھے، کوئی اچھی مہارت تھی انہوں نے کہا، میں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا ہے۔ انہوں نے کہا، یہ جو کچھ بھی لیا ہے اس وقت تک اس میں کوئی معاملہ نہ کرنا، جب تک ہم رسول اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھ نہ لیں۔

جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا، اسے پتہ تھا کہ یہ دم والی سورت ہے۔ فرمایا، ان بکریوں کو تقسیم کرو اور میرا حصہ بھی رکھنا۔ (بخاری، ج۲، ص ۷۴۹)

اس سے ثابت ہوا کہ سورۂ فاتحہ میں بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔

تعوذ:

اعوذ باالله من الشيطن الرجيم پڑھنے کو تعوذ کہتے ہیں۔

لغت:

اَعُوْذُ (ن) اجوف واوی) واحد متکلم مضارع معلوم۔ اَنَا ضمیر اس میں فاعل ہے۔ بِاللّٰهِ حرف باء جارہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(زیر دینے والا ہے) لفظ اللہ مجرور، دونوں **اَعُوْذُ** کے متعلق ہیں۔ **اَلشَّیْطَانِ** ایک قول ہے۔ یہ **شَاطَ یَشِیْطُ** سے **فَعْلَانِ** کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی مائل کرنا یا ہلاک کرنا ہے۔ یہ انسان کے دل کو ہلاکت کی طرف مائل کرتا ہے۔

یا یہ **شَطَنَ** سے ہے پھر یہ **فَیْعَال** کا وزن بنتا ہے۔ اس کا معنی دور ہونا ہوتا ہے۔ یہ خیر سے دور لے جاتا ہے۔ یہ بھی **اَعُوْذُ** کے متعلق ہے، **الرَّجِیْمِ**، یہ **فَعِیْل** کا وزن ہے۔ جو **مَفْعُوْل** کے معنیٰ میں ہے۔ یا یہ **فَاعِلٍ** کے معنیٰ میں ہے اس کا معنی **ملعون** یا ہانکا ہوا ہے۔ یہ دوسرے کو گمراہ کرتا ہے اور ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ **الرجیم** شیطان کی صفت ہے۔ یہ جملہ ابتدائیہ ہے اس کے اعراب کا محل نہیں۔ (اعراب القرآن، ج ۱، ص ۲۲)

قرآن پاک میں تین آیات میں استعاذہ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ﴾ (حم السجدہ : ۳۶)

''اگر تجھے شیطان سے کوئی چوکا لگے تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾﴾

(المؤمنون : ۹۷-۹۸)

''کہہ دو! میں پناہ مانگتا ہوں تیری شیطان کے وسوسوں سے اور میں پناہ مانگتا ہوں اے میرے رب یہ کہ وہ حاضر ہوں۔''

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾﴾ (النحل : ۹۸)

''اور جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔ خواہ نماز ہو یا نماز کے علاوہ ہو اعوذ باللہ پڑھنے کی تاکید ہے۔ تاہم یہ ہے کہ نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے پڑھ لی جائے۔ ہر رکعت میں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے اعوذ باللہ الخ، قرآن پاک میں سے نہیں اور نہ ہی یہ قرآن کی آیت ہے۔ یہ احادیث سے ثابت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ یہ ایک تو اس طرح پڑھنا مسنون ہے۔ اَعُوْذُ بِا اللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور یہ الفاظ بھی ہیں۔ اعوذ باللّٰہ مِنَ الشَّیْطٰنِ مِنْ نَّفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ وَھَمْزِہٖ (ابوداؤد: ٧٦٤۔ ابن ماجه : ٨٠٧، عن جبير بن مطعم، اسناده حسن۔ احمد : ج٤، ص ٨٠)

ھَمْزِہٖ سے مراد اس کا جنون ہے۔ نَفْخِہٖ سے مراد اس کے شعر ہیں اور نَفْثِہٖ سے مراد تکبر ہے۔ معنیٰ ہوا! اس شیطٰن کے جنون، تکبر اور شعر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

یہ الفاظ بھی ثابت ہیں، اَعُوْذُ بِا اللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ (ابوداؤد: ۷۷۵۔ ترمذی: ۲۴۲۔ نسائی، ج ۲، ص ۱۳۲، عن ابی سعید) اس میں علی بن علی رفاعی راوی کی وجہ سے سند غیر قوی ہے لیکن شاہد (دوسرے) متن کی تائید کی وجہ سے یہ قوی ہو جاتی ہے۔

۴۔ صحیح بات یہ ہے کہ تعوذ قراءت سے پہلے پڑھا جائے۔ جیسا کہ ابوسعید والی حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نماز میں قراءت سے پہلے تعوذ پڑھتے تھے۔ (حوالہ ابوداؤد: ۷۷۵)

تعوذ کے فوائد:

۵۔ قرآن پاک کی تلاوت کے وقت اعوذ باللّٰہ پڑھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی فرمانبرداری ہو جاتی ہے جو کہ ہمارا مقصد حیات ہے اور ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ سے تحفظ مل جاتا ہے کیونکہ شیطٰن تو انبیائے کرام پر نازل ہونے والی وحی میں بھی وسوسہ اندازی کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾

(الحج : ٥٢)

''ہم نے آپ سے پہلے جو بھی نبی اور رسول بھیجا ہے تو شیطان نے اس میں اپنی امید ڈالنے کی تمنا کی ہے۔''

ثابت ہوا تعوذ اس شیطانی آرزو سے بچاتا ہے۔

۶۔ تعوذ سے غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی آپس میں لڑ پڑے ان میں سے ایک کا غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا اور رگیں پھول گئیں۔

نبی ﷺ اس کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، آپ نے فرمایا، اگر یہ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم کہے تو اس کا یہ سب غیظ وغضب ختم ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک آدمی نے یہ بات سنی اور اس آدمی تک پہنچائی تو وہ آدمی کہنے لگا، کیا میں تجھے پاگل دکھائی دیتا ہوں (یا تو غصہ سے اس نے یہ کہا یا پھر اس میں ایمان کی کمی تھی، وگرنہ نبی ﷺ کی بات پر ایسے تاثرات پختہ مسلمان نہیں دے سکتا)۔ (بخاری: ۳۲۸۲۔ مسلم: ۲۶۱۰۔ احمد، ج۱، ص ۳۹۴)

۳۔ نماز شیطان کے وسوسہ سے محفوظ رہتی ہے۔ سیدنا عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا، اللہ کے رسول ﷺ میرے اور میری نماز اور تلاوت کے درمیان شیطان حائل ہوجاتا ہے اور نماز اور تلاوت خلط ملط کر دیتا ہے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ شیطان ہے اسے **خَنْزِب** کہتے ہیں، جب اس کا وسوسہ محسوس کرو تو تین دفعہ **اعوذ باللّٰہ** پڑھ کر بائیں جانب پھونک دو۔ میں نے یہ کیا تو میرا یہ وسوسہ ختم ہوگیا۔ (مسلم: ۲۲۰۳)

۴۔ تعوذ سے زمین کی ہر شر سے حفاظت ملتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ جب سفر پر ہوتے رات ہوجاتی تو یہ دعاء پڑھتے:

((يَا أَرْضُ رَبِّي وَرَبُّكِ اللّٰهُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيكِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ وَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ أَسَدٍ وَأَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ)) (ابوداؤد: ۲٦۳۰۔ احمد، ج۲، ص ۱۳۲، عن ابن عمر، حسن)

''اے میرے رب کی زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ میں تیری شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اور اس کی شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں، جو اس نے تجھ میں پیدا کی ہے اور جو تجھ پر چلتا ہے اس کی شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ شیر اور سانپ اور بچھو سے اور شہر کے رہنے والے اور جو پیدا ہونے والا ہے اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا جو کسی منزل میں اترے تو کہے:

((اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ)) (مسلم: ۲۷۰۸۔ مؤطا، ج۲، ص ۹۷۸۔ احمد، ج٦، ص ۳۷۷)

''میں اللہ کے پورے پورے کلمات کے ذریعہ اس کی مخلوق کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۔''

اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۂ فاتحہ کا مقام نزول

اس کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ایک قول ہے، یہ مدینہ میں نازل ہوئی، دوسرا قول ہے، یہ مکہ میں نازل ہوئی، ایک قول ہے، یہ آدھی مکہ میں اور آدھی مدینہ میں نازل ہوئی۔ ان میں سے صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور ساری ہی مکہ میں اتری ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی سات دہرائی جانے والی آیات کہا گیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ (الحجر : ۸۷)

''اور البتہ تحقیق ہم نے آپ کو سات آیات دہرائی جانے والی دی ہیں اور قرآن عظیم دیا ہے۔''

یہ آیۂ مبارکہ مکہ میں اتری ہے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ یہ سورت فاتحہ مکہ میں ہی نازل ہوئی تھی تو اس کا ذکر مکی سورت میں کیا گیا ہے۔

بعض علمائے کرام کا یہ موقف ہے کہ سورۂ فاتحہ کو جبریل علیہ السلام لے کر نازل نہیں ہوئے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف فرما تھے تو آسمان سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو جبریل علیہ السلام نے کہا یہ دروازہ صرف آج کھلا ہے اور جو اس سے فرشتہ اترا ہے وہ بھی صرف آج ہی اترا ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ اور سورت بقرہ کی آخری آیات لے کر آیا تھا۔ (مسلم: ۸۰۶)

یہ حدیث تو درست ہے لیکن اس سے یہ استدلال کرنا کہ جبریل سورت فاتحہ لے کر نہ اترے تھے درست نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ﴾ (الشعراء : ۱۹۳)

''اسے روح الامین (جبریل) لے کر اترے تھے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے سارا قرآن جبریل علیہ السلام لے کر اترے تھے۔تو یہ ہوسکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام مکہ میں لے کر نازل ہوئے تا کہ اس کی تلاوت کی جائے اور یہ فرشتہ مدینہ میں اس کی تلاوت کا ثواب لے کر آیا تھا۔

یا جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانے کے لیے پہلے آگئے تھے کہ فرشتہ جو لے کر اترنے والا ہے وہ سورت فاتحہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اس طرح اس کے نزول میں جبریل علیہ السلام کی شراکت ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ جبریل علیہ السلام سورت فاتحہ لے کر نہ اترے تھے۔ (تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۱۵۴)

ایک قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت ہے۔ ایک قول ہے کہ سورت المدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ ایک قول ہے اقراء کی پانچ آیات پہلے نازل ہوئی تھیں۔ تو یہ بات صحیح ترین ہے کہ سب سے پہلے سورت اقرأ نازل ہوئی تھی۔ پھر المدثر اتری تھی۔ بہرصورت یہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ کی سورت ہے۔ مگر پہلے اقراء نازل ہوئی۔ علامہ ابراہیم میر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں اور یہی (یعنی اقراء) سب سے پہلے وحی تھی اس میں کسی کو کلام نہیں۔ (واضح البیان، ص ٦٤)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۂ فاتحہ سارے قرآن کا خلاصہ ہے

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ دین حق کا تمام تر ماحصل کیا ہے۔ جس قدر غور کیا جائے گا ان چار باتوں سے باہر کوئی بات دکھائی نہ دے گی۔

۱۔ اللہ کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور۔ اس لیے کہ انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں۔ صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔

۲۔ قانون مجازات کا اعتقاد یعنی جس طرح دنیا میں ہر چیز کا خاصہ اور قدرتی تاثیر ہے۔ اسی طرح انسانی اعمال کے بھی معنوی خواص اور نتائج ہی نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے۔ برے کا برائی ہے۔

۳۔ معاد کا یقین، یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی، اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

۴۔ فلاح و سعادت کی راہ اور اس کی پہچان۔

ایک جگہ فرماتے ہیں، اگر ایک شخص قرآن میں سے اور کچھ نہ پڑھ سکے۔ صرف اسی سورت کے مطالب ذہن نشین کر لے، تب بھی وہ دین حق اور خدا پرستی کے بنیادی مقاصد معلوم کر لے گا۔

(ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۶۲، ج ۱، ص ۶۳)

سید مودودی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

سورۂ فاتحہ ایک دعاء ہے، بندے کی جانب سے اور قرآن اس کا جواب ہے، اللہ کی جانب سے بندہ دعاء کرتا ہے کہ اے پروردگار میری رہنمائی کر، جواب میں پروردگار پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، یہ ہے وہ ہدایت و رہنمائی جس کی درخواست تو نے مجھ سے کی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۲)

لیکن یہ کہنا کہ قرآن اور سورۂ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور اس کے مقدمہ کا سا نہیں بلکہ دعاء اور جواب دعاء کا سا ہے اور اسی موقف کو راجح قرار دینا یہ مناسب نہیں۔ اس موقف والوں کا استدلال یہ ہے کہ اس سورت کا نام ''دعاء'' ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کا نام اور انداز دعائیہ بھی ہے اور اس سے یہ موقف قبول کیا جا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتا ہے اس کا انکار نہیں مگر زیادہ بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ قرآن پاک کے تمام مضامین کا اجمالی خلاصہ ہے اور ساری سورت کا خلاصہ (**اياك نعبد واياك نستعين**) میں ہے۔

تو یہ رائے کہ قرآن کی یہ سورت اس کے مضامین کا خلاصہ ہے زیادہ مضبوط ہے۔ ایک اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خود اسے قرآن عظیم اور ام الکتاب اور ام القرآن فرمایا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہم نے باحوالہ یہ حدیث نقل کی ہے۔ اس کا مفہوم یہی ہے کہ یہ سورت سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سورت پر سرسری نظر ڈالنے سے خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن کی تلخیص ہے۔

مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

علمائے تفسیر نے قرآن کے مضامین کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ **تذکیر بآلاء اللّٰہ:** یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا بیان جو انسانی زندگی اور اس کی بقا کے لیے ضروری تھیں اور اس میں زمین، آسمان، چاند، سورج اور ہواؤں اور بادلوں وغیرہ کا ذکر ہے۔

۲۔ **تذکیر بایّام اللّٰہ:** یعنی مخلوق کے ساتھ واقعات اور حوادث کا بیان، اس میں **قِصَصُ الانبیاء** اور نافرمانی کی بنا پر ہلاک شدہ قوموں کا ذکر شامل ہے۔

۳۔ **تذکیر بالموت ومابعده:** یعنی موت کے بعد آخرت کے احوال۔ اس میں اللہ کے ہاں باز پرس اور جنت اور دوزخ کے سب احوال شامل ہیں۔

۴۔ **علم الاحکام:** یعنی احکام شریعت، یعنی انسان کو برضاء و رغبت احکام شریعت کی بجا آوری پر آمادہ کیا جائے۔

۵۔ **علم المخاصمه:** یعنی گمراہ فرقوں کے عقائد باطلہ کا رد۔

اب دیکھئے اس سورت کی پہلی تین آیات ہیں۔ ربوبیت عامہ اور رحمت کی وسعت کا ذکر ہے۔ یہ تذکیر بآلاء اللہ کے ذیل میں آتی ہیں اور چوتھی آیت میں جو بیان ہوا ہے وہ تذکیر بالموت (موت کی یاددہانی) کے ذیل میں ہے۔

اور پانچویں آیت علم الاحکام کا نچوڑ ہے اور چھٹی آیت اللہ سے دعا اور تعلق باللہ پر مشتمل ہے۔ یہ علم الاحکام ہی کے ذیل میں آتی ہے۔

اور ساتویں آیت میں تذکیر بایام اللہ بھی ہے (یعنی واقعات کی یاددہانی) اور علم المخاصمہ بھی (کہ باطل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرقوں یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد سے آگاہ کیا گیا) ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ سورۃ فی الواقع قرآن کی اجمالی فہرست ہے۔ (تیسیر القرآن، ج ا، ص ۳۰)

صاحب تبیان القرآن لکھتے ہیں، قرآن مجید کے حسب ذیل مضامین ہیں۔

(۱) توحید (۲) نبوت (۳) عبادت (۴) وعد او وعید (۵) قصص اور امثال (۶) معاد، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا۔ (۷) دعا

سورۂ فاتحہ میں ان تمام مضامین کو اجمال، اختصار اور اشارات سے بیان کر دیا گیا ہے۔ (ج ا، ص ۱۴۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز میں سورۂ فاتحہ کی اہمیت

نماز میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ امام اور منفرد کے لیے متعین ہے کہ سورۂ فاتحہ ہر رکعت میں یہ پڑھیں۔ ائمہ کا اختلاف ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا نظریہ سورۂ فاتحہ میں یہ ہے کہ امام، مقتدی اور منفرد (اکیلے) کے لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبل اور حنبلی علمائے کرام کا نظریہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔

(المغنی، ج۱، ص ۲۸۸)

۳۔ سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنے کے متعلق امام مالک اور ان کے عام اصحاب نے یہ کہا ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ سری نمازوں (پوشیدہ قراءت) میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

(اکمال اکمال المعلم، ج۲، ص ۱۵۰)

۴۔ سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت نہ کرے ...... امام اور مقتدی دونوں کے درمیان یہ رکن مشترک ہے۔ لیکن مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور سنے۔ (تبیان القرآن، ج۱، ص ۲۲۳)

ان میں سے صحیح ترین موقف یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ بغیر نماز نہیں۔ خواہ امام ہو خواہ منفرد ہو خواہ جماعت ہو خواہ سری (پوشیدہ) نماز ہو یا جہری (ظاہر قرأت والی) نماز ہو۔ وہ نماز یا رکعت نہیں ہوتی جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔

۱۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا صَلَاةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) (بخاری : ۷۵٦۔ مسلم : ۳۹٤۔ ابوداؤد : ۸۲۲۔ نسائی، ج۲، ص ۱۳۷)

”نہیں نماز مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ابن حبان اور دارقطنی کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب))

(دارقطنی، ج۱، ص ٤٣٢، ١٢١٢، سند صحیح)

''وہ نماز کفایت نہیں کرتی جس میں فاتحۂ کتاب نہ پڑھی جائے۔''

مسند احمد، ج۵، ص۲۴۱ میں یہ ہیں:

((لَا تَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْبِهَا))

(مسند احمد، ج٥، ص ٢٤١)

''اور نہ کچھ کرو یعنی اور کچھ نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ پڑھو کیونکہ اس کی نماز نہیں جو اسے نہیں پڑھتا۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یوں باب باندھا ہے:

"بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَ ةِ لِلْاَمَامِ وَالْمَامُوْمِ فِيْ الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِيْ الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ" (كتاب الاذان، باب ٩٥، رقم ٧٥٦)

''اس باب میں یہ بیان ہوگا امام اور مقتدی کے لیے تمام نمازوں میں قراءت واجب ہے، سفر کی نماز ہو یا حضر کی نماز ہو اور جو جہری ہو (بلند قراءت والی) اور سری (پوشیدہ) قراءت والی ہو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام صاحب نے منفرد (اکیلے) کا ذکر نہیں کیا کیونکہ منفرد کا بھی وہی حکم ہے جو امام کا ہے یعنی اگر امام پر قراءت واجب ہے تو منفرد کا بھی وہی حکم ہے جو امام کا ہے یعنی اگر امام پر قرأت واجب ہے تو منفرد پر بالاولیٰ واجب ہے اور سفر کا خاص ذکر کیا ہے کہ اس میں بھی قراءت واجب ہے۔ تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو جائے کہ سفر کی وجہ سے نماز کی دو رکعات کم ہوئی ہیں لیکن قراءت (فاتحہ) کم نہیں ہوئی۔ (فتح الباری، ج۲، ص ۲۳۷)

ایک سوال ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو باب باندھا ہے وہ عام قراءت کے واجب ہونے پر ہے۔ اس میں سورۂ فاتحہ کے وجوب کا ذکر نہیں۔

اس کا حل یہ ہے کہ اس کے تحت آپ رحمہ اللہ حدیث وہ لائے ہیں جس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے۔ یہ مضبوط دلیل ہے کہ حضرت امام سورۂ فاتحہ کے وجوب کا ہی ذکر کرتے ہیں۔

۲۔ سب کے لیے نماز میں سورۂ فاتحہ کے واجب ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قراءت بھاری ہوئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا، شاید تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو۔ ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض کی، ہاں ہم قرأت کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا، نہ پڑھا کرو، صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرو، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد: ۸۲۲ مع عون، یہ حسن ہے۔) جزء القراءۃ میں بخاری نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (تفہیم الاسلام، ج ا، ص ۳۰۹ اور فتح الباری، ج ۲، ص ۲۴۲) اور یہ مقتدی کے سورت فاتحہ پڑھنے پر واضح دلیل ہے۔

۳۔ یہ دلیل بھی سورۂ فاتحہ کے نماز میں واجب ہونے کی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَءْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ))

''جس نے کوئی بھی نماز ڑھی اور اس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی وہ نماز بے کار ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا، کبھی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس وقت کیا کریں، فرمایا، آہستہ پڑھ لیا کرو۔

کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز، بندے اور اپنے درمیان تقسیم کر رکھی ہے۔ بندہ جب **الحمد لله رب العالمين** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری ثناء کی ہے، جب بندہ **مالك يوم الدين** کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ **اياك نعبد** کہتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرا بندہ جو مانگے گا میں دوں گا اور جب **اهدنا الصراط** سے لے کر **ولا الضالين** تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میرے بندے نے جو کچھ مانگا ہے اسے وہی دوں گا۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ: ۸۷۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نماز کہا ہی سورت فاتحہ کو گیا ہے، یہ نہ پڑھی جائے تو نماز ہی نہ رہی اور امام نووی رحمہ اللہ نے نہایت ہی عمدہ انداز پر ابواب بندی سے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز کی ہر رکعت میں واجب ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مقتدی امام کے پیچھے دل میں آہستہ پڑھ لے، آواز بلند نہ کرے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ کے اقوال میں سے یہ قول درست ہے کہ ہر ایک رکعت میں اور ہر ایک پر سورۂ فاتحہ پڑھنا معین اور واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا عمر بن خطاب، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا ابو ایوب انصاری، سیدنا عبداللہ بن عمرو، سیدنا عبادہ بن صامت، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن ابی عاص اور سیدنا خوات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن جبیر رضی اللہ عنہم جیسے اسوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قابل اتباع لوگ ہیں، ان کا یہ نظریہ ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ واجب ہے۔ (تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۱۶۰)

اور ج ۱، ص ۱۶۱ پر رقمطراز ہیں، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکثر اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اور تابعین رحمہم اللہ میں سے عمل پیرا ہیں۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کسی بھی صحیح حدیث سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت نہیں اور اس سلسلے میں جو نقل کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سری نمازوں میں اور جہری کے سکتات میں مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ (التعلیق الممجد)

ان دلائل کی بناء پر علمائے احناف کی جماعت فاتحہ خلف الامام کی قائل رہی ہے۔ ان میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ بھی ہیں۔

اور شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (تفہیم الاسلام، ج ۱، ص ۳۰۹)

باقی یہ بات کہ مقتدی امام کے پیچھے کب سورۂ فاتحہ پڑھے تو اس کی کوئی پابندی نہیں۔ امام کے سکتات میں پڑھ لے یا امام کے ساتھ ساتھ پڑھ لے۔ بہرصورت اسے پڑھے، یہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔ (عون المعبود، ج ۱، ص ۳۵۰)

سورۂ فاتحہ اور نماز میں مناسبت ہے

علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق پروردگار اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے سامنے اقرار عبودیت و اظہار عجز و نیاز ہے...... نماز، قیام، رکوع اور سجود اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے نام کی برکت اور اس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس اور اس کی جناب عالی میں دعاء والتجاء پر مشتمل ہے۔ تکبیرات و تسبیحات بھی ہیں...... الحمد سے لے کر ولا الضالین تک یہ امور سورۂ فاتحہ میں مذکور ہیں...... اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نماز کے افعال اور سورت فاتحہ کی آیات میں کمال مناسبت ہے۔ سورت فاتحہ قولی نماز ہے اور قیام و رکوع و سجود فعلی نماز ہے۔ یہ نماز ہے یا نماز کا اہم رکن ہے۔ (واضح البیان، ص ۷۱)

میر صاحب رحمہ اللہ مزید نہایت ہی ایمان افزا جملہ تحریر فرماتے ہیں: اگر اصطلاحوں کی تعریفات کی الجھنوں میں نہ پھنستے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اتباع سنت کو لازم گردان لیں اور اسی کو شعار و دثار (ظاہر و باطن) بنالیں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نماز کے متعلق مسلمانوں میں عملی طور پر کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ (ص ۷۶)

اوپر جو حدیث نمبر ۱ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں، سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (یہ حدیث بھی ہم نے اوپر نقل کی ہے) دونوں **يَدُلَّانِ عَلٰى فَرْضِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ** (کتاب الام، ج۱، ص ۸۹) ام القرآن (سورۂ فاتحہ کے نماز میں پڑھنے) کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۔ حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا عوض اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام القرآن یعنی سورۂ فاتحہ) اپنے غیر کا عوض ہوسکتی ہے۔ مگر سورۂ فاتحہ کا غیر اس کا عوض نہیں ہوسکتا۔ (دارقطنی، ج۱، ص ۱۲۲) اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں، نماز میں ثناء پڑھنا، تسبیح وتحمید کہنا، یہ سنت ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام ان کو نہیں اٹھاتا (یعنی امام یہ پڑھے تو مقتدی کی طرف سے ادا نہ ہوگا) مگر قراءت کو فرض قرار دیتے ہو اور اس بارے میں یہ کہتے ہو امام اٹھالیتا۔ یعنی امام کی قراءت کافی ہے) یہ عجیب بات ہے فرض کو نفل سے بھی ہلکا بنا دیا ہے۔ (جزء القراءۃ، ص ۹)

اب ہم ان احادیث کا تذکرہ کرتے ہیں جن میں خاص یہ ذکر ہے کہ امام کے پیچھے بھی سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔

۱۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ))

(جزء القراءة بيهقي، ص ٤٧)

''اس کی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔''

سیّدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی روایت میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں محمد بن اسحٰق مدلس (گڈمڈ کرنے والا) ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ اس میں محمد بن اسحاق نہیں۔ علاوہ ازیں اور ابوطیب کہتے ہیں میں نے محمد بن سلیمان سے پوچھا کہ حدیث میں **خَلْفَ الْاِمَامِ** (امام کے پیچھے) کے الفاظ آتے ہیں۔ انہوں نے کہا، آتے ہیں اور یہ **اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ** یہ سند صحیح ہے۔

۲۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ اِمَامٌ اَوْ غَیْرُ اِمَامٍ۔ مقتدی ہو یا امام ہو۔

(جزء القراءۃ، ص ۴۱)

۳۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی خَلْفَ اِمَامٍ فَلْیَقْرَءْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ))

(جامع صغیر سیوطی، ج۲، ص ۱۴۹)

''جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی اسے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔''

اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

علامہ ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ایک سوال کیا جاتا ہے کہ ان روایات میں محمد بن اسحاق راوی ہیں۔ جو عَنْ مَکْحُوْل (مکحول سے روایت کرتے ہیں) بعض حضرات اسے مدلس (یعنی راوی بعض وقت اپنے اصلی شیخ کو چھوڑ کر اوپر کے استاد کا نام لفظ (عَنْ) سے ذکر کرتا ہے لہٰذا اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ امام احمد اور امام دارقطنی اور امام بیہقی کی دیگر روایات میں ذکر ہے کہ محمد بن اسحاق نے حَدَّثَنِیْ مَکْحُوْلٌ کہ مجھے مکحول نے بیان کیا ہے اور یہ مسلم ہے کہ جب تدلیس والا راوی حَدَّثَنِیْ کے صیغہ سے بیان کرے۔ اس سے سماع (حدیث سننے) کی تصریح ہو جاتی ہے۔ یہ تدلیس والا اعتراض جاتا رہا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت یوں ہے:

''وَاَخْبَرْنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ الْحَارِثِ الْفَقِیْہُ اَنْبأَ عَلِیُّ بْنُ عُمَرَ الْحَافِظُ ثَنَا ابْنُ صَاعِدٍ ثَنَا عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ سَعْدٍ ثَنَا عَمِّیْ ثنا اَبِیْ عَنِ ابْنِ اِسْحٰقَ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَکْحُوْلُ بِھٰذَا وَھٰذَا اِسْنَادُ صَحِیْحٌ'' (کتاب القراءۃ، ص ۳۷)

۱۔ بات یہ ہے کہ محمد بن اسحاق ایک تو بذات خود ثقہ راوی ہیں۔ امام احمد انہیں حسن الحدیث کہتے ہیں۔ بخاری انہیں حجت کے قابل کہتے ہیں۔ ابن ہمام حنفی انہیں حدیث میں امیر المؤمنین کہتے ہیں۔

(فتح القدیر، ج۱، ص ۹۰)

۲۔ انہوں نے ان کی متابعت (تائید) کی ہے۔ (واضح البیان، ص ۴۹۷)

قارئین کرام! یہ روایات صراحت سے بیان کرتی ہیں کہ امام ہو یا مقتدی ہو دونوں پر سورۂ فاتحہ کی قراءت لازم ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۂ فاتحہ غیر ضروری قرار دینے والوں کے دلائل کا جائزہ

۱۔ جو سورۃ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں، قرآن پاک کی آیۂ مبارکہ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف : ۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کیے جاؤ۔''

اور دوسری آیت میں ہے:

﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل : ۲۰)

''پڑھو جو آسان ہے قرآن سے۔''

یہ کہتے ہیں، ان دونوں آیتوں میں ٹکراؤ ہے۔ سورت مزمل کی آیت میں اس کا عام ہونا یہ تقاضا کرتا ہے کہ مقتدی پر قراءت واجب ہے اور سورت اعراف والی آیت کے خصوص کا تقاضا یہ ہے کہ قراءت نہ کی جائے اور یہ دونوں نماز کے بارے میں ہیں اور جب دو متساوی القوت دلیلیں ایک دوسری کے آڑے آئیں تو نور الانوار میں لکھا ہے۔ **فتساقطا** یہ دونوں ساقط ہو گئیں۔ یعنی دونوں پر عمل نہ ہو گا۔ (ص ۱۹۴)

اب یہ حضرات آیت اور یہ حدیث کی اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی، دونوں پر عمل کی یہ صورت نکالتے ہیں کہ اس کی نماز کامل نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان کے بقول قرآن نے جو قراءت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ (اصول شاشی، ص ۵)

اس کا حل:

پہلی بات تو یہ ہے کہ جو حضرات گرامی ان دونوں آیات کو سورۂ فاتحہ کے نماز میں فرض نہ ہونے پر دلیل لائے ہیں۔ ان کی یہ دلیل ان کے اپنے اصول کے مطابق ساقط (گر گئی) ہے۔ قابل حجت نہیں۔

اس بارے میں دوسری گزارش ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل : ۲۰)

''قرآن میں جو آسان ہو اسے پڑھو۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) یہ ہے کہ یہاں **"قراءت"** سے مراد نماز ہے قرآن چونکہ نماز کا ایک اہم رکن ہے یہ قراءت بول کر مراد نماز لی گئی ہے۔ اس آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ نماز تہجد میں جتنی رکعات میسر آسکیں اتنی رکعات پڑھ لیا کرو۔ یعنی نماز میں طوالت کرو یا نماز کا وقت کم رہ جائے یا بوجہ بیماری یا سفر میں یا حالت صحت میں اور حضر میں بھی ہو تو تب بھی کوئی خاص تہجد کی تعداد کی حد بندی نہیں جتنی نماز ممکن ہو پڑھو۔ اگر مسنون تعداد پوری کرو تو یہ بہتر ہے۔ ویسے حد بندی لازمی نہیں۔

اس بات کی تائید علامہ ابو مسعود حنفی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں، رقمطراز ہیں:

"فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرُ مِنَ الْقُرْانِ (فَصَلُّوْا مَا تَيَسَّرُ لَكُمْ مِّنْ صَلَاةِ اللَّيْلِ عَبَّرَ عَنِ الصَّلَاةِ بِاالْقُرَاءَ ةِ كَمَا عَبَّرَ عَنْهَا بِسَآئِرَارْ كَانِهَا" (ابو سعود، حاشیہ تفسیر کبیر، ج۸، ص ٤٨٥)

"قرآن سے جو میسر ہو پڑھو سے مراد ہے کہ رات کی نماز تہجد میں جو میسر ہو وہ پڑھو، قرأت کو یہاں نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ دوسرے ارکان یعنی رکوع اور سجود بول کر نماز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"

علامہ زمخشری مرحوم بھی تقریباً یہی لکھتے ہیں (کشاف، ج ۲، ص ۵۶) اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ حنفی وہ بھی اسی طرح لکھتے ہیں اور علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ مدارک التنزیل میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔

لہٰذا ان حضرات گرامی نے اس آیۂ مبارکہ سے اور اس حدیث سے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں دونوں کو ملا کر سورۂ فاتحہ کے نماز میں فرض ہونے کے درجہ سے اتر کر اسے واجب قرار دیا ہے۔ یہ عذر درست نہیں کیونکہ اس آیت کا درج بالا مفسرین نے جو معنی کیا ہے اس کی رو سے یہاں قراءت سے مراد تلاوت نہیں یہ تو نماز مراد ہے تو یہ دلیل نماز میں سورۂ فاتحہ کی فرضیت ختم کرنے کے قابل نہ ہوئی۔ سورۂ فاتحہ کی نماز میں فرضیت کے دلائل ہی مضبوط ہیں۔

۲۔ اس آیۂ مبارکہ کی تفسیر میں یہ قول ہے کہ قرآن سے جو میسر ہو وہ پڑھو، اس سے مراد تلاوت ہے کہ نماز ہوں یا نماز سے باہر ہوں۔ اس میں سے جو میسر ہے وہ پڑھو۔ تفسیر سراج منیر میں ہے:

((دِرَاسَتَهٗ وَتَحْصِيْلَ حِفْظِهٖ وَاَنْ لَّا يَعْرِضَ لِلنسيان سَوَاءٌ كَانَ فِيْ صَلَاةٍ اَوْ غَيْرِهَا)) (ج٤، ص ٣٤٨)

"اسے پڑھو تاکہ اس کی حفاظت رہے بھول نہ جائے نماز ہو خواہ غیر نماز ہو۔"

اس کی تفسیر کی رو سے بھی اگر نماز سے باہر قراءت مراد لی جائے تو یہ نماز میں قراءت کے فرض ہونے کی دلیل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں بن سکتی۔ کیونکہ جو سورۂ فاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک بھی قرآن شریف کی قرأت نماز سے باہر فرض نہیں۔

جیسا کہ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَاقْرَءُوْا فِی الصَّلَاۃِ وَالْاَمْرُ لِلْوُجُوْبِ اَوْ فِیْ غَیرِھَا وَالْاَمْرُ لِلنَّدْبِ"

(ج۲، ص ۳۲۵)

"نماز میں قراءت کا حکم ہو تو یہ امر کا صیغہ واجب ہونے کا معنی دیتا ہے اور اگر یہ نماز سے باہر قراءت کا حکم ہے تو یہ امر کا صیغہ استحباب (بہتر ہونے) کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔"

نماز سے باہر قراءت واجب نہیں مستحب ہے تو یہ ان حضرات کی حجت نہ ہوگی جن کے نزدیک سورۂ فاتحہ نماز میں فرض نہیں۔

اور اگر اس آیہ مبارکہ جو قرآن سے میسر ہے اسے پڑھو سے نماز کے اندر پڑھنے کا حکم مراد لیا جائے تو مراد ہوگی کہ سورۂ فاتحہ تو نماز میں فرض ہے مگر فاتحہ کے بعد جو قرأت کی جاتی اسے پڑھنے کا حکم ہے تو اس صورت میں بھی یہ سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے پر کوئی اثر نہیں ڈالتی، نہ ہی دونوں آیتوں میں ٹکراؤ لازم ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ قیس بن حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے بصرہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی اس کے بعد سورۂ بقرہ کی ایک آیت پڑھی۔ اسی طرح دوسری رکعت میں کیا پھر سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے، کہا، اللہ تعالیٰ نے کہا ہے جو قرآن سے میسر ہو وہ اس سے پڑھو اس لیے میں نے فاتحہ کے بعد آیت پڑھی ہے۔ (کتاب القراۃ، بیہقی، ص ۱۵۳، اسنادہ حسن)

اس سے ثابت ہوا وہ اس آیت سے فاتحہ کے بعد والی قراءت مراد لے رہے ہیں اس سے فاتحہ نماز میں فرض قرار دینے والی حدیث پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں...... نماز میں سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے کا حکم صحیح حدیث میں آچکا ہے اور یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد طرق (سندوں) سے مروی ہے اور شہرت کی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بالاتفاق اس سے قرآن کی تخصیص ہوسکتی ہے۔

پس مقتدی کے لیے بحکم حدیث صرف فاتحہ کا حکم ہوگا اور جہری (بلند آواز والی) نماز کے وقت سورۂ فاتحہ کے علاوہ قراءت کرنے سے ممانعت ہوگی اور سری (خفیہ قراءت والی) نماز میں اس کا اختیار ہے چاہے پڑھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہے نہ پڑھے لیکن سورۂ فاتحہ کسی صورت بھی نہیں چھوڑی جا سکتی ۔ کیونکہ یہ نماز کا رکن ہے۔ اس میں جو ہم نے مطابقت دی ہے کہ بلند نماز والی قرأت میں صرف سورۂ فاتحہ مقتدی پڑھے اور خفیہ والی میں سورۂ فاتحہ ضرور پڑھے، دوسری قراءت کرے یا نہ کرے اختیار ہے) سب احادیث صحیحہ اور آیات میں یکجائی بھی ہو جاتی ہے اور دو آیتوں اور حدیثوں یا آیت یا صحیح حدیث میں تعارض کی کسی قسم کی دقت باقی نہیں رہتی۔ (واضح البیان، ص ۵۰۶)

نماز میں سورۂ فاتحہ فرض نہ قرار دینے والوں کی دوسری دلیل

یہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز درست نہ پڑھی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

((ثُمَّ اقْرَءْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ)) (بخاری)

''جو قرآن سے میسر ہے وہ پڑھو۔''

اس میں قرآن کے عام مقام سے پڑھنے کا حکم ہے کوئی خاص حکم نہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھو۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول ہے کہ ایک حدیث کی سندوں اور سارے الفاظ کی روشنی میں غور کے بعد فیصلہ دیا جاتا ہے۔

یہ درست ہے کہ اوپر دلیل والے الفاظ بھی حدیث میں ہیں لیکن ابو داؤد کی حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ ام القرآن (سورۂ فاتحہ پڑھو) پھر اس کے بعد جو قرآن آتا ہے وہ پڑھو۔ (سند صحیح، رقم: ۸۵۶)

اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خراب کرنے والے سے کہا اور حکم دیا تھا کہ سورۂ فاتحہ پڑھو۔ تو یہ خاص سورۂ فاتحہ پڑھنے کی دلیل ہے۔ اس نماز خراب کرنے والے کے بارے میں جتنی روایات ہیں۔ انہیں جمع کرنے سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) سورت فاتحہ پڑھنا (۲) فاتحہ سے زائد پڑھنا (۳) جیسے سورت فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اور مقام سے قرأت کر لے۔ اگر دیگر مقام سے بھی یاد نہ ہو تو الحمد للہ اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھ لیا جائے۔

ثابت ہوا کہ یہ حدیث نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے کی دلیل نہیں۔ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جسے سورت فاتحہ آتی ہے اس پر فرض ہے کہ وہ نماز میں اسے پڑھے اور نماز خراب کرنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا کہ اگر سورت فاتحہ آتی ہے تو اسے پڑھنا فرض ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴۔سورت فاتحہ نماز میں نہ پڑھنے کی ایک اور دلیل کا جائزہ

یہ لوگ ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں، حدیث میں **فَصَاعِدًا** اور **مَا زَادَ** کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ (مسلم، ابوداؤد) یعنی سورت فاتحہ اور اس سے زائدہ پڑھو لہٰذا اگر سورت فاتحہ پڑھنا نماز میں فرض ہے تو پھر اس سے زائد قراءت بھی فرض قرار دیں جبکہ زائد قراءت کو یہ فرض قرار نہیں دیتے۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ **فَصَاعِدًا** سورت فاتحہ اور اس سے زیادہ پڑھو۔ اس اضافہ کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ محدثین نے اس اضافہ کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ حدیث تو متفق علیہ ہے۔ جو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ نہ پڑھے اور جو یہ اضافہ ہے **(فَصَاعِدًا) تَفَرَّدَ بِهَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَاَعَلَّهَا الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَأَةِ** (التلخیص الجیر، ج۱، ص ۸۷) اس اضافہ کو تنہا معمر نے بیان کیا ہے اور بخاری رحمہ اللہ نے اسے معلول (ضعیف) قرار دیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

> **”وَعَامَةُ الثِّقَاتِ لَمْ يُتَابِعْ مَعْمَرًا فِيْ قَوْلِهٖ فَصَاعِدًا مَعَ اَنَّهٗ قَدْ اَثْبَتَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ“** (جزء القراءۃ، ص ٤)
>
> ”عام ثقہ راویوں نے معمر کی اس بات (**فَصَاعِدًا**) کی تائید نہیں کی حالانکہ معمر نے سورت فاتحہ پڑھنے کو ثابت کیا ہے۔“

بیہقی نے لکھا ہے، سفیان بن سعید ثوری اور یحییٰ بن سعید قطان نے اجماع بیان کیا ہے کہ یہ الفاظ یعنی **فَمَا زَادَ** وغیرہ) ذکر نہیں کیے صرف سورت فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ روایت نقل کی ہے۔

(جزء القرآۃ بیہقی، ص ۱۵)

ان بیانات سے یہ ثابت ہوا کہ یہ اضافہ صحیح سند سے ثابت نہیں، تو یہ عام قراءت کی فرضیت کی دلیل نہیں بن سکا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اول تو یہ اضافہ غیر معروف ہے۔ تاہم اس کا اگر صحیح معنی کیا جائے تو یہ ہوگا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر دینار کے چوتھے حصہ کی چوری سے یا اس سے زیادہ سے اس میں بھی **فَصَاعِدًا** کا لفظ ہے۔

یعنی دینار کے چوتھے حصہ یا زیادہ کی اگر کوئی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کم از کم دینار کا چوتھا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حصہ ہے اس سے زیادہ ہو تو پھر بالاولیٰ کاٹا جائے گا۔ یہی صورت اس سورت فاتحہ کی ہوگی کہ نماز میں کم از کم قراءت سورت فاتحہ ضرور ہو، اس سے زائد کوئی کرتا ہے بہتر ہے نماز اس کی سورت فاتحہ پڑھنے سے ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا اگر میں سورت فاتحہ سے زیادہ قرأت نہ کروں تو پھر؟ انہوں نے کہا۔ اگر یہی پڑھو گے تو کفایت کر جائے گی اگر سورت فاتحہ سے زیادہ قرأت کرو گے تو بہتر ہے۔ (بخاری، ج۱،ص ۱۰۱) یہی مطلب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، ج ۳،ص ۲۱۵ میں اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم، ج۱،ص ۱۷۱ میں کیا ہے۔

علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ ان روایات سے معلوم ہو گیا کہ بقدر فرض تو صرف سورۂ فاتحہ ہی ہے اور اس سے زائد جتنا ہو سکے بہتر ہے اور یہی **فَصَاعِدًا** کے معنیٰ درست ہیں۔ زائد از فاتحہ وجوب میں نہیں ہے۔ (واضح البیان،ص ۵۱۵)

نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی تیسری دلیل کا جائزہ

یہ حضرات سورۂ فاتحہ مقتدی کو امام کے پیچھے نہ پڑھنے کی دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾ (الاعراف : ۲۰۴)

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔''

اس کا حل:

یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا اس آیۂ مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں نہ اس سے سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے نہ ہی نہ پڑھنے کا حکم ہے۔ اس آیت کا خطاب مومنوں سے نہیں، یہ آیت آپ کے منکروں کے بارے میں اتری ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع عام میں تبلیغ کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو قرآن پاک کی پاکیزگی اور اس کی لطافت اور پرکشش انداز کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دلی جذبات اور صدا بندی کا حسن دلنواز اور اخلاص کا سوز و گداز اور بے لوث دعوت حق یہ تمام وجوہات کفار کے دلوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مائل کرتی تھیں۔ لیکن ان میں سے بدبختی جن کا مقدر تھی اور خیانت باطنی نے جن کی خباثت کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی تھی۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک پڑھیں اتنا شوروغوغا کرو اور تالیاں بجاؤ اور بے ہودہ باتیں کرو اور آوازے کسنے شروع کر دو تاکہ آپ کی تلاوت بے اثر ہو جائے، اس طریقہ سے تم غالب آ سکتے ہو، جیسے قرآن پاک نقل کرتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝﴾

(حم السجدہ : ٢٦)

''اور ان لوگوں نے کہا، جنہوں نے کفر کیا، اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور ڈالو تا کہ تم غالب آ جاؤ۔''

اس آیۂ مبارکہ میں تین چیزیں بیان ہوئی ہیں۔

(۱) اس قرآن کو نہ سنو (۲) اس کی تلاوت کے وقت لغو اور بے ہودہ حرکتیں کرو اور شور مچاؤ (۳) اس طرح کرنے سے تم غالب آ ؤ گے۔

اس کے جواب میں قرآن پاک سورۂ اعراف کی اس آیۂ مبارکہ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو۔

۲۔ کافروں نے کہا: **وَالْغَوْا فِيهِ**، اس میں شور کرو۔ یہ آیت کہتی ہے، **وَأَنْصِتُوا**، تم خاموش رہو۔

۳۔ وہ کہتے تھے تم غالب آ ؤ گے اس میں ہے تم پر رحم کیا جائے گا۔

یہ تقابل صاف ظاہر کر رہا ہے کہ کافروں نے نبی ﷺ کی تبلیغ کے خلاف جو تجاویز پیش کی تھیں۔ قرآن کی یہ سورۂ اعراف والی آیت ان کا متبادل بتا رہی ہے۔ اس میں سورۂ فاتحہ کی کسی صورت نہ پڑھنے کا قطعاً ذکر نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا تبصرہ

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس آیۂ مبارکہ سے بعض حضرات جو کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں دلیل لیتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ''وہ غور سے سنو اور خاموش رہو'' سے استدلال کرتے ہیں، یہ بتائیں کہ امام قراءت کر رہا ہو تو **سبحانك اللهم الخ** پڑھی جائے یا کہ مقتدی نہ پڑھے۔ جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں **سبحانك اللّٰهم الخ** پڑھے۔ جبکہ یہ فرض نہیں اس آیت کے منع کرنے کے باوجود **سبحانك اللّٰه** کی اجازت دیتے ہو اور یہ عجیب بات ہے جو احادیث کے ذریعہ فرض ثابت ہے کہ سورت فاتحہ فرض ہے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ (جزء القراۃ، ص ۷)

اس سے ثابت ہوا جب اس آیت کے باوجود (جس کی فرضیت کی قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں **سبحانك اللّٰهم الخ** پڑھی جا سکتی ہے تو پھر جس سورت فاتحہ کی فرضیت صحیح احادیث سے ثابت ہے وہ تو بالاولی پڑھی جا سکتی ہے۔ ایک اور بات ہے جب امام درود والی آیت پڑھے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی لے تو یہ حضرات کہتے ہیں، آہستہ زبان سے درود پڑھنا جائز ہے۔ (کفایہ، ج ۱، ص ۹۴، شرح ہدایہ)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب یہ آہستہ پڑھنا خاموش رہنے کے حکم کے خلاف نہیں تو سورت فاتحہ بھی آہستہ پڑھنا خاموش رہنے کے حکم کے خلاف نہیں۔

امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے منع کرنے والوں کی چوتھی دلیل کا جائزہ

امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھنے کی ایک چوٹی کی دلیل یہ حدیث ہے۔

((مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ)) (هدايه، ص ۱۰۸، فصل القراءة)

''جس کا امام ہوتو اس کے امام کی قراءت ہی اس کے لیے قراءت ہے۔''

اس کا حل:

یہ ہے کہ اس کی سند کے متعلق علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس کے جتنے طرق (سندیں) مرفوع (نبی ﷺ کی طرف منسوب) ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو سندیں صالح ہیں، وہ سب موقوف (صحابی رضی اللہ عنہ تک ہیں)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس حدیث کی سندیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہیں جو کہ ساری کی ساری معلول (ضعف والی) ہیں۔ (التلخيص الحبير، ج ۱، ص ۸۷)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ ایک ایسی حدیث ہے اہل حجاز اور اہل عراق کے محدثین کے نزدیک ثابت نہیں کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔ (جزء القراءۃ، ص ۸)

لہٰذا ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کی فرضیت والی صحیح احادیث کی موجودگی میں اس کمزور حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھی جائے یہ استدلال نہایت ہی غلط ہے۔ سورت فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا ہی فرض ہے۔ اگر بالفرض کسی طور پر اس حدیث کو درست بھی تسلیم کرلیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے تو اس کی تخصیص ہوگی کہ جب امام دوسری قراءت کرے تو وہ مقتدی کے لیے کافی ہے۔ مقتدی قراءت نہ کرے، سورت فاتحہ ضرور پڑھے کیونکہ یہ صحیح احادیث سے پڑھنی ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سورت فاتحہ کا پڑھنا نماز کا رکن ہے اس کے بغیر نماز باطل ہوجاتی ہے۔ (غنیۃ الطالبین، مترجم فارسی، ص ۸۵۷)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بھی سورت فاتحہ کو نماز کا رکن بتاتے ہیں۔ (مصفی شرح مؤطا، ص ۲۰) مرزا مظہر جانجانان، شاہ عبدالعزیز، امام غزالی اور شاہ عبدالرحیم رحمہم اللہ یہ سب فاتحہ خلف الامام پڑھا کرتے تھے اور مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے کہا ہے، یہی مختار ہے۔ (یعنی فاتحہ خلف الامام پڑھنا) (واضح البیان، ص ۵۴۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لغت:

بِسْمِ (باء جارہ (زیر دینے والا حرف ہے) اسم مجرور ہے۔ جار مجرور دونوں محذوف فعل کے متعلق ہیں۔
اور (باء) یہاں استعانت (مدد طلب کرنے) کے لیے ہے۔ یا **الصاق** (ملانے کے) لیے ہے۔ یہ محذوف فعل (**اَبْتَدِئُ**) (میں شروع کرتا ہوں) ہے) یہ جار مجرور دونوں اعراب کے لحاظ سے نصب (زبر) والے ہیں۔ کیونکہ یہ مقدم مفعول کے قائم مقام ہیں۔ لفظ (**اَللّٰہِ**) **مضاف اِلَیْہِ** ہے اور **اَلرَّحْمٰن** اور **الرَّحِیْم** دونوں لفظ اللہ کی صفتیں ہیں۔

بسم اللہ میں بلاغت کے نکات

۱۔ بسم اللہ کو فعل مضارع کے متعلق کیا جائے گا کیونکہ اصل عمل فعل مضارع کرتا ہے کیونکہ اس کے عمل سے جدت (نیا پن) پیدا ہوتی ہے۔ اسے حذف اس لیے کرتے ہیں کہ زبانوں پر یہ کثرت سے جاری رہتا ہے۔

اور اگر محذوف فعل کی بجائے اسم نکالا جائے تو یہ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوتا ہے کہ ہمارا ہر عمل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے شروع ہونا چاہیے۔

۲۔ اسم کو لفظ اللہ کی جانب اضافت (نسبت) کرنا عام کی نسبت خاص (اللہ) کی طرف ہے۔ علم بلاغت میں اسے ایجاز قصر کہتے ہیں۔

۳۔ باء کو (استعانت) کے لیے مراد لیں تو بلاغت کی اصطلاح میں اسے استعارہ مکنیہ تبعیہ کہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مدد طلب کرنے والا اور جس کے ساتھ مدد طلب کی گئی ہے ان کے درمیان رابطہ ہے اس کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی تشبیہ کو استعارہ کہتے ہیں۔

اور اگر (باء) **الصاق** کے معنیٰ میں لی جائے تو یہ مجاز ہے۔ یعنی ملنے کی نسبت مجازی ہے حقیقی نہیں۔ جیسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ محاورہ ہے میں زید کے ساتھ سے گزرا اس کا مطلب ہے۔ میں اس کے قریب جگہ سے گزرا، یہ نہیں کہ اس کے وجود سے گزرا ہے۔

مزید لفظی وضاحت

(اسم) کس سے نکلا ہے، کوفی نحویوں کی رائے ہے کہ یہ **سِمَةٌ** سے نکلا ہے۔ اس کا معنی علامت ہے اور بصری نحویوں کا نظریہ ہے۔ یہ **(سَمْوٌ)** سے ہے۔ جس کا معنی بلندی ہے۔ معنیٰ کے اعتبار سے دونوں باتیں درست ہیں۔

اس میں پانچ لغات ہیں۔ **اِسْمٌ (اُسُمٌ، سِمٌ، سُمٌ، سُمًی)**

یہ اصل میں سین کی جزم کے ساتھ ہے۔ بولنے کے لیے ھمزہ شروع میں لایا گیا ہے۔

(اَللّٰہِ) ایک قول ہے یہ **اِلَاہٌ** سے نکالا گیا ہے۔ عبادت کے معنی میں ہے۔ یہ **أَلِهَ يَأْلَهُ** سے ہے۔ تخفیف کے لیے ہمزہ حذف کیا گیا ہے پھر اس پر الف لام لایا گیا تاکہ تعظیم کا معنی پیدا ہو اور اسے کوئی دوسرا اللہ کے سوا استعمال نہ کر سکے۔ بت پرستوں نے اپنے معبودان باطل کے لیے استعمال کیا ہے اسی کی تردید کے لیے اس پر الف لام آیا ہے۔

۲۔ دوسرا قول ہے۔ اصل میں یہ **لَاہٌ** ہے۔ اس پر الف اور لام داخل کیا گیا ہے۔ یہ **لَاهَ يَلِيْهُ** سے ہے (چھپ جانا) لوگوں کی نظروں سے اللہ تعالیٰ پس پردہ ہیں اس لیے اسے اللہ کہا گیا ہے اور اکثریت نحویوں کی اسے کسی سے مشتق نہیں مانتے۔

مشتق ہو یا غیر مشتق ہو۔ اب یہ اللہ کی ذات کے لیے خاص ہے۔

تو اللہ وہ ذات گرامی ہے جو معبود حقیقی ہے اس کے ساتھ دوسرا کسی بھی لحاظ سے کوئی شریک نہیں۔

(اَلرَّحْمٰنِ) یہ **فَعْلَانٌ** کے وزن پر ہے۔ یہ مبالغہ کے لیے ہے۔ **اَلرَّحِيْمِ**، یہ **فَعِيْلٌ** کے وزن پر ہے۔ یہ بھی مبالغہ کا وزن ہے۔ یہ دائمی اور ثابت صفت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ کے متعلق چند اہم فوائد

۱۔ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی آیت ہے۔ زیادہ قوی یہی بات ہے۔ اگرچہ بعض نے اسے آیت قرار نہیں دیا۔

اور سورت النحل میں بالاتفاق بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت ہے اور سورۂ توبہ میں اسے تلاوت نہ کیا جائے وہاں نہ لکھی ہے نہ ہی اسے تلاوت کیا جائے۔ علاوہ ازیں نماز میں تلاوت کریں یا غیر نماز میں جہاں بھی بسم اللہ لکھی ہے اسے پڑھا جائے۔ سورت توبہ کے بغیر ہر سورت بمع سورت فاتحہ کے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل امام بیضاوی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے۔

"وَالْاِجْمَاعُ اَنَّ مَا بَيْنَ دَفَّتَيْنِ كَلَامُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَالْوِفَاقُ عَلٰى اِثْبَاتِهَا فِى الْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُبَالَغَةِ فِىْ تَجْرِيْدِ الْقُرْاٰنِ حَتّٰى لَمْ يُكْتَبْ اٰمِيْنَ" (تفسیر بیضاوی، ص ۹)

"اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے کہ دو گتوں کے درمیان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کلام ہے اور مصحف میں بسم اللہ کو ثابت کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔ حالانکہ انہوں نے قرآن لکھنے میں اتنی احتیاط کی ہے کہ آمین بھی قرآن میں نہیں لکھی۔"

اور امام نووی رحمہ اللہ بھی رقم طراز ہیں:

ہمارے اصحاب نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ یہ بسم اللہ مصحف میں مصحف کے رسم الخط میں ہی لکھی گئی ہے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے ہوا ہے کیونکہ انہوں نے قرآن میں سوائے قرآن کے اس کے رسم الخط میں اور کوئی چیز ثابت نہیں کی، ان کے زمانہ کے بعد بھی اس پر مسلمانوں کا اجماع رہا ہے اور آج تک ہے اور اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت برأۃ کے شروع میں نہیں اس سے بھی ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ (بسم اللہ سورت فاتحہ کا جزء ہے) (شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۷۲)

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اوپر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے (جو مجھے ساری دنیا سے پیاری ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورت کوثر کی تلاوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی۔ (مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد ۱) ان دلائل سے بسم اللہ کا سورت فاتحہ کی آیت ہونا ثابت ہوا۔ اب رہی بحث اسے بلند آواز سے پڑھنا یا آہستہ پڑھنا تو بلند آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے اور آہستہ آواز سے پڑھنا بھی درست ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ نبی ﷺ کی قراءت کیسی تھی تو انہوں نے کہا:

((كَانَتْ مَدًّا)) ''کھینچ کر تھی۔''

((ثُمَّ قَرَءَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ)) (بخاری، کتاب فضائل القرآن)

''پھر بسم اللہ کھینچ کر پڑھی۔ اسی طرح الرحمن اور الرحیم کھینچ کر پڑھا۔''

یہ بالکل واضح ہے کہ نبی ﷺ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ نعیم مجمر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔

((فَقَرَءَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ قَرَءَ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ الخ)) (نسائی، ج۱، ص ۱۵۱)

''انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور پھر سورت فاتحہ پڑھی...... آخر میں انہوں نے کہا میں نے بہت زیادہ رسول اکرم ﷺ کے مشابہ نماز پڑھائی ہے۔'' (صحیح، ج۱، ص ۱۱۵، دارقطنی)

۳۔ دلیل یہ ہے یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی، اس میں قراءت بلند آواز سے پڑھی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے نہ پڑھی اور نہ ہی نیچے جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہی۔ جب نماز ادا کر لی تو سب مہاجر و انصار بول پڑے، کہا اے معاویہ رضی اللہ عنہ، تم نے نماز میں چوری کی یا بھول گئے ہو۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب بھی نماز پڑھائی تو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور جب سجدہ میں جھکتے تو اللہ اکبر بھی کہتے۔ (راوی سب ثقہ ہیں) (دارقطنی، ج۱، ص ۱۱۷)

یہ دلائل تو بلند آواز سے پڑھنے کے ہیں، تاہم تمام احادیث کو مدنظر رکھیں تو یہ فیصلہ ہے کہ پیارے پیغمبر ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کبھی بلند آواز سے پڑھی ہے اور کبھی آہستہ آواز سے پڑھی ہے، دونوں طرح جائز ہے۔ (تفہیم الاسلام، ج۱، ص ۳۱۲)

۴۔ نکتہ یہ ہے الرحمن صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کسی اور کی نہیں آتی۔ حتی کہ مسیلمہ کذاب کو عرب لوگوں نے رحمان کہا ہے۔ وہ بھی نسبت کر کے کہا ہے۔ رَحْمَانَ الْيَمَامَه یہ بھی اس پر دلیل ہے کہ الرحمٰن صرف اللہ تعالیٰ ہی کا وصف ہے اور اس کے باوجود یہ وصف جو مسیلمہ نے رکھا تھا۔ اس کی بربادی کا باعث بنا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۵۔ بسم اللہ بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ باء لکھنے کی وجہ سے الف لکھنے کی ضرورت نہیں رہی مگر سورت العلق میں باقی رکھا جاتا ہے۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝﴾ (العلق : ۱)

یہاں باء کے بعد الف برقرار رکھا گیا ہے۔

۶۔ جو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے تو اس پڑھنے کو ایک نقطہ **يَسْمَلَةٌ** کہتے ہیں کہ اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔

۷۔ نکتہ یہ ہے کہ سب سے پہلے **بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ**، امیہ بن ابی صلت نے لکھا تھا اور قریش جاہلیت میں یہی لکھا کرتے تھے اور رسول اکرم ﷺ بھی قریش کی مانند یہی **باسمك اللهم** ہی لکھتے تھے۔ جب سورت ھود (۴۱) میں یہ آیت ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا﴾ (هود : ۴۱) اور سورت اسراء (۱۱۰) میں آیا ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾ (الاسراء : ۱۱۰) اور سورت النمل ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ (النمل : ۳۰) میں آیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا شروع کیا۔ **بِاسْمِكَ اَللّٰهُمَّ** چھوڑ دیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے یہ لکھنے پر ضد کی تو تب آپ نے یہ لکھوایا تھا۔ وگرنہ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا ہی کہا تھا۔

(اعراب القرآن، درویش، ج۱، ص ۲۳ تا ج۱، ص ۲۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ پڑھنے کے مستحب مقامات

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾(الانعام : ۱۱۸)

''جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ کھاؤ۔''

اس سے ثابت ہوا کھانے پینے والی چیز سے پہلے بسم اللہ کا حکم قرآن دیتا ہے۔

۲۔ کشتی پر سواری کے وقت بھی حکم ہے۔

﴿وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾(ھود : ۴۱)

''اس پر سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا ہے اور لنگر انداز ہونا ہے۔''

۳۔ نبی ﷺ نے ایک بچے سے کہا تھا،

((سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

(بخاری : ۵۳۷۶۔ مسلم : ۲۰۲۲، عن عمر بن ابی سلمه)

''بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

۴۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ **شیطن** اپنے لیے حلال سمجھتا ہے۔ (مسلم: ۲۰۱۷۔ ابوداؤد: ۳۷۶۶)

۵۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اپنا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ پڑھو اور چراغ بجھاؤ تو بسم اللہ پڑھو اور برتن ڈھانپو تو بسم اللہ پڑھو اور اپنی مشک کا منہ باندھو تو بسم اللہ پڑھو۔

(بخاری: ۳۳۰۴۔ مسلم: ۲۰۱۲)

۶۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس آنے کا ارادہ کرے تو پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا))

(بخاری : ۱۴۱۔ مسلم : ۱۴۳۴۔ ابوداؤد : ۲۱۶۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”بسم اللہ! اے میرے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور جو تو ہمیں دے (بچہ وغیرہ) اس سے شیطان کو دور رکھ۔“

اگر ان کے مقدر میں اولاد ہوئی تو شیطان اسے کبھی نقصان نہ پہنچائے گا۔

۷۔ سیدنا جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کرو۔ (بخاری: ۹۸۵۔ مسلم: ۱۹۶۰)

۸۔ سیدنا عثمان بن ابی عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اپنے جسم میں مجھے تکلیف تھی، جب سے میں اسلام لایا درد تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، درد والے مقام پر ہاتھ رکھو اور تین دفعہ کہو، بِسْمِ اللّٰهِ اور سات دفعہ درج ذیل دعاء کہو:

((اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ))

(مسلم: ۲۲۰۲۔ مؤطا، ج۲، ص ۹۴۲۔ ابو داؤد: ۳۸۹۱)

”میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کے ساتھ اس چیز کی ہر شر سے اس کی پناہ میں آتا ہوں جو میں پاتا ہوں۔“

یہ کہتے ہیں میں نے اس طرح کیا تو اللہ نے مجھے درد سے نجات دے دی۔

۹۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنوں اور اولاد آدم کے درمیان جب یہ قضائے حاجت کی جگہ پر داخل ہوتے ہیں، بسم اللہ کہنا پردہ بن جاتا ہے۔ (ترمذی: ۶۰۶، صحیح)

۱۰۔ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان ذلیل ہو جاتا ہے۔

ابو تمیمہ ہجیمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، سواری پھسل گئی تو میں نے کہا: **تَعِسَ الشَّيْطَانُ**۔ شیطان کا ستیاناس ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہ کہو، ایسا کہنے سے شیطان خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے حتی کہ یہ پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔

(ایسے) موقع پر جب تم بسم اللہ کہو گے تو یہ چھوٹا ہو جاتا ہے حتی کہ مکھی کے برابر ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد: ۸۴/۷ ۔ الفتح الربانی، ج۸، ص ۱۲۳، صحیح)

انتباہ:

بعض مفسرین کرام نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی دی اور اس میں لا الہ الا اللہ لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نقاش سے کہا، اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھ دو۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جب یہ انگوٹھی نبی ﷺ کو پیش کی تو اس میں لکھا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق۔ آپ نے پوچھا یہ زائد کیسے لکھا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پر لاعلمی اور شرمندگی کا اظہار کیا تو جبریل علیہ السلام اترے تو انہوں نے کہا، ابوبکر نے آپ کا نام اللہ سے جدا ہونا گوارا نہیں کیا تھا، اسی محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اب آپ کے نام سے ابوبکر کا نام جدا نہیں ہونے دیا۔ (تبیان القرآن، ج ۱، ص ۱۵۹) یہ واقعہ درست نہیں۔ اسے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی ہم نے صرف اسے اس کی تردید کے لیے لکھا گیا ہے اور بسم اللہ کے فضائل ہم نے صحیح احادیث سے جو ثابت شدہ ہیں وہ اوپر بیان کر دیئے ہیں۔

(**بِسْمِ**) بسم اللہ کہا گیا ہے۔ **بِاللّٰہِ** نہیں کہا۔ اس میں اشارہ ہے جس ذات کا نام برکت والا ہے خود اس اللہ کی ذات گرامی کتنی زیادہ عظمت والی ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عرب میں محاورہ تھا جب قسم اٹھاتے تھے تو **بِاللّٰہِ** کہتے تھے اور بسم اللہ برکت کے حصول کے لیے ہے۔ قسم اور برکت میں فرق کے لیے یہ تفریق کی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے امتیاز رہے۔
(واضح البیان، ص ۶۸)

اسم (نام) مسمّٰی (جس کا نام رکھا گیا) ایک قول ہے اسم (نام) مسمّٰی (جس کا نام) رکھا گھا ہے۔ ایک ہی چیز ہیں۔ دوسرا قول ہے۔ اسم (نام) نفس مسمیٰ ہے اور تسمیہ (نام رکھنا) اور چیز ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مختار بات یہی ہے کہ اسم اور مسمّٰی اور ہے اور تسمیہ اور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۱۸)

اَلنَّار آگ (**اَلثَّلْج** (برف) مثلاً اگر اسم اور مسمّٰی ایک ہوتے تو بولنے والا جب بولتا **اَلنَّارُ** (آگ) تو بولنے والا آگ کی حرارت پاتا یا جب بولتا **اَلثَّلْجُ** (برف) تو بولنے والا ٹھنڈک پاتا۔ ایسا نہیں ہوتا تو ثابت ہوا تسمیہ (نام رکھنے کو کہتے ہیں اور اسم ذات کو کہتے ہیں اور مسمّٰی جس ذات کا نام رکھا گیا ہو اسے کہتے ہیں یہ تینوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

''اور اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں اسے ان کے ساتھ پکارو۔''

یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی اس کی ذات کے علاوہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۱۹)

اور اللہ کے اسمائے گرامی زیادہ ہیں اور **مُسمّٰی** ایک ہے جو کہ اللہ کی ذات ہے۔

علامہ مراغی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"اَلْاِسْمُ هُوَ اللَّفْظُ الَّذِیْ یَدُلُّ عَلٰی ذَاتٍ کَمُحَمَّدٍ وَّاِنْسَانٍ اَوْ مَعْنًی کَعِلْمٍ وَّاَدَبٍ" (تفسیر، ج۱، ص ۲۷)

''اسم ایک ایسا لفظ ہے جو کسی کی ذات پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ محمد کسی کا نام ہو تو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور انسان انسانی وجود پر دلیل ہے یا پھر معنی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ علم اور ادب ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ﴾(النساء : ۱۰۳)

''اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں کے بل۔''

اور ہمیں یہ بھی حکم ہے اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی یاد کریں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸ؕ﴾(مزمل : ۸)

''اور اپنے رب کا نام ذکر کر اور اسی کی طرف ہو جا۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کا ذکر کرنا بھی مطلوب ہے۔ جب یہ حمد و شکر کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس میں اور عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کے اسم گرامی کے ذریعہ جو عمل بھی کیا جائے شریعت میں وہ قابل شمار ہے اور اگر اللہ کے اسم گرامی سے کوئی عمل جاری نہ ہوگا وہ گویا کہ عمل ہی نہیں کسی شمار میں نہیں آئے گا۔

اور زبان سے اللہ کے اسمائے گرامی کا ذکر کرنا اللہ کی عظمت و جلالت اور اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی ہے اور دوسرا مطلوب یہ ہے کہ اللہ کے اسم گرامی کی زبانی برکت کے ذریعہ انسان کو مسمّٰی یعنی (اللہ کی ذات) کو دلی طور پر یاد رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (تفسیر مراغی، ج ۱، ص ۲۷)

قطب شہید رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے سورۂ فاتحہ کا آغاز کر کے یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی کی ہے اس میں حکم یہی دیا ہے کہ

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ۚ﴾(العلق : ۱)

''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھو۔''

اس میں ایک اسلامی تصور کا بہت بڑا قاعدہ روشناس کرایا گیا ہے۔ کہ اول بھی وہی اللہ ہے آخر بھی وہی ہے ظاہر بھی وہ اور باطن بھی وہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ ایک ایسا حقیقی معبود موجود ہے کہ ہر موجود اس کے وجود مسعود سے مدد حاصل کرنے کا پابند ہے اور ہر چیز کی ابتداء اور اس کی ابتداء کی محتاج ہے۔ ہر ابتداء اسی کے اسم گرامی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور کائنات کی ہر سکنات وحرکات اسی کے اسم گرامی سے ہے۔ (فی ظلال القرآن، ج۱، ص ۱۴)

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَمَا يَجِبُ تَنْزِيْهُ ذَاتِهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَنِ النَّقْصِ فَكَذَالِكَ يَجِبُ تَنْزِيْهُ أَسْمَآئِهٖ" (ص۱، ج ۱۳)

"جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات گرامی کو ہر نقص سے پاک رکھنا ضروری ہے اسی طرح اس کے اسمائے گرامی کی بھی تنزیہہ وتقدیس لازمی ہے۔"

میر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا اسم بھی بابرکت ہے۔ چنانچہ یہ آیۂ مبارکہ ہے۔

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾ (الرحمٰن : ۷۸)

"تیرے جلالت اور اکرام والے رب کا اسم گرامی بابرکت ہے اور اسی طرح اللہ (جل جلالہ) کی ذات بھی بہت برکت والی ہے۔"

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرُ ﴾ (الملک : ۱)

"بابرکت وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (واضح البیان، ص ۶۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لفظ اللہ کی وضاحت

لفظ اللہ کے متعلق کچھ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ یہ اللہ کی ذات برحق کا عَلَم (خاص نام) ہے۔ یہ اصل میں اِلَاہٌ تھا۔ ہمزہ حذف کیا اس کے عوض الف اور لام شامل کیا گیا ہے۔ یہ الف اب جزو کلمہ بن گیا ہے۔ ندا کے وقت بھی برقرار رہتا ہے۔ جیسا کہ یَا اَللّٰہُ ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے ندا کے وقت یا حرف نداء حذف کر کے اس کے اخیر میں میم مشدد لگاتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ کہتے ہیں۔ اِلٰہٌ اصل میں وَلَاہٌ تھا واؤ کو ہمزہ سے بدلا اِلَاہٌ ہوا) قرآن پاک میں وُقِّتَتْ تھا۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل کر اُقِّتَتْ کر دیا۔ (المرسلات، پ ۲۹) اسی طرح اِلَاہٌ میں واؤ کو ہمزہ سے بدلا گیا ہے۔

اس کا رسم الخط (اَللّٰہُ) ہے۔ اگر ہمزہ کو ابتداء سے گرا دیں لِلّٰہِ رہ جاتا ہے۔ اس کے پہلے لام کو گرا دیں تو لَہٗ رہ جاتا ہے اور دوسرے لام کو بھی گرا دیں تو (ہٗ) رہ جاتا ہے۔ یہ صورتیں قرآن پاک کی ایک آیت میں آتی ہیں۔ یہ ایک بڑی ہی عجیب اور حیرت انگیز خصوصیت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۱﴾ (سبا : ۱)

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے، آخرت میں بھی تعریف اسی لیے ہے اور وہی حکمت والا خبر رکھنے والا ہے۔''

اس میں لَہٗ بھی ہے لِلّٰہِ بھی ہے (ہٗ) بھی ہے۔ آیت میں تو ھُوَ آیا ہے۔ یہ اصل میں (ہٗ) اصلی ہوتی تو پھر تثنیہ اور جمع میں برقرار رہتی۔ یہ ہماری اس بات پر دلیل ہے کہ واؤ (ھُوَ) میں اصلی نہیں۔

علامہ میر سیا لکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، (اللہ کے لفظ کا نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) سبحان اللہ! یہ کیسا مبارک لفظ ہے کہ اس کے حروف مجموعی اور انفرادی ہر دو طرح پر اسی ذات پاک پر دلالت کر سکتے ہیں (اور کوئی اس کا مستحق نہیں)

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''ہماری عبارتیں مختلف ہیں، تیرا حسن ایک ہی ہے۔ ہر کوئی اسی جمال بے مثال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔'' (واضح البیان، ص ۶۷)

لفظ اللہ کے اشتقاق یعنی یہ کن الفاظ سے بنا ہے) کے لحاظ سے مزید توضیح

۱۔ یہ **اَلَہَ** (منع باب) سے ہے۔ اس کا مصدر **اَلَہَۃً، اُلُوْھَۃً** اور **اُلُوْھِیَّۃً** ہے۔ اس کا معنی ہے اس نے عبادت کی، اس کی رو سے معنی ہوا کہ اللہ وہ ہے جو عبادت کے لائق ہے۔

۲۔ اشتقاق ہے۔ **اَلِہَ** (**عَلِمَ** کے باب کے وزن) پر اس کا معنی ہے کہ اللہ ایسی ذات گرامی ہے جس کی معرفت میں عقل حیران ہو۔

شاعر نے کہا ہے:

لَعَمْرِیْ لَقَدْ طُفْتُ الْمَعَاھِدَ کُلَّھَا
وَسَیَّرْتُ طَرَفِیَّ بَیْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ

''تجھے میری زندگی کی قسم میں نے سب سے بڑے معاملات کے گرد چکر کاٹے ہیں اور ان سب نشانوں پر نظریں دوڑائی ہیں، مجھے اس کے سوا کوئی نظر نہ آیا تو میں نے ہر کسی کو دیکھا وہ حیرت سے ٹھوڑی پکڑے ہوئے ہے اور ندامت سے اس کے دانت بج رہے ہیں۔'' (شہرستانی شاعر)

یعنی اللہ کی معرفت میں ہر کوئی حیران ہے۔

۳۔ **اَلِہَ، فَزِعَ** (گھبراہٹ) کے معنی میں ہے۔ اس میں **الٰہ** کا معنی یہ ہوا کہ اللہ وہ ذات ہے کہ مصیبتوں کے وقت اس کے پاس گڑگڑایا جائے اور وہ پناہ دیتا ہے۔ اس کی تائید قرآن پاک میں بھی ہے۔

﴿قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾ (المؤمنون : ۸۸)

''کہہ دو! کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی گرفت پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔''

ثابت ہوا مصائب کے وقت اسی کی طرف پناہ ملتی ہے۔

یَامَنْ اِلَیْہِ الْمُشْتَکٰی وَالْمَفْزَعُ
اَنْتَ الْمُعِدُّ لِکُلِّ مَا یُتَوَقَّعُ

''اے وہ ذات، شکوہ و شکایت اور رونا تیری طرف ہی ہے اور جس چیز کی بھی توقع کی جائے وہ تو ہی تیار کرنے والا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۴۔ اله، اَلَهْتُ اِلٰی فُلَانٍ سے لیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے سَکَنْتُ اِلَیْهِ میں نے اس کی طرف سکون پکڑا ہے۔

ثابت ہوا الٰہ وہ ذات ہے جس سے قلوب و اذہان کو تسکین اور روح کو راحت و اطمینان حاصل ہو۔

ارشاد باری ہے:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد: ۲۸)

"خبردار! دلوں کی تسلی صرف اللہ ہی کے ذکر سے ہے۔"

۵۔ اله سے مراد وہ ذات ہے جس کی طرف نہایت ہی پیار اور شیفتگی سے رجوع کیا جائے۔ محاورہ ہے۔ اَلِهَ الْفَصِیْلُ اِلٰی اُمِّهٖ۔ یعنی اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کی طرف لوٹا۔

لسان العرب، ج ۱۷، ص ۳۶۰ پر ہے:

"اِنَّ الْخَلْقَ يُوْلِهُوْنَ اِلَيْهِ فِيْ حَوَائِجِهِمْ وَيَضَّرَّعُوْنَ اِلَيْهِ فِيْمَا يُصِيْبُهُمْ وَيَفْزَعُوْنَ اِلَيْهِ فِيْ كُلِّ مَا يَنُوْبُهُمْ كَمَا يُوْلِهُ كُلُّ طِفْلٍ اِلٰى اُمِّهٖ" (لسان العرب، ج۱۷، ص ۳۶۰)

"اپنی حاجات کے وقت مخلوق اللہ کی طرف شوق اور دل فریفتگی سے رجوع کرتی اور مصائب کے وقت اس کی طرف پناہ لیتی ہے۔ ایسے ہی پناہ لیتی ہے جیسے کہ بچہ اپنی ماں کی طرف پناہ لیتا ہے۔"

تو ظاہر ہوا کہ مخلوق حادثات زمانہ کے وقت اللہ کی طرف پیار سے رجوع کرتی ہے۔ اس لیے اللہ کو اللہ کہا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کے نظر نہ آنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کے حواس خمسہ (کان، ناک، آنکھ، زبان اور ہاتھ) سے پوشیدہ ہونے کی یہ حکمت ہے کہ جب نظر کسی شئی کو محدود کر لیتی ہے اور عقل اس کی حقیقت کو پالیتی ہے تو اس کی عظمت اور ہیبت میں کمی آجاتی ہے جو اس کے دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔ اس عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے اور جلالت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کو پوشیدہ رکھا ہے اور آثار قدرت کو نمایاں کیا ہے۔ کیونکہ اس کی قدرت کے یہ عظیم نشانات دیکھ کر اس کی قدرت اور عظمت دماغ اور دل میں اور بیٹھتی ہے۔

عطا کی عقل جس نے بھلا وہ عقل میں کس طرح آئے
سمجھ بخشی ہے جس نے وہ سمجھ میں کس طرح آئے
یہ کہہ دو فلسفے والے سے سر پتھر سے ٹکرائے
حدیث علت و معلول سے ناحق نہ سر کھائے
یہاں جو آگے بڑھتا ہے وہ منہ کی کھا کے ہٹتا ہے
جگر فہم و خرد کا عالم حیرت میں پھٹتا ہے

(واضح البیان، ص ۷۸)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: لفظ ''اللہ'' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

مخلوق کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جو ساحل معرفت تک رسائی پانے والے ہیں۔

۲۔ جو ساحل معرفت تک رسائی نہ پا سکی اس سے محروم رہی اور حیرت کی تاریکیوں میں ڈوب گئی اور جہالت کے میدان میں سرگرداں رہی۔ ان کی نہ تو عقلیں رہیں نہ ہی روح باقی رہی۔

لیکن جنہوں نے ساحل معرفت تک رسائی پا لی۔ انہوں نے نورانیت کے میدانوں میں اور رب کبریاء کی جلالت کی چٹانوں تک بسیرا کیا۔ مگر یہ پھر بھی اللہ کی صمدیت اور انفرادیت کے وسیع میدانوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ اَنَّ الْخَلَائِقَ كُلَّهُمْ وَالِهُوْنَ فِيْ مَعْرِفَتِهٖ' ساری کی ساری مخلوق اللہ کی معرفت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمندر میں حیرت زدہ ہوکر والہانہ انداز میں غوطہ زن ہے کہ اس کی ذات تک رسائی مل جائے۔ (تفسیر، ج ا، ص ۲۰)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں، اللہ، اس موجود کا نام ہے جو حق ہے اور الٰہ ہونے کی تمام صفات کا جامع ہے اور ربوبیت (رب ہونے) کی تمام صفات سے متصف ہے اور منفرد وجود حقیقی رکھتا ہے، صرف وہی معبود ہے۔

"هٰذَا الْاِسْمُ اَكْبَرِ اَسْمَآئِهٖ سُبْحَانَهٗ وَاَجْمَعِهَا...... اِنَّهٗ اسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ وَلَمْ يُتَسَمَّ بِهٖ غَيْرُهٗ وَلِذَالِكَ لَمْ يُثَنَّ وَلَمْ يُجْمَعْ" (تفسیر قرطبی، ج۱، ص ۱۳۹)

"یہ اسم (اللہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے سب سے بڑا نام ہے اور سب سے زیادہ جامع ہے۔ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔ اللہ کے علاوہ یہ کسی اور کا نام نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے نہ تو اس لفظ کا تثنیہ آتا ہے نہ ہی جمع آتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس بات کی عکاسی کرتا ہے۔

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم : ۶۵)

"کیا تو اس کا ہم نام جانتا ہے۔"

یعنی اس کا ہم نام کوئی نہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

((اِنَّ هٰذَا الْاِسْمَ الْاَعْظَمَ مُوْضُوْعٌ لِلذَّاتِ الْجَامِعَةِ لِسَائِرِ الصِّفَاتِ))

(روح المعانی، ج۱، ص ۷۸)

"یہ (اللہ) وہ اسم اعظم ہے جو تمام صفات کی جامع ذات کے لیے متعین کیا گیا ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

جب ہم اس لفظ (اللہ) کی معنوی دلالت پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ اس غرض کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی تھا۔ چونکہ یہ اسم (اللہ) اللہ کے لیے بطور اسم ذات کے استعمال میں آیا۔ اس لیے قدرتی طور پر ان تمام صفتوں پر حاوی ہوگیا جن کا اللہ کی ذات کے لیے تصور کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم اللہ کا تصور اس کی کسی صفت کے ساتھ کریں۔ مثلاً **الرب** ، یا **الرحیم**، کہیں تو یہ تصور صرف ایک خاص صفت ہی میں محدود ہوگا۔ یعنی ہمارے ذہن میں ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہوجائے گا جس میں ربوبیت اور رحمت ہے۔ لیکن جب ہم "اللہ" کا لفظ بولتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن ایک ایسی ہستی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جو تمام صفات حسن وکمال سے متصف ہے جو اس کی نسبت بیان کیے گئے ہیں اور جو ان میں ہونے چاہییں۔ (ترجمان القرآن، ج ا، ص ۷۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ دونوں اسم صفت ہیں اور یہ ''رحمت'' مصدر سے بنے ہیں اور یہ مبالغہ کے صیغے ہیں کہ بہت زیادہ رحمت والا۔

لغت میں رحمت کا معنی ہے: **اَلرِّقَّةُ وَالتَّعَطُّفُ** (لسان العرب) رحمت کا معنی رقت جھکنا اور مہربانی ہے۔

بچہ دانی کو بھی رحم کہتے ہیں کیونکہ اس کے اندر جو بچہ ہوتا ہے، یہ اس پر لپٹا ہوتا ہے۔

متکلمین کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ رحمت اور غضب جب اللہ کی طرف منسوب ہوں تو ان سے مراد ان کی ابتداء جو ہوتی ہے وہ مراد نہیں بلکہ ان کی (غایت) انتہاء مراد ہوتی ہے۔ (بیضاوی)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک آدمی سوال کرتا ہے اس کی قابل رحم حالت دیکھ کر اس پر احسان کرنے کا جو جذبہ پیدا ہوا ہے۔ اللہ میں رحمت ہونا یہ ہے کہ ابتداء کا خیال نہ رکھا جائے جو اس کی غایت ہے کہ انسان کی حالت دیکھ کر اسے ترس آیا اور اس کے نتیجہ میں اس پر احسان کیا اسے کچھ (دیا) اس کا کام کیا یہ صفت رحمت ہے۔

اور لغت دان یہ رحمت کی تعریف کرتے ہیں:

''وَالرَّحْمَةُ فِيْ بَنِيْ اٰدَمَ عِنْدَ الْعَرَبِ رِقَّةُ الْقَلْبِ وَعِطْفُهٗ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ عِطْفُهٗ وَاِحْسَانُهٗ وَرِزْقُهٗ'' (لسان العرب، ج ۱۵، ص ۱۲۲)

''بنو آدم کی رحمت کا معنی ہے دل میں نرمی اور اللہ کی رحمت کا معنی ہے احسان کرنا۔''

ثابت ہوا بندے کی رحمت کا مطلب ہے رقت قلب اور اللہ میں رحمت کا معنی ہے احسان کرنا۔

اشقر لکھتے ہیں، رحمن اور رحیم دونوں رحمت سے نکالے گئے ہیں۔ رحمٰن ایسا اسم ہے جو غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ (زبدۃ التفسیر، ص ۱)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **الرحمٰن** اور **الرحیم** دونوں رحم سے ہیں۔ عربی میں رحمت، عواطف کی ایسی رقت و نرمی کو کہتے ہیں جس سے دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے۔

(ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۹۸)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بِأَنَّهُ رَحْمٰنٌ رَحِيْمٌ ذُوْا الرَّحْمَةِ الَّتِيْ أُتُّصِفَ بِهَا الْمُتَعَلَّقَةِ بِالْمَرْحُوْمِ فَالنِّعَمُ كُلُّهَا اَثَرٌ مِّنْ اٰثَارِ رَحْمَتِهٖ“ (تیسر، ص ۲۷)

”وہ رحمٰن اور رحیم ہے اس رحمت سے متصف ہے جس کا مرحوم کے ساتھ تعلق ہے۔ ساری کی ساری نعمتیں اس کی رحمت ہی کے آثار ہیں۔“

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رحمٰن ایسا منعم ہے جو وہ نعمت کرتا ہے اس نعمت کا بندے سے جاری ہونا ممکن نہ ہو اور رحیم بھی منعم ہے لیکن یہ وہ منعم ہے جو ایسی نعمت کرے جس کا جاری ہونا بندے سے بھی ممکن ہو۔

(تفسیر، ج ا، ص ۱۷)

علامہ مراغی فرماتے ہیں، الرحمٰن اور الرحیم دونوں رحمت سے مشتق ہیں۔

”...... فَإِذَا وُصِفَ اللّٰهُ جَلَّ ثَنَاءَهٗ بِالرَّحْمٰنِ اُسْتُفِيْدَ مِنْهُ لُغَةً اِنَّهُ الْمُفِيْضُ لِلنِّعَمِ وَلٰكِنْ لَا يُفْهَمُ مِنْهُ اِنَّ الرَّحْمَةَ مِنَ الصِّفَاتِ الْوَاجِبَةِ دَائِمًا“

(المراغی، ج ۱، ص ۲۸)

”جب اللہ عزوجل کا وصف رحمٰن بیان ہوگا اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ نعمتوں کا فیضان کرنے والا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی واجبی اور دائمی صفت ہے۔“

قارئین کرام! ان تمام مفسرین نے جن کی آراء ہم نے اوپر درج کی ہیں۔ رحمت کی تاویل کی ہے۔ کوئی اسے انتہاء قرار دے رہا ہے۔ کوئی رحمت کی نسبت اللہ کی طرف ہو احسان کہتا ہے اور بندے کی جانب ہو تو رقت قلب کہتا ہے اور کوئی صفت رحمت اللہ کے لیے ماننے کو تیار دکھائی نہیں دے رہا۔ یہ تو تفسیر سلف کے نظریہ سے ہٹ کر ہے۔ اس کے برعکس ہم سلف کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

علامہ جزائری ﷾ فرماتے ہیں:

”اَلرَّحْمٰنُ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تعالىٰ مُشْتَقٌّ مِّنَ الرَّحْمَةِ دَالٌّ عَلٰى كَثْرَتِهَا الرَّحِيْمُ اسْمٌ وَّصَفَهُ اللّٰهُ“ (السیر التفاسیر، ص ۱۲)

”رحمٰن اللہ کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم مبارک ہے۔ یہ رحمت سے بنا ہے یہ رحمٰن رحمت کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ الرحیم، اللہ کا وصف ہے۔“

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رحمٰن اور رحیم مبالغہ کے طور پر رحمت سے بنائے گئے ہیں۔ (تفسیر، ج ا، ص ۳۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سید قطب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"وَوَصْفُهُ بِالرَّحْمَانِ الرَّحِيمِ يَسْتَغْرِقُ كُلَّ مَعَانِي الرَّحْمَةِ وَحَالَاتِهَا وَهُوَ الْمُخْتَصُّ وَحْدَهُ بِاجْتِمَاعِ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ" (فی ظلال القرآن، ج۱، ص ۱٤)

"اللہ تعالیٰ نے جو اپنی رحمٰن اور رحیم صفت بیان کی ہے یہ رحمت اور رحمت کے تمام مقاصد کو شامل کیے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں صفات اللہ وحدہٗ کے ساتھ مخصوص ہیں۔"

ڈاکٹر صالح فوزان کمال سلفیت کے انداز میں رقمطراز ہیں:

"(اَلرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ) اِسْمَانِ كَرِيْمَانِ مِنْ اَسْمَآئِهِ الْحُسْنٰى دَالَّانِ عَلَى اتِّصَافِهِ تَعَالٰى بِالرَّحْمَةِ عَلٰى مَا يَلِيْقُ بِجَلَالِهِ" (شرح عقیدہ واسطیہ، ص ٥)

"رحمن اور رحیم دو کریم نام ہیں جو اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ یہ اللہ جل جلالہٗ کی صفت رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ اس کی پر جلالت شان کے لائق ہے۔"

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ان تاویل کرنے والوں پر خوب تنقید کی ہے اور فرمایا ہے ہم کتاب و سنت کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے۔

اور آگے ان مفسرین پر انہوں نے سخت حیرت اور تعجب کا اظہار کیا ہے۔ اتنے زیادہ نامور محقق و مفسر اور چوٹی کے علمائے کرام کیسے غفلت کا شکار ہو گئے کہ قرآن پاک کی تاویل میں لگ گئے اور کثرت سے لگ گئے لیکن ہم قلت و کثرت کو معیار بنا کر کیسے غلط تاویلات کی رو میں بہہ جائیں اور کتاب و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ حدیث اور خصوصاً احمد بن حنبل رحمہ اللہ جو کہ متبع سنت تھے ان کا طریقہ چھوڑ دیں۔

پھر امام اشعری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں جبکہ پہلے یہ خود بھی تاویل کے قائل تھے۔ بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں اور عین سلف صالحین کے نظریہ کے مطابق لکھتے ہیں اور واضح لکھتے ہیں، اللہ کی صفات کے بارے میں جو بھی وارد ہے میں اسے اسی طرح مانتا ہوں اور بغیر کیفیت کے اور بغیر تاویل کے بغیر کسی فضول تاویل کی طرف توجہ کیے ہوئے ان صفات الٰہیہ کو قبول کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی تاویل کے بارے جو ان سے مروی ہے، یا تو وہ ثابت نہیں یا پھر اس تاویل سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔

(روح المعانی، ج۱، ص ۸۲)

ثابت ہوا کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں، درست موقف یہ ہے کہ اللہ رحمٰن اور رحیم ہے اس میں صفت رحمت موجود ہے۔ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ کسی احسان، رقت وغیرہ کے ساتھ تاویل کر کے رحمت کا معنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا سلف کے خلاف ہے۔ اللہ میں صفت رحمت موجود ہے جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

رحمٰن اور رحیم کا فرق:

امین احسن اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رحیم کے مقابل میں رحمان میں زیادہ مبالغہ ہے...... ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے استعمالات کے لحاظ سے **فعلان** کا وزن جوش وخروش اور ہیجان پر دلیل ہوتا ہے اور فعیل کا وزن دوام و استمرار اور پائیداری و استواری پر...... ایک صفت (رحمان) اللہ کی رحمت کے جوش وخروش کو ظاہر کر رہی ہے۔ دوسری اس کے دوام و تسلسل کو۔ (تدبر القرآن، ج۱، ص۶)

علامہ آلوسی مرحوم بھی فرماتے ہیں:

یہ کہنا کہ الرحمٰن اور الرحیم کی بہ نسبت زیادہ بلیغ ہے یہ کوئی مسلمہ بات نہیں اور یہ قاعدہ کہ کسی صیغہ میں ''الفاظ کی کثرت معنی کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔'' یہ قاعدہ کلیہ نہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالباً ایسا ہوتا ہے۔ یہ الرحمٰن اور الرحیم میں پورا نہیں آتا۔ (روح المعانی، ج۱، ص ۸۳)

اگرچہ یہ ایک مذہبی نہیں صرف لغوی اور نحوی بحث ہے چونکہ اس سے بھی ذہن میں ایک الجھن سی ہوتی ہے۔ اسے واضح کرنے کی خواہش ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تو یہی فرماتے ہیں:

((وَرَحْمٰنُ اَشَدُّ مُبَالَغَةً مِّنْ رَّحِيْمٍ)) (تفسیر، ج۱، ص ۳۲)

''اور رحمٰن صفت میں رحیم سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اور جو رحیم کو زیادہ مبالغہ والا قرار دیتے ہیں یہ درست نہیں۔'' (ج۱، ص ۳۳)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ بھی الرحمٰن کو عام رحمت والا قرار دیتے ہیں۔ رحیم کو خاص رحمت والا۔

(احکام القرآن، ج۱، ص ۱۴۲)

علامہ صالح فوزان فرماتے ہیں، رحمٰن ساری مخلوقات کے لیے رحمت عام کرنے والا ہے اور رحیم جو کہ صرف ایمانداروں پر رحمت خاص کرنے والا ہے۔ (عقیدہ واسطیہ، ص ۵)

علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، صفت الرحمٰن ذات باری کے لیے بمنزلہ علم کے مانا گیا ہے اور اس کا اطلاق سوائے ذات برحق کے کسی دیگر میں نہیں ہے۔ لیکن رحیم کا اطلاق انسان کے لیے بھی وارد ہے۔

(واضح البیان، ص ۸۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَلَا يُقَالُ لِغَيْرِ اللّٰهِ رَحْمٰنُ وَيُقَالُ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْعِبَادِ رَحِيْمٌ"

(تفسیر، ج۱، ص ۱۷)

"اللہ کے سوا کسی پر رحمان نہیں بولا جاتا اور اللہ کے سوا بندوں کو رحیم کہا جا سکتا ہے۔"

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رحمٰن اور رحیم دونوں اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ یہ مبالغہ کے لیے رحمت سے مشتق ہیں۔

"وَالرَّحْمٰنُ اَشَدُّ مُبَالَغَةً مِّنَ الرَّحِيْمِ لِاَنَّ الرَّحْمٰنَ هُوَ ذُوْا الرَّحْمَةِ الشَّامِلَةِ لِجَمِيْعِ الْخَلَائِقِ فِي الدُّنْيَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَالرَّحِيْمُ ذُوْا الرَّحْمَةِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلٰى هٰذَا اَكْثَرُ الْعُلَمَآءِ" (اضواء البیان، ج۱، ص ۳۰)

"رحمٰن، رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ رکھتا ہے کیونکہ رحمٰن وہ ہے دنیا میں جس کی رحمت ساری مخلوق کو شامل ہو اور آخرت میں مؤمنوں کو بھی شامل ہو۔ رحیم وہ ہے جس کی رحمت قیامت کے دن مؤمنوں کے لیے ہو۔ اکثر علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے۔"

ثابت یہی ہوا کہ زیادہ تحقیق والی یہی بات ہے کہ رحیم اور رحمٰن میں مبالغہ میں فرق ہے۔ اگرچہ دونوں صفتیں ہی ہیں لیکن رحمٰن میں زیادہ مبالغہ ہے۔ ہمارے اس فرق کی تائید اور رحمٰن و رحیم کی وضاحت کی تصدیق قرآن پاک سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝﴾ (طٰہٰ : ۵)

"رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی صفت رحمٰن کے ساتھ آئی ہے۔ یہ اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق پر اپنی رحمت عام بتانا چاہتے ہیں۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝﴾ (الرحمٰن : ۱۔۲)

"رحمٰن جس نے قرآن سکھایا۔"

اس میں بھی اپنی عام رحمت کا ذکر ہے جو دنیا میں بھی ہے اور قیامت کے دن ایمانداروں کے ساتھ بھی رحمت کرے گا۔

اور ارشاد باری ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴾(الاحزاب : ٤٣)

''اور وہ ایمانداروں کے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔''

اس میں رحیم کی صفت لاکر اللہ کی خاص رحمت کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت ایمانداروں کے ساتھ رحم کرنے والا ہے۔

اس میں رحیم کی صفت لاکر اللہ کی خاص رحمت کا ذکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت ایمانداروں کے ساتھ رحمت کرنے والے ہیں۔ (اضواء البیان، ج ۱، ص ۳۲)

رحمان اور رحیم میں وجہ مشترک:

رحمٰن اور رحیم نکلے ایک ہی مصدر سے ہیں جو کہ رحمت ہے۔ ایک مصدر ہونے کی وجہ سے ان میں اشتراک (حصہ داری) بھی ہے کہ بعض نعمتوں میں جس طرح رحمٰن کی رحمت عام ہے یہ چیز رحیم میں بھی موجود ہے۔ مثلاً کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے عام نعمتوں کا ذکر کر کے صفت رحیم بیان کی ہے۔

ایک مقام پر فرمایا:

﴿فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾(النحل : ٤٧)

''بے شک تمہارا رب شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

ایک اور مقام پر عام نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾(الحج : ٦٥)

''بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

ان میں کافر و مؤمن کے لیے اور چھوٹی بڑی نعمتوں کے عطاء کرنے پر رحیم ہی کا وصف بیان ہوا ہے۔ ثابت ہوا کہ رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہے مگر کبھی اشتراک کی بناء پر رحیم بھی عام رحمت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

الرحمٰن عربی لفظ ہے:

بعض مفسرین رحمٰن کو عربی لفظ تسلیم نہیں کرتے۔ یہ نظریہ غلط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علم نحو کی کتابوں میں یہ بحث عام ہے کہ رحمٰن منصرف ہے یا غیر منصرف ہے۔ رحمٰن کو بعض نحوی شرائط نہ ہونے کی وجہ سے منصرف کہتے ہیں اور بعض اسے غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔ (شرح الرضی علی الکافیہ، ج ۱، ص ۱۵۷)

ظاہر ہے کہ یہ عربی لفظ ہے تو اسے نحوی زیر بحث لائے ہیں اگر یہ عربی لفظ نہ ہوتا تو عرب دانوں کو اسے زیر بحث لانے کی کیا ضرورت تھی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس میں کیا شک رہا کہ ''الرحمٰن'' عربی ہے اور مخصوص اللہ کے ساتھ ہے۔ (برھان التفاسیر،ص ۱۰۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تفسیری نکات:

یہ دونوں صیغے مبالغہ کے ہیں جن میں رحمت خداوندی کی کثرت وسعت اور کمال کا بیان ہے۔ اس صفت کے ذکر کرنے میں شاید اس طرف اشارہ ہے۔ یہ تمام کائنات ومخلوقات کی تربیت و پرورش کی ذمہ داری جو حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے وہ کسی اپنی ضرورت یا دباؤ اور مجبوری سے نہیں بلکہ یہ سب کچھ اس کی صفت رحمت کا تقاضا ہے۔ اگر پوری کائنات نہ ہو تو اس کا کچھ نقصان نہیں۔ (معارف القرآن، ج۱،ص ۸۲)

اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے، رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن اللہ کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد وحساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔

(تفہیم القرآن، ج۱،ص ۴۴)

حاصل مطلب پوری بسم اللہ شریف سے یہ ہوا کہ اللہ کے نام سے شروع جو جامع جلال و جمال اور مستجمع (اکٹھا کرنے والا) جمیع صفات کمال، مقام الوہیت میں متفرد، وجود عالم کی علت حقیقی، نہایت ہی وسیع الرحمت، بقائے عالم کا موجب اصلی، بغیر غرض کے احسان کرنے والا اور اپنے عاجز بندوں پر نہایت ہی شفقت والا ہے۔ (واضح البیان، ص ۸۴)

اصل میں قرآن پاک کا نزول اور پیغمبر ﷺ کی رسالت کا حصول بھی رحمت الٰہی کا شاہکار ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ﴾ (اسراء : ۸۷)

''مگر تیرے رب کی رحمت ہے۔''

یعنی اگر ہم چاہیں تو وحی ختم کر دیں مگر یہ رب کی رحمت ہے اور فضل ہے کہ اس نے وحی کو جاری رکھا ہے۔

قرآن کے متعلق فرمایا:

﴿ تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴾ (یسین : ۵)

''قرآن کو غالب رحم کرنے والے نے اتارا ہے۔''

یہاں بھی قرآن کے نزول کو رحیم کی کارکردگی بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ تورات اور انجیل کو بھی اللہ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رحمت کہا گیا ہے۔ (ھود: ۱۷)

اور داعی اسلام ﷺ کو بھی فیضان رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء : ۱۰۷)

''اے پیغمبر! ہم نے تمھیں نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام جہان کے لیے ہماری رحمت کا ظہور ہو۔''

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، وہ کہتا ہے جو کارخانۂ ہستی کے ہر گوشہ میں افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے کیونکر ممکن تھا کہ انسان کی معنوی ہدایت کے لیے اس کے پاس کوئی فیضان نہ ہوتا اور وہ انسان کو نقصان و ہلاکت کے لیے چھوڑ دیتی۔ اگر تم دس گوشوں میں فیضان رحمت محسوس کر رہے ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ گیارہویں گوشے میں اس سے انکار کر دو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جا بجا نزول وحی، ترسیل کتب اور بعثت انبیاء کو رحمت سے تعبیر کیا ہے۔ (ترجمان القرآن، ص ۱۲۵)

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(الرحمن الرحیم) هٰذِهِ الصِّفَةُ الَّتِیْ تَسْتَغْرِقُ كُلَّ مَعَانِی الرَّحْمَةِ وَحَالَاتِهَا وَمُجَالَاتِهَا تَتَكَوَّرُهُنَا فِیْ صُلْبِ السُّوْرَةِ فِیْ اٰيَةٍ مُّسْتَقِلَّةٍ لِتُؤَكِّدَ السِّمَةَ الْبَارِزَةَ فِیْ تِلْكَ الرُّبُوْبِيَّةِ الشَّامِلَةِ" (فی ظلال القرآن، ج ۱، ص ۱۷)

''یہ وہ صفت رحمت ہے جو رحمت کے تمام مقاصد و حالات اور مجالات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ سورتوں میں تکرار کے ساتھ آتی ہے اور یہ مستقل آیت کی حیثیت سے آتی ہے تاکہ ربوبیت عامہ کی سمت کو نمایاں کرے اور خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ مضبوط کرے اور ایسا رابطہ برقرار رکھے جس سے اطمینان جنم لیتا ہے اور مودت و محبت کی رگ پھڑکتی ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم لکھتے ہیں:

اس نے یہ نہیں کیا ہے کہ اپنی رحمانیت کے جوش میں دنیا پیدا تو کر ڈالی ہو لیکن پیدا کر کے پھر اس کی خبر گیری اور نگہداشت سے غافل ہو گیا ہو۔ بلکہ اس کو پیدا کرنے کے بعد وہ اپنی پوری شان رحیمیت کے ساتھ اس کی پرورش اور نگہداشت بھی فرما رہا ہے ...... پھر اس کی رحمتیں اسی چند روزہ زندگی ہی تک محدود نہیں بلکہ جو لوگ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں گے ان پر اس کی رحمت ایک ایسی ابدی اور لازوال زندگی میں بھی ہو گی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ ساری حقیقت اس وقت تک ظاہر نہیں ہو سکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب تک یہ دونوں لفظ (رحمٰن اور رحیم) مل کر ظاہر نہ کریں۔ (تدبر القرآن، ج۱، ص۷)

ایک سوال:

یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب کا دستور ہے کہ مدح کی صفات میں ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی جانب ترقی کرتے ہیں۔ مگر یہاں اعلیٰ (رحمٰن) پہلے لا کر ادنی کی طرف ترقی کی ہے جو کہ رحیم ہے۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ رحمن اللہ کے غیر پر نہیں بولا جاتا لہٰذا یہ اللہ کے علم (خاص نام) کے مقام پر ہے اور رحیم وصف ہے۔ علم جو ہے یہ وصف پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے رحمن پہلے آیا اور رحیم بعد میں آیا ہے۔

ایک یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ رحمٰن کا لفظ تمام عظیم اور جلیل نعمتوں کو شامل ہے اور رحیم فروعی (چھوٹی) اور دقیق نعمتوں پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اصل کی حیثیت سے رحمٰن کو مقدم کیا گیا ہے اور (فرع) شاخ کی حیثیت سے رحیم کو بعد میں لائے ہیں۔

ایک تکلف:

جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی شان مصطفائی ہے وہ تو پورے قرآن میں بیان ہوئی ہے اور پورا قرآن آپ کے اخلاق حسنہ کا عکاس ہے اور نہایت ہی شاندار انداز میں آپ کی عظمت کو اجاگر کرتا ہے۔ لیکن علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ باء یعنی بسم اللہ کی باء میں ذات محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے اور باء پر کسرہ آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ (روح المعانی، ج۱، ص۵۲)

یہ ایک تکلف ہے ایک تو ہمارے علم کے مطابق علامہ آلوسی اور تبیان القرآن، ج۱ ص۱۵۰ کے علاوہ کسی نے نقل نہیں کیا دوسرا آیۂ مبارکہ بسم اللہ کا سیاق و سباق اس تکلف کا متحمل نہیں۔ جب ہمارے نبی ﷺ کے اوصاف جمیلہ کا آفتاب قرآنی آیات کے روغن سے چمک دمک رہا ہے تو ہمیں تکلف کے ذروں سے روشنی لینے کی کیا ضرورت ہے۔ (گوندلوی)

رحمٰن اور رحیم سزا کیوں دیتا ہے؟

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ رحمٰن اور رحیم دونوں اللہ کے اوصاف ہیں۔

اب ہم بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے روبرو یہ دو وصف اس لیے بیان کرتے ہیں، انہیں پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، رحمت کی ربوبیت ہے، احسان کی ربوبیت ہے، تاکہ یہ اس کی رضا کے اعمال کریں اور اپنے دلوں کو مطمئن رکھیں اور شرح صدر رکھیں۔ اللہ کی ربوبیت قہر و جبر کی ربوبیت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باقی جو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے بندوں کو سزائیں دیتے ہیں اور آخرت میں عذاب دیں گے جو اس کی حدود سے آگے گزرتا ہے اور اس کی حرمتوں کی پامالی کرتا ہے اس کے لیے سزائیں جو تجویز کی ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ سختی ہے، حقیقت میں یہ بندوں کے لیے رحمت ہے۔

وجہ یہ ہے کہ ان سزاؤں میں ان کی تربیت ہے اور ان کے لیے زجر و توبیخ ہے کہ یہ راہ حق سے پھر نہ جائیں اور ان حدود کی یا سزاؤں کی اتباع کریں گے تو انہیں سعادت مندی ملے گی اور شریعت کی نعمتوں سے یہ دامن بھریں گے، اگر یہ ان سے تجاوز کریں گے تو ان کی بدبختی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ تو بے مثال ہیں لیکن سمجھنے کے لیے اس مثال کو مدنظر رکھیں۔ آپ نے دیکھا ہے، ایک نہایت شفقت کا پیکر باپ اپنی اولاد کی تربیت میں ہر مفید کام کرے گا اور ہر احسان کی اس پر برکھا برسائے گا، یہ تب تک کرے گا جب تک اس کا کہا مانا جائے گا اور وہ اولاد سیدھی راہ پر چلتی رہے گی وہ اس سے حسن سلوک کرے گا۔ لیکن اولاد جب راہ راست سے قدم روک لے گی اور گمراہی اور نافرمانی اختیار کرے گی تو اسے اس کے بغیر چارۂ کار نہ ہوگا کہ وہ باپ اولاد کو سزا دے۔ یہی اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔

لہٰذا اس کا مجرم بندوں کو سزا دینا ان پر رحمت ہے قہر و جبر نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک پادری کے چند اعتراضات کے جوابات

ایک افغان نہاد پادری سلطان پال نے اعتراض کیے ہیں۔

ا۔ پادری لکھتا ہے، جب سورۂ فاتحہ کے ساتھ جو ام القرآن (قرآن کی ماں) اور قرآن العظیم کہلاتی ہے۔ ایسی بے اعتنائی کا سلوک جائز رکھنا کہ اس کی جائے نزول لکھنے تک کا کوئی مورخ فکرمند نہ ہو تو بجز اس کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کا تعلق قرآن کے کسی حصہ کے ساتھ نہیں ہے۔ (سلطان التفاسیر، ص ۲)

یعنی پادری نے اس کے اترنے کی جگہ کے اختلاف کو بہانہ بنا کر اسے قرآن کا حصہ ماننے سے انکار کیا ہے۔

(ا) اعتراض کا حل:

اس کا حل شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ یہ پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

شان نزول میں بہت سا حصہ راویان کلام کے فہم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے شان نزول کا اختلاف قرآن کی کسی سورت یا آیت کی ذات میں خلل انداز نہیں ہوسکتا۔ (الفوز الکبیر، ص ۳۱)

اس کے بعد ہم بتاتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کے متعلق جمہور راویان کلام کا یہ قول ہے کہ یہ مکی ہے۔ اسی لیے اس کے سر پر مکیہ لکھا ہوتا ہے۔ (خازن، ج ۱، ص ۱۵۔ فتح البیان، ج ۱، ص ۳۱۔ روح للعانی، ج ۱، ص ۳۴)

راقم نے اسی تفسیر میں اوپر سورۂ فاتحہ کی بجائے نزول کی تفصیل تحریر کی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

کلیجہ تھام کر بیٹھو کہ بس
اب میری باری آئی

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ شان نزول داخل فی القرآن نہیں۔ اس لیے اس میں اختلاف ہونا چنداں مضر نہیں۔ مگر کسی الہامی کتاب میں اتنا اختلاف ہو کہ سب سے اول کس زبان میں لکھی گئی تھی تو اس سے اس کتاب کی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی)

پادری عماد الدین کے الفاظ یہ ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس (متی) نے (یہ انجیل) کس زبان میں لکھی، آیا عبرانی میں یا یونانی میں۔

(دیباچہ تفسیر انجیل متی، ص ۵)

کیا ہم پادری صاحب کے الفاظ دہرا کر ان سے کہہ سکتے ہیں: ''آج جس انجیل کے بے حساب زبانوں میں ترجمے کیے گئے ہیں شروع میں اس سے بے اعتنائی کا سلوک کرنا بتارہا ہے کہ شروع میں اس کی وقعت نہ تھی۔''

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھیے گا ذرہ دیکھ بھال کے

(برہان التفاسیر، ص ۸۰)

اعتراض نمبر ۲:

پادری صاحب لکھتے ہیں، سورہ فاتحہ قرآن میں سے نہیں، اس خیال کی تائید...... ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین نہیں تھیں۔

اعتراض نمبر ۲ کا حل:

اس سے پادری صاحب کی یہ غرض ہے کہ قرآن کا تواتر ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی وضاحت خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے کہ میں نے سورہ فاتحہ کیوں درج نہیں کی، چونکہ لوگوں نے اس کو (سورہ فاتحہ کو) نماز کے لیے حفظ کر رکھا ہے اور بکثرت پڑھتے ہیں اس لیے اسے لکھنے کی حاجت نہیں۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا تواتر باقی قرآن شریف سے زیادہ تھا نہ کہ تواتر سے خارج ہے۔

تواتر میں اتنی کثرت ہو کہ عادتاً آدمی جھوٹ پر جمع نہ ہو سکیں، ان میں تعداد شرط نہیں۔ (شرح نخبۃ الفکر، ص ۸)

سچ تو یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی اگر کوئی صحیح تشریح نہ بھی ہو سکے تو بھی ساری قوم کے اجماع کے مقابلہ میں ان کا تفرد (تنہا موقف اختیار کرنا) تواتر کے مانع اور رکاوٹ نہیں۔ (برہان التفاسیر، ص ۸۲)

اعتراض نمبر ۳:

پادری صاحب علمائے کرام کے اس موقف سے بسم اللہ قرآن کا جزو ہے یا نہیں ہے۔ یہ نتیجہ نکالتے ہیں جو لوگ بسم اللہ کو قرآن کا جزو تسلیم نہیں کرتے وہ ایک سو تیرہ آیتیں قرآن میں سے گھٹاتے ہیں اور جو لوگ بسم اللہ کو قرآن کا جزو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ایک سو تیرہ آیتیں قرآن میں اضافہ کرتے ہیں۔ (سلطان التفاسیر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتراض نمبر ۳ کا حل:

مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں، بسم اللہ کو جو ہر سورت کے شروع میں ہے اس کو کلام الٰہی سب مانتے ہیں، ہاں، جزو سورت ماننے میں اختلاف ہے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ بسم اللہ بوحی خدا قرآن کی ہر سورت کے ساتھ اتری ہے۔ یعنی بسم اللہ سے غرض اور مقصود میں اختلاف ہے نہ کہ ذات اور نزول میں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے قرآن شریف کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ہے۔ اس پر ہر فریق ثواب کا اظہار کرتا ہے لہٰذا یہ نہ تو تین سو تیرہ آیتوں کا اضافہ ہے، نہ کمی ہے، کمی بیشی کی مثال تو یہ ہے:

مسیح (علیہ السلام) فرماتے ہیں، اگر تمہیں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی۔ مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا و روزہ کے نہیں نکالے جاتے۔ (انجیل، باب ۱۷، درس ۲۰۔۲۱)

اس میں بعض الفاظ امریکن مشن کی انجیل میں ہیں مگر برٹش سوسائٹی کی انجیلوں میں نہیں۔

مثال نمبر ۲:

مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ آسمان پر ان کے فرشتے میرے باپ کا منہ جو آسمان پر ہے ہمیشہ دیکھتے ہیں (کیونکہ) ابن آدم آیا ہے کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈ کے بچاوے۔ (متی، باب ۱۸، درس ۱۰۔۱۱)

بعض فقرے امریکن انجیل میں ہیں مگر برٹش میں نہیں۔ یہ کمی بیشی وہ نہیں ہے جو پادری صاحب کہتے ہیں۔ (برہان التفاسیر، ص ۹۳)

اعتراض نمبر ۴:

پادری صاحب نے یہ کام کیا ہے کہ سورہ فاتحہ کو بائبل سے ماخوذ بتایا ہے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الفاتحہ: ۱) یہ کہتے ہیں اسے صحف مطہرہ سے لیا ہے جو یہ ہے: خداوند کی ستائش کرو۔ (زبور: ۱۱۳۔۱)

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ (الفاتحہ: ۲) خداوند مہربان اور رحیم ہے۔ (زبور: ۱۱۱۔۴)

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ (الفاتحہ: ۳) جیسے ان کے اعمال ہیں ویسے ان کو جزا دے گا۔ (یسعیاہ، ۵۹: ۱۸)

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ (الفاتحہ: ٤) تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔ (متی: ۴۔۱۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر ۴، اعتراض کا حل:

یہ موازنہ کر کے پادری صاحب یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ بائبل کے ہوتے ہوئے قرآن شریف کی حاجت نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان میں کوئی جملہ کہیں سے لیا ہے اور کوئی کہیں سے جبکہ سورہ فاتحہ نہایت ہی بلیغ ہے اور اس کے اجزاء متصل ہیں۔

اور ایک حدیث بھی اس نظریہ کی تردید کرتی ہے، حدیث میں آتا ہے سورہ فاتحہ جیسی سورت نہ تورات میں اور نہ ہی انجیل میں اتری ہے۔ (ترمذی: ۲۸۷۵، صحیح)

ایک اور زاویہ سے دیکھیں، جو **ایاك نعبد** میں بیان ہوا ہے۔ مسیحی مذہب بھی یہی ہے۔ قرآن بھی کہتا ہے:

﴿وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ (المائدہ : ۷۲)

''مسیح نے کہا، اے بنو اسرائیل، اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا رب ہے۔''

توحید و عبادت میں دونوں ایک ہیں۔

اور مسیح علیہ السلام کے بعد عیسائی مذہب دنیا میں پھیلا اس میں توحید خالص نہ رہی تھی۔ باپ (خدا) ازلی، بیٹا (مسیح) ازلی اور روح القدس ازلی۔ باپ قادر مطلق۔ بیٹا قادر مطلق اور روح القدس قادر مطلق۔ اس لیے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تثلیث میں توحید کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کرنی چاہیے۔

(عقیدہ اٹھاتا سیں مندرجہ دعاء عمیم ص ۲۴۔۲۵)

قارئین کرام! جس قوم کے عقیدہ میں تثلیث تین خداؤں کی عبادت داخل ایمان ہو وہ **(ایاك نعبد)** کیسے کہہ سکتی ہے۔ (برہان التفاسیر، ص ۱۰۵) اور سورۂ فاتحہ جو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتی ہے۔ اس تثلیث والے مذہب سے کیسے سرقہ (چوری) ہو سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الفاتحہ : ۱)

لغت وصرف:

اَلْحَمْدُ مبتداء، لِلّٰهِ جار مجرور محذوف خبر کے متعلق جو کہ ثَابِتٌ ہو سکتی ہے۔

رَبِّ یہ لفظ اللہ کی صفت یا اس سے بدل ہے۔ الْعٰلَمِيْنَ ۝ مضاف الیہ یہ مجرور ہے اس کے مجرور ہونے کی یہ علامت ہے کہ اس میں یاء آئی ہے جو کسرہ کی نائب ہے۔ یہ جمع مذکر سالم میں لاحق ہوتی ہے۔

الحمد میں الف اور لام جنس کے لیے ہے۔ یعنی جنس حمد کی جو حقیقت ہے وہ صرف اللہ ہی کے لیے ثابت ہے۔ حمد اس ثناء کو کہتے ہیں جو اختیاری خوبی پر کی جائے اور زبان سے اسے ادا کیا جائے اور اس کے مقابل شکر ہے لیکن شکر نعمت پر کیا جاتا ہے اور یہ زبان، اعضاء اور دل سے کیا جاتا ہے۔

اَلرَّبُّ، هُوَ السَّيِّدُ، رب، سید اور مالک کو کہتے ہیں۔ ثابت رہنے والا، معبود اور مصلح کو کہتے ہیں۔ یہ رَبَّ يَرُبُّ (نصر) مضاعف باب سے اسم فاعل ہے۔ دوسرا قول ہے یہ مصدر ہے اس کے ساتھ صفت لائی گئی ہے۔ ایک قول ہے یہ صفت مشبہ ہے جو متعدی فعل سے بنائی گئی ہے۔

مُرَبِّیْ وہ ہوتا ہے جس کی وہ تربیت کرتا ہے اسے چلاتا ہے اور اس کے متعلق تدبیر کرتا ہے۔ اس لیے اسے مربی کہتے ہیں۔

الْعٰلَمِيْنَ ۝ یہ عَالَمٌ کی جمع ہے۔ اس کی جمع مذکر سالم لائی گئی ہے۔ کیونکہ ذوی العقول کو غلبہ دیا گیا ہے۔ اس سے کائنات مراد ہے۔ نحویوں نے اسے جمع مذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ کیونکہ عرب کائنات کی ہر چیز پر اس کا اطلاق نہیں کرتے۔ مثلاً عالم حجر پتھر کا عالم۔ عالم تراب، مٹی کا عالم وغیرہ نہیں بولتے بلکہ عالمین ایسے مقام پر بولتے ہیں جس کے افراد اپنی صفات کے ساتھ ممتاز ہوں اور عقل مند ان کا اقرار کرتے ہوں۔

مثلاً بولتے ہیں، عالم انسان، عالم حیوان، عالم نباتات وغیرہ اگرچہ یہ سارے عالم آپس میں ایک نہیں لیکن اپنے اپنے افراد میں دوسرے سے ممتاز ہیں۔ (اعراب القرآن، ج۱، ص ۲۸)

تشریح:

اَلْحَمْدُ، حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو محمود (جس کی تعریف کی جائے) کی تعظیم کے ارادے سے اس کے کسی ایسے وصف پر کی جائے جو اس کے اختیار میں ہو۔ تعظیم کی قید اس لیے ہے کہ تعریف کے کلمات کبھی بغیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارادہ تعظیم کے عار دلانے کے لیے بھی کہہ دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴾(الدخان : ۴۹)

''چکھ! بے شک تو عزت والا کریم ہے۔''

یہ دوزخی کے عذاب کا ذکر ہے اسے عزیز و کریم کہا گیا ہے۔ یہ تعریف کے لیے نہیں بلکہ عار دلانے کے لیے کہا گیا ہے۔

اور ساتھ یہ قید لگائی گئی ہے کہ اختیاری خوبی پر تعریف کرنا، کیونکہ کبھی اس خوبی پر بھی تعریف کی جاتی ہے جو غیر اختیاری ہے۔ مثلاً کسی کی خوبصورتی کی تعریف کرنا۔ یہ اس کے بس میں نہیں۔ ایسی تعریف کو مدح کہتے ہیں۔

اور حمد کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کسی نعمت کے مقابلے میں کہی جائے بلکہ محمود ذاتی طور پر اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔ چاہے تعریف کرنے والے پر اس کی نعمت کا اثر پڑے یا نہ پڑے اور شکر کے لیے ضروری ہے کہ تعریف کرنے والے تک نعمت کا اثر پڑے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ﴾(النحل : ۱۱۴)

''اللہ کی ہر نعمت کا شکر ادا کرو۔''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف بھی اسی وجہ سے ہے۔

﴿شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ﴾(النحل : ۱۲۱)

''یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔''

غور فرمائیں! ان دونوں آیتوں میں نعمت کے مقابلہ میں شکر کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔

دل کا شکر یہ ہے کہ منعم کی نعمت کو احسان کا اعتراف ہو اور دل میں اس کی قدر و منزلت ہو اور عزت و عظمت ہو اور زبان کا شکر یہ ہے کہ منعم کی تعریف و توصیف اور حمد و ثناء کی جائے اور زبان سے اس کا اظہار کیا جائے اور اس کے نام کا ورد کیا جائے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾(الضحیٰ : ۱۱)

''اے پیغمبر! اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کیا کر۔''

اور اعضاء کا شکر یہ ہے کہ انہیں منعم کی خوشی کے کاموں اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگایا جائے۔ ارشاد باری ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ (الزمر : ٦٦)

''یعنی اللہ ہی کی عبادت کر اور اس کے شکر گزاروں میں داخل ہو جاؤ۔''

اور حمد بھی کبھی نعمت کے مقابلے میں ہوتی ہے اور حمد ادا صرف زبان سے ہوتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بڑھاپے میں اولاد کی نعمت ملتی ہے تو فرماتے ہیں:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ (ابراھیم : ۳۹)

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحٰق عطا کیا۔''

یہاں خلیل الرحمٰن علیہ السلام بچے کی نعمت پر زبان سے اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔

ثابت ہوا شکر نعمت کے مقابلہ میں ہے اور یہ اداء دل، اعضاء اور زبان سے ہوتا ہے اور حمد نعمت کے بغیر ہے اور کبھی نعمت کے مقابلہ میں بھی ہوتی ہے لیکن یہ اداء صرف زبان سے ہوتی ہے۔

اور حمد کی ضد مذمت ہے اور شکر کی ضد کفر ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرہ : ۱۵۲)

''اور میرا شکر کرو کفر نہ کرو۔''

مفسرین کی وضاحت:

علامہ سعدی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) هُوَ الثَّنَاءُ عَلَى اللّٰهِ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ وَبِاَفْعَالِهِ الدَّائِرَةِ بَيْنَ الْفَضْلِ وَالْعَدْلِ فَلَهُ الْحَمْدُ الْكَامِلُ بِجَمِيْعِ الْوُجُوْهِ''

(تیسیر الکریم، ج۱، ص ۲۷)

''الحمد للہ کا مطلب ہے کہ اللہ کے کمال کی صفات پر اور اس کے افعال پر جو فضل وعدل کے درمیان گھومتے ہیں اس کی تعریف کی جائے کیونکہ تمام وجوہ سے حمد کامل اسی کے لیے ہے۔''

ابوبکر الجزائری فرماتے ہیں، حمد، اس محمود (جس کی تعریف کی گئی ہے) کی ثناء کرنا ہے جو فضائل اور مہربانیوں کا مرکز ومنبع ہے۔ (السیر، ص ۱۲)

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حمد ساری کی ساری حقیقت میں اللہ ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ ہر خیر بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ ہی عطا کرنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ﴾ (النحل : ۵۳)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

’’تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ سے ہے۔‘‘

حمد کرنے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ رہنے والا، قادر، مرید (ارادہ کرنے والا) اور عالم ہے کیونکہ حمد وتعریف کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جس میں یہ صفات عالیہ ہوں۔ (تفسیر بیضاوی، ص ۶)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، الحمد للہ! سے مراد خالص اللہ کا شکر کرنا ہے۔ اس سے اللہ کے سوا جس کی بھی بندگی ہوتی ہے وہ سب اس سے خارج ہو جاتے ہیں اور اس نے اپنے بندے پیدا کیے ان پر انعامات کیے اور فرائض کی ادائیگی کے لیے اعضاء دیئے، انہیں کشادہ رزق دیا اور زندگی کی نعمتیں دیں اور بغیر استحقاق کے دیں اور ہمیشہ والی نعمتوں تک رسائی کے اسباب پیدا کیے، یعنی جنت میں داخلہ والے اسباب پیدا کیے۔ اس پر وہ ذات گرامی اول وآخر حمد وتعریف کے لائق ہے۔

الحمد للہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ جب میں تعریفات اپنے لیے خاص کر رہا ہوں تو تم الحمد للہ کہو اور جب بندہ الحمد للہ کہتا ہے تو مطلب ہے کہ اللہ کے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کی میں تعریف کرتا ہوں۔ (تفسیر، ج ۱، ص ۳۴)

صاحب تبیان رقمطراز ہیں، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں کیونکہ ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کے فضل و احسان سے معمور ہے...... یا یہ معنی ہے کہ تمام تعریفوں کا اللہ ہی مالک ہے...... یہ تعریف درحقیقت اللہ کی تعریف ہے۔ اسی ایک جملہ (الحمد للہ) سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص سورج کی، کسی نبی کی، یا کسی دیوی اور دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ ان میں کسی خوبی اور کمال کو دیکھ کر ان کی پرستش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ کمال اور حسن ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کا عطا کردہ ہے۔ اس لیے پرستش کا حقدار صاحب کمال نہیں ہے، خالق کمال ہے۔ (ج ۱، ص ۱۶۱)

علامہ مراغی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

”وَالْخُلَاصَةُ اَنَّ كُلَّ ثَنَاءٍ جَمِيْلٍ فَهُوَ لِلّٰهِ تَعَالٰى اِذْ هُوَ مَصْدَرُ جَمِيْعِ الْكَائِنَاتِ“

’’(الحمد للہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اچھی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا منبع اور سرچشمہ اس کی ذات گرامی ہے۔‘‘

وہی اس جہاں کو چلا رہا ہے وہی ابتداء سے انتہاء تک اس کی تربیت کرتا ہے اور وہی جس میں جہاں کی صلاح وفلاح ہے اس کا خیال ڈالتا ہے اور وہی شکر وحمد کے لائق ہے کیونکہ انعامات کا جال اسی نے پھیلا رکھا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ (تفسیر مراغی، ج۱، ص ۳۰)

سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ الحمد للہ نے یہ شعور دیا ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ کا ذکر جو ہے یہ ایک مؤمن کے دل پر فیضان کرتا ہے کہ میرا وجود ابتداء سے انتہاء تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے فیوض و برکات کا مرہون منت ہے اور ہر نعمت الٰہیہ مجھ سے حمد و ثنا کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ اور قدم قدم پر اللہ کے انعامات کا سلسلہ جاری ہے اور اتنی کثرت سے ہے کہ اس کی نعمتوں نے ساری مخلوقات کو ڈھانپ رکھا ہے، خصوصاً انسان تو نعمتوں سے لدھا ہوا ہے۔

اسی وجہ سے اسلام نے یہ قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے کہ ہر انسان ابتداء میں بھی اللہ کا شکر وحمد کرے اور انتہاء میں بھی الحمد للہ کہے وہ فرماتا ہے:

﴿ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ﴾ (القصص : ۷۰)

''پہلے بھی تعریف اسی کی اور آخر میں بھی تعریف اسی کی ہے۔'' (فی ظلال القرآن، ج۱، ص ۱۴)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب کا افتتاح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا ہے۔ یہ بھی ایک حمد ہی کی قسم ہے۔ اس کے مناسبت کے طور پر بعد میں الحمد للہ لائے ہیں۔

"بِالْحَمْدِ الْكُلِّيِّ الْجَامِعِ لِجَمِيْعِ اَفْرَادِهِ الْبَالِغِ اَقْصٰى دَرَجَاتِ الْكَمَالِ"

(روح المعانی، ج۱، ص ۹۱)

''اور ایسی حمد کی ہے جو کلی ہے اور نہایت ہی جامع ہے اور تعریف کی ہر شق پر مشتمل ہے اور ایسی حمد ہے جو کمال کے اعلیٰ درجات تک پہنچی ہوئی ہے۔''

یہ ہر چیز کے آغاز میں بھی ہے اور دعاؤں کے خاتمہ پر بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (یونس : ۱۰)

''اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔''

شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

كَاَنَّ الْحُبَّ دَائِرَةٌ بِقَلْبِيْ
فَاَوَّلُهٗ وَآخِرُهٗ سَوَاءٌ

''اس کی محبت میرے دل کے گرد گردش کرتی ہے لہٰذا اس کا اول اور آخر برابر ہے۔''

یہی صورت یہاں ہے کہ حمد جتنی بھی اللہ کے لیے اول میں ضروری ہے، اتنی ہی آخر میں ہے۔ دونوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانب سے برابر ہے۔

علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں، گویا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ حمد کا مستحق صرف میں ہی ہوں اور تم بھی کہو تعریفات صرف اللہ کے لیے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تعلیم دی ہے کہ یہ اللہ کی تعریف کیسے کریں۔

(تفسیر خازن، ج۱، ص۱۶)

مفسر مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، حمد کا تعلق قابل تعریف کارناموں سے ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان، شمس وقمر اور ستاروں کی حرکت، غرض تمام کائنات کا اس قدر مربوط اور منظم نظام بنا دیا ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اس پر اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ (تیسیر القرآن، ج۱، ص۳۵)

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، الحمد للہ میں یہاں (سورہ فاتحہ میں) نہ تو کسی مکان کا ذکر ہے نہ ہی کسی زبان کا ذکر ہے۔ جبکہ سورہ روم میں مکان کا ذکر ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الروم: ۱۸)

''آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کے لیے تعریف ہے۔''

زمین اور آسمان مکان (جگہ) ہیں ان کے ساتھ تعریف کو خاص کیا ہے۔

اوپر ہم نے سورہ قصص آیت (۷۰) کے حوالہ سے بیان کیا ہے وہاں دنیا و آخرت کا ذکر ہے۔ یہ زمان ہے اور سورت سباء آیت (۱) میں ہے۔ اس میں صرف آخرت کا تعین ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ﴾ (سباء: ۱)

''اور آخرت میں حمد صرف اسی کے لیے ہے۔''

''وَالْأَلِفُ وَاللَّامُ فِي الْحَمْدِ لِاسْتِغْرَاقِ جَمِيْعِ الْمَحَامِدِ''

(اضوء البیان، ج۱، ص ۳۱)

''الحمد میں الف لام تمام تعریفات کو شامل ہے یہ ایسی ثناء ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی تعریف کی ہے اور ضمناً اپنے بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس کی ثناء کریں۔''

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب ساری کائنات میں لائق حمد درحقیقت ایک ہی ذات ہے تو عبادت کی مستحق بھی وہی ذات ہوسکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ اگرچہ حمد و ثناء کے لیے لایا گیا ہے لیکن اس ضمن میں ایک معجزانہ انداز سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخلوق پرستی کی بنیاد ختم کر دی گئی ہے اور دل نشین طریق پر توحید کی تعلیم دی گئی ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۸۰)

سید مودودی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، سورۂ فاتحہ اصل میں تو ایک دعاء ہے لیکن دعاء کی ابتداء اس ہستی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے ہم دعاء مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ دعاء جب مانگو تو مہذب طریقہ سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا۔ تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعاء کر رہے ہیں پہلے اس کی خوبی کا اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا اعتراف کرو۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۳)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، الحمد للہ کا اعتراف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ کائنات ہستی کا تمام فیضان و جمال خواہ کسی اور کسی شکل میں ہو، صرف ایک صانع حقیقی کی صفتوں ہی کا ظہور ہے اس لیے حسن و جمال کے لیے جتنی بھی شیفتگی ہوگی خوبی و کمال کے لیے جتنی بھی مدحت طرازی ہوگی بخشش و فیضان کا جتنا بھی اعتراف ہوگا، مصنوع و مخلوق کے لیے نہیں ہوگا، صانع و خالق کے لیے ہوگا۔ (ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۶۸)

اللہ ہی حمد کے لائق ہے، کی چند وجوہ

۱۔ ہر شی کا خالق و مالک ہونے کی وجہ سے حمد کے لائق ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (الجاثیہ : ۳۶)

’’پس حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو کہ آسمانوں کا رب ہے اور زمین کا رب ہے اور جو جہانوں کا رب ہے۔‘‘

یہاں رب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو حمد کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔

۲۔ نقائص سے پاک ہونے کی وجہ سے حمد کے لائق کہا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۝ ﴾ (الاسراء : ۱۱۱)

’’کہہ دو تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے اولاد نہیں پکڑی اور نہ ہی کوئی ملک میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی کوئی جسے یہ ذلیل کرے، ذلت سے بچانے والا ہے اور اس کی بہت زیادہ بڑھائی بیان کر۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ان دونوں آیات میں حمد الٰہی کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ کمال کی تمام صفات رکھتے ہیں وہی تعریف کے لائق ہیں۔

نعمت اور حمد

حمد کا تعلق نعمت سے بھی ہے اس لیے چند ان مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کے مقابلہ میں حمد کی گئی ہے۔

۱۔ اولاد نعمت ہے، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں نرینہ اولاد دی تو کہا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴾ (ابراهیم : ۳۹)

”تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کیے، بے شک میرا رب دعاء سننے والا ہے۔“

۲۔ علم اور حکمت نعمتیں ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام اس نعمت پر اللہ کی تعریف کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (النمل : ۱۵)

”ان دونوں نے کہا: تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں اپنے بہت سارے ایماندار بندوں پر برتری دی ہے۔“

۳۔ طوفان اور مصیبت سے نجات پانا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس پر حضرت نوح علیہ السلام یوں اللہ کی مدح سرائی کرتے ہیں۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (المؤمنون : ۲۸)

”تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دلائی۔“

۴۔ جنت ایک عظیم نعمت ہے وہ اس پر لطف نعمت کے جواب میں کہیں گے:

﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (یونس : ۱۰)

”ملاقات کے بعد ان کی آخری بات یہ ہوگی کہ تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جو کہ جہانوں کا رب ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۵۔ دنیا میں قرآن پاک ایک نہایت ہی پر برکت نعمت ہے اس کے نازل ہونے پر اللہ خود پر ثناء خواں ہیں، فرمایا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۟ؔ ﴾ (الکھف : ۱)

''تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس کے لیے ٹیڑھا پن نہیں کیا۔''

۶۔ اللہ تعالیٰ کی حجت کا غلبہ ہونا اور منکروں کا لاجواب اور مغلوب ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے اس پر بھی اللہ کی تعریف کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے۔

ان سے پوچھو، آسمان سے پانی کس نے اتارا اور اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کیا تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے ہی اتارا ہے۔ آگے حکم ہے۔

﴿ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۟ ﴾ (العنکبوت : ۶۳)

''کہہ دو تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔''

ان کے مغلوب ہونے پر اللہ کی تعریف کا حکم ہے۔

۷۔ دنیا سے منکروں کا ہلاک کرنا اور برے لوگوں سے پاک کرنا بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اس پر اللہ کی تعریف کی جائے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ ﴾ (الانعام : ۴۵)

''ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی اور اس پر تمام تعریفات اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔''

مولانا میر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، اولاد کا بخشنا، علم عطاء کرنا، مصائب ٹالنا، آفتوں سے بچانا، دشمنوں سے محفوظ رکھنا، جنت عطاء کرنا اور جملہ غم دور کرنا اور قرآن اتارنا، اور مخالفین پر حجت قائم کرنا اور ظالموں سے جہان کو پاک کرنا یہ سب کام اسی ذات برحق کے متعلق ہیں اور انہیں کے متعلق اکثر لوگ شرک کرتے ہیں تو اب الحمد للہ کی حقیقت سمجھ لینے اور اس کے محل و مورد کو پہچان لینے کے بعد شرک و کفر کے وہم کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (واضح البیان، ص ۱۱۸)

حالی نے بہت خوب کہا ہے:

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

نہایت اہم سوال:

یہ ہوسکتا ہے کہ اگر تمام تعریفات کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق ہیں تو پھر ہم دوسری مخلوق کی تعریف کیوں کرتے ہیں۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ جس انسان یا جس بھی چیز کی ہم تعریف کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی مانند نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسانی خوبی یا کسی بھی چیز کی خوبی اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور ہر چیز کا وہ مالک ہے اس چیز کی تعریف کرنا دراصل اس خالق و مالک ہی کی تعریف ہے۔

نمبر ۲، اہم وضاحت:

اپنی تعریف کرنے سے روکا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴾ (النجم : ۳۲)

''اپنی جانوں کو پاک قرار نہ دو وہ پرہیزگار کون ہے اس کو جانتا ہے۔''

لیکن کوئی اہم ضرورت پیش آجائے تو خودستائی کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ سید عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے سامنے اپنے لیے تعریفی کلمات کہے تھے۔ وجہ یہ تھی شاید باغی یہ سن کر بغاوت ترک کر دیں۔

(ترمذی، ج ۲، ص ۵۳۱، حسن صحیح)

بتایا تھا کہ مسجد نبوی کی میں نے توسیع کرائی۔ آب شیریں کا کنواں خریدا اور وقف کر دیا اور غزوۂ تبوک میں لشکر کی تیاری کرائی۔

یہی صورت کسی دوسرے کی تعریف کرنے کی ہے کہ اسے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے جو دوسرے کی اس کے سامنے تعریف کرتا ہے وہ اس کی گردن کاٹتا ہے۔ (مسلم، ج ۲، ص ۴۱۴)

لیکن ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خود سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی کہ یہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں۔ (بخاری، ج ۱، ص ۵۱۶)

اس کے علاوہ بھی کئی واقعات ہیں۔

ان میں مطابقت یہ ہے کہ اگر کسی میں وہ اوصاف نہیں پھر اس میں بیان کرنا یا مبالغہ سے بیان کرنا یا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو ان حالات میں منہ پر تعریف کرنا درست نہیں اور اگر مبالغہ نہ ہو نہ ہی گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو اور دوسروں میں اس تعریف سے نیکی میں رغبت ہو تو پھر منہ پر تعریف کرنا جائز ہے اور جس کی تعریف کی جائے وہ ظالم اور فاسق نہ ہو۔

اہم نکتہ:

ہم تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے، ان کی حمد و ثناء اور شکر گزاری کیسے کر سکیں گے۔ انسان کے لیے شکر کی یہی ادائیگی کافی ہے کہ یہ اقرار کرے کہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں اور بے بس ہوں۔

ساری دنیا سے بڑھ کر سید کائنات، فخر موجودات اور اللہ کی نعمتوں کے عارف اور حمد و ثناء گنگنانے والے میرے مولا و آقا حضرت محمد ﷺ تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، الٰہی بارگاہ میں تہجد کے سناٹوں میں، آفتاب جیسی پیشانی سر بسجود کیے ہوئے آبدیدہ ہو کر عرض گزار ہیں۔

((لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ)) (مسلم، ج۱، ص ۱۹۲)

''میں بھی رب قدوس تیری اس طرح ثناء نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی ثناء کی ہے۔''

اپنے بندوں کی اسی بے بسی کو دیکھ کر ہی تو رب الارباب نے خود اپنی تعریف کی ہے۔

اعراب کے متعلق اہم بات:

اس بات پر ساتوں قرائے کرام جمہور لوگوں کا اتفاق ہے کہ **اَلْحَمْدُ** کی دل پر ضمہ (پیش) ہے۔

سفیان بن عیینہ اور رؤبہ بن عجاج رحمہ اللہ کے نزدیک **اَلْحَمْدَ لِلّٰہِ**، دال پر زیر ہے اسے محذوف فعل کا مفعول قرار دے کر یہ دال پر زبر پڑھتے ہیں۔

جو دال پر پیش پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک معنی ہوگا کہ میں اور ساری مخلوق اس بات کی اطلاع دیتے ہیں کہ تمام تعریفات اللہ ہی کے لیے ہیں اور جب دال کو زبر دیں تو معنی ہوگا کہ میں اکیلا بتا رہا ہوں کہ تعریف صرف اللہ کے لیے ہے۔

اور امام ابراہیم بن عیینہ رحمہ اللہ شامی اسے **اَلْحَمْدُ لُلّٰہِ** دال اور لام دونوں پر پیش پڑھتے ہیں اور حسن بن ابی حسن اور زید بن علی **اَلْحَمْدِ لِلّٰہِ**، دال اور لام دونوں پر زیر پڑھتے ہیں۔ (قرطبی، ج۱، ص۱۸۱)

یہ قراءتوں پر ہم نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ بھی جائز ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**، پڑھا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کے فضائل احادیث کی روشنی میں

۱۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے نے سچ کہا ہے۔
اَلْحَمْدُ لِیْ کہ تمام تعریفات میرے ہی لیے ہیں۔

(حسن، ترمذی: ۳۴۳۰۔ نسائی فی الیوم واللیلۃ: ۳۰۰۔ ابن ماجہ: ۳۷۹۴۔ ابن حبان: ۸۵۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بندہ جب ایک لقمہ بھی کھانا کھائے یا ایک گھونٹ بھی پانی نوش کرے تو اس کی تعریف کرے تو اس بندے سے اللہ بہت خوش ہوتے ہیں۔
حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں، الحمد للہ، ہر نعمت سے افضل ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۴۔ ترمذی: ۱۸۱۷۔ احمد، ج ۱، ص ۱۱۷)

۳۔ سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ)) (مسلم : ۲۲۳۔ احمد، ج۵، ص ۳۴۲۔ دارمی، ج۱، ص ۱۶۷۔ بیهقی، ج۱، ص ۱۰)
''پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ الحمد للہ سے میزان بھر جاتی ہے اور سبحان اللہ اور الحمد (دونوں) سے آسمان اور زمین کے درمیان خلا نیکیوں سے بھر جاتا ہے۔''

ایک مسئلہ کی وضاحت

اس بارے میں علمائے کرام میں اختلاف ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کہنا زیادہ افضل ہے یا لا الہ الا اللہ کہنا افضل ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے۔ الحمد للہ کہنا افضل ہے۔ کیونکہ توحید اس میں ضمناً آجاتی ہے اور لا الہ الا اللہ میں صرف توحید آتی ہے اور ایک گروہ کہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ افضل ہے کیونکہ یہ کفر و شرک سے دور رکھتا ہے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک فرمان نے فیصلہ کر دیا ہے کہ لا الہ الا اللہ افضل ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، سب سے افضل میں نے اور انبیاء نے جو بات کی ہے وہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ (ترمذی: ۳۵۸۵۔ حسن ہے)

(رَبِّ) اگر یہ بغیر اضافت (نسبت) مذکور ہو تو صرف ذات باری تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵﴾ (سباء: ۱۵)

''اور بخشنے والا رب ہے۔''

ارشاد باری ہے:

﴿سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝۵۸﴾ (یٰسن: ۵۸)

''اور سلام ہے رب رحیم کی طرف سے۔''

یہاں رب تعالیٰ مراد ہے۔

اور اگر نسبت سے آئے تو پھر قرینہ دیکھیں گے اگر رب تعالیٰ کے لیے قرینہ ہو تو وہ مراد ہوں گے اور اگر کسی دوسرے مربی کا قرینہ ہوگا تو وہ مراد ہوگا۔ جیسا کہ رب العالمین میں اللہ کے لیے قرینہ ہے اور جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ (یوسف: ۵۰)

''تو اپنے آقا کی جانب لوٹ جا۔''

یہ عزیز مصر کو کہا گیا ہے۔ قرینہ موجود ہے۔

اہم نکتہ:

رب العالمین کہہ کر حمد و ثنا کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ یہ اسم اللہ کے بعد تخصیص کی دوسری دلیل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تربیت کرنا خاصۂ خداوندی ہے اگر کوئی دوسرا مربی ہے یا منعم ہے تو وہ جزوی یا انفرادی ہے جیسا کہ اولاد کے حق میں ماں، باپ یا غلاموں اور خدمت گاروں اور ملازموں کے حق میں آقا ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ یہ خدمتگار وغیرہ پرورش کے اسباب ہیں۔ اصل میں یہ بھی اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ حقیقی مربی اللہ تعالیٰ ہی ہے یہ سب مجازی مربی ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نمبر ۲، اہم نکتہ:

اوپر بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کمال کی صفات کا جامع ہے اور اس کے بعد وہ رب العالمین ہے۔ یعنی وہ فیاض اور منعم ہے تو الحمد للہ رب العالمین سے اللہ کی حمد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

نمبر ۳، اہم نکتہ:

یہاں الحمد للہ رب العالمین کہا ہے۔ رب الناس نہیں کہا۔ یہ قرآن پاک بندوں کی ہدایت و تعلیم کے لیے ہے اور انہیں سمجھانے کے لیے بندوں کا رب کہنا ہی کافی تھا۔ ایسا نہیں کہا گیا بلکہ عالمین کا رب کہا ہے۔ اسے انسانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ جب تک سارے عالم کی تربیت و انتظام درست نہ ہو نوع انسانی کی تربیت اور اس کی بقا و زندگی اور آسائش و آرام کی صورت ممکن نہیں لہٰذا مضمون کی بلندی کا یہی تقاضا تھا کہ رب الناس کی بجائے یہاں رب العالمین کہا جائے۔ جبکہ دیگر مقامات پر زمین و آسمان، عرش، لوگوں وغیرہ کا رب بھی کہا گیا ہے۔

۴، اہم بات:

اسم رب قرآن میں میں تقریباً (۹۲۵) بار آیا ہے اور رب العالمین (۴۰) بار ہے اور پورا جملہ الحمد للہ رب العالمین (۶) مرتبہ آیا ہے۔

رب کا اسم اتنی کثرت سے آنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کا دارومدار ہی دو چیزوں پر ہے۔ ایک اس کا خالق ہونا، اور دوسرا اس کا رب ہونا۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ﴾(البقرہ : ۲۱)

”اے لوگو! عبادت کرو اپنے اس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا۔“

ارشاد باری ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ذکر کیا۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ﴾(آل عمران : ۵۱)

”بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو۔“

پہلی آیت میں خالق ہونے کی وجہ سے رب تعالیٰ لائق عبادت ہے اور دوسری میں الٰہ ہونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ رب ہے۔

کئی مقامات پر خود نبی اکرم ﷺ کو تسبیح رب کے ساتھ حمد کا حکم ہوا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾(النصر : ۳)
''اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔''
(مؤمن، طہٰ، ق اور طور میں بھی ہے۔)

۲۔ تین جگہ فرشتوں کا ذکر ہوا ہے کہ یہ رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پکارتے ہیں۔ ان میں سے ایک جگہ یہ ہے:
﴿يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾(مؤمن : ۷)
''یہ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پکارتے ہیں۔''

۳۔ تہجد گزاروں کے متعلق فرمایا:
﴿وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾(السجدہ : ۱۵)
''یہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں۔''

ذیل میں چند ان آیات کی نشاندہی کی جاتی ہے جن میں اسم رب آیا ہے۔

۱۔ سورۃ المؤمنون، آیت (۱۱۵ تا ۱۱۸) پارہ (۱۸)
۲۔ سورۃ فجر آیت (۱۳۔ ۱۴) پارہ (۳۰)
۳۔ سورۃ الحاقہ، آیت (۱۰) پارہ (۲۹)
۴۔ سورۃ الطلاق، آیت (۸) پارہ (۲۹)
۵۔ سورۃ علق، آیت (۸) پارہ (۳۰)
۶۔ سورۃ انشقاق، آیت (۶) پارہ (۳۰)
۷۔ سورۃ انفطار، آیت (۶۔۷) پارہ (۳۰)
۸۔ سورۃ القیامہ، آیت (۳۰) پارہ (۲۹)
۹۔ سورۃ البقرہ، آیت (۴۶) پارہ (۱)
۱۰۔ سورۃ الرعد، آیت (۲۱) پارہ (۱۳)
۳۔ سورۃ المؤمنون، آیت (۵۷ تا ۶۰) پارہ (۱۸)
۱۱۔ سورۃ الدھر، آیت (۱۰) پارہ (۲۹)
۱۲۔ سورۃ الم السجدہ، آیت (۲۵) پارہ (۲۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معرفت علمی:

اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کا ذکر تو ہو رہا ہے۔ نبی ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

اور قرآن پاک کی بابت فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (التکویر: ۲۶)

''نہیں ہے یہ (قرآن) مگر جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔''

اور قبلہ کے لیے یہ لقب منتخب کیا۔

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (آل عمران: ۹۶)

''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے مبارک ہے اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔''

حالی مرحوم نے کہا ہے:

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل سے مشیت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے ابلے کا چشمہ ہدیٰ کا

پتہ چلتا ہے یہ نسبتیں رب کائنات نے نہایت ہی موزوں انداز میں رکھی ہیں۔ ہمارا رب رب العالمین اور ہمارے پیغمبر ﷺ رحمۃ اللعالمین اور ہماری کتاب ذکر للعالمین اور ہمارا قبلہ ہدی للعالمین، یہ عالمگیر نسبتیں اس قدرت کاملہ کی کرم فرمائیاں ہیں کسی دوسرے کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

ابو منصور کہتے ہیں، لغت میں (رب) مالک سید، مدبر اور مہتمم کو کہتے ہیں۔ جب اس پر الف لام (الرب) آئے تو پھر یہ اللہ عزوجل کے غیر پر نہیں بولا جاتا۔

رب کی جمع اَرْبَاب اور رُبُوْب ہے۔ راسخ، عالم اور عالم باعمل اور بہت بڑے عالم کو ربانی کہتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جب فوت ہوئے تو حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ آج اس امت کے ربانی فوت ہو گئے ہیں۔ (تاج العروس، ج ۱، ص ۲۶۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفسرین کرام کی آراء

۱۔ مراغی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رب، جو تربیت کرے اور معاملات کی تدبیر کرے۔ اسے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو لوگوں کی تربیت کرتے ہیں یہ دو قسم کی ہے۔ (۱) **خلقی**، یعنی پیدائشی تربیت کہ مخلوق کے جسموں کی رب تعالیٰ نشوونما کرتے ہیں۔ (۲) نفسیاتی اور عقلی تہذیبی اور دینی تربیت کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی ایک بندے پر وحی کرتے ہیں وہ پھر اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے جس سے ان کی عقلوں کی تکمیل ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ رب وہ ہے صرف اسے ہی اختیار ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا مجاز ہے۔ اس کے غیر کو قطعاً یہ اختیار نہیں۔ (تفسیر، ج۱، ص ۳۰)

۲۔ سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''رب العالمین'' ایک اہم اسلامی تصور پیش کرتا ہے کہ مطلق ربوبیت جو کہ سب کو شامل ہے۔ یہ عقیدۂ اسلامی کا اہم ترین قاعدہ کلیہ ہے کہ اللہ ہی ساری مخلوق کی تربیت و اصلاح کرتا ہے (اس نے جیسا کہ ارسطو کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کر کے اسے یونہی چھوڑ دیا ہے اب اسے اس کی کوئی فکر نہیں وہ صرف اپنی فکر ذاتی میں مصروف ہے۔ وہ اس سے برتر ہے کہ اپنے سے کم تر چیز کی فکر کرے) مخلوق کو بے کار نہیں چھوڑا بلکہ وہ اس کی اصلاح و تربیت کرتا ہے اور پوری نگہبانی کرتا ہے اور خالق کا مخلوق کے ساتھ با قاعدہ رابطہ ہے جو ہر حال میں اور ہر گھڑی قائم ہے۔

فرماتے ہیں:

''فَاطْلَاقُ الرَّبُوْبِيَّةِ فِيْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ وَشَمُوْلُ هٰذِهِ الرَّبُوْبِيَّةِ لِلْعٰلَمِيْنَ جَمِيْعًا هِيَ مَفْرَقُ الطَّرِيْقِ بَيْنَ النِّظَامِ وَالْفُوْضِيِّ فِي الْعَقِيْدَةِ لِتَتَّجِهَ الْعَوَالِمُ كُلُّهَا اِلٰى رَبٍّ وَّاحِدٍ، تُقِرُّلَهٗ بِالسَّيَادَةِ الْمُطْلَقَةِ وَتَنْفِضُ عَنْ كَاهِلِهَا رَحْمَةَ الْاَرْبَابِ وَعَنَّتِ الْحَيْرَةُ كَذَالِكَ بَيْنَ شَتَّى الْاَرْبَابِ''

(في ظلال القرآن، ج۱، ص ۱۵)

''اس سورت فاتحہ میں مطلق اور عام ربوبیت کا ذکر کرنا عقیدہ کے منظم ہونے اور آوارگی کا شکار ہونے کے درمیان حد فاصل ہے اس کی وجہ سے ساری مخلوقات ایک ہی رب کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے۔ اسی کی سیادت مطلقہ کا اقرار کرتی ہے اور دوسرے ارباب کا بوجھ کندھوں سے ہٹا دیتی ہے ور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مختلف ربوں کے درمیان کھو کر جو حیرت ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے۔"

مزید فرماتے ہیں، جب اسلام جزیرۂ عرب میں اپنی شعائیں ڈال رہا تھا۔ اس وقت بہت سارے عقائد تھے، تصورات تھے، فلسفی نظریات اور اوہام زدہ افکار کی بھرمار تھی جن میں حق و باطل کی آمیزش تھی، ضمیر انسانی خرافات کو دین تصور کرتا تھا اور وہم وگمان کی تاریکیوں میں سرگرداں تھا، یقین سے عاری تھا۔

ان حالات میں عقیدۂ رب العالمین نے تمام جاہلی عقائد وتصورات اور فلسفیانہ تحریفات کا قلع قمع کیا اس لحاظ سے یہ عقیدۂ اسلامی رحمت ثابت ہوتا ہے جو کہ قلب وعقل کے لیے خصوصی رحمت ہے۔ جو اپنی جمال آرائی سے بالکل فطرت سے ہم آہنگ ہے۔

۳۔ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

قرآن مجید کے مخاطب اول ...... تنہا اللہ ہی کو مانتے تھے لیکن رب انہوں نے اور بھی بنا رکھے تھے۔ جن کی یہ نسبت ان کا گمان تھا کہ خدا نے کائنات کے انتظام میں ان کو اپنا شریک بنا رکھا ہے۔ اس وجہ سے یہ عبادت و اطاعت کے حق دار ہیں۔

یہاں اللہ کے (اسم گرامی) کے بعد اس کی پہلی ہی صفت رب العالمین بیان ہوئی ہے جس سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ جو اللہ کائنات کا خالق ہے وہی اس کا مالک بھی ہے کیونکہ وہی سب کی پرورش کرنے والا ہے۔ (تدبر القرآن، ج۱،ص ۱۳)

علامہ ابوبکر الجزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رب سید، مالک و مصلح اور معبود برحق کو کہتے ہیں۔ یہ شعر بھی رب کے معنی معبود ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

أَرَبٌّ يَبُوْلُ الثُّعْلُبَانُ بِرَاْسِهِ
لَقَدْ هَانَ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

(ایسر التفاسیر، ص ۱۳)

"کیا وہ بھی رب ہو سکتا ہے جس کے سرہانے لومڑ پیشاب کرتے ہیں۔ یہ تو بڑا ذلیل ہے جس پر لومڑ پیشاب کر جائیں۔"

یہاں رب معبود کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔

۴۔ علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ رب وہ ہے جو ساری کائنات کا مربی ہے اور انہیں انعامات سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دو طرح کی تربیت کرتا ہے۔ (۱) تربیت عامہ (۲) تربیت خاصہ۔ تربیت عامہ یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخلوق کو اس نے پیدا کیا انہیں رزق و ہدایت دیتا ہے کیونکہ اس میں ان کی بقا اور مصلحت ہے۔

اور تربیت خاصہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت کرتا ہے اور ان سے حادثات دور کرتا ہے اور اللہ اور ان کے درمیان جو رکاوٹیں آتی ہیں ان کا دفاع کرتا ہے اور ہر خیر کی توفیق دیتا ہے اور ہر شر سے انہیں بچاتا ہے۔ یہی راز ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی دعاء کا آغاز لفظ رب سے ہوتا ہے۔

جملہ رب العالمین بتا رہا ہے وہ خلق و تدبیر میں تنہا ہے اور نعمتوں میں اکیلا ہی کارساز ہے۔ وہ رب کمال غنیٰ والا ہے اور ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ (تیسر القرآن، ص ۲۷)

۵۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، رب کے لفظ میں مہربانی اور رحمت اور ہر حال میں بندے کا اپنے رب کے سامنے احتیاج اور فقر و فاقہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر دعاء گو دعاء کا آغاز اسی وصف سے کرتے ہیں۔

اس کا معنی مدبر اور مربی ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ (النساء : ۲۳)

''اور وہ ربیبہ جو تمہاری پرورش میں ہے۔''

ربیبہ بیوی کی بیٹی ہے جو وہ پچھلے خاوند سے پیدا کر کے لائی ہو۔ کیونکہ یہ خاوند اس لڑکی کی پرورش کرتا ہے۔ اس وجہ سے اسے ربیبہ کہا جاتا ہے۔ حدیث میں بھی یہ مالک کے معنی میں آیا ہے۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات قیامت میں سے ایک یہ بتائی ہے۔

((أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا)) (مسلم : ۸۔ ابوداؤد: ٤٦٩٥۔ ترمذی : ۲٦۱۰۔ نسائی، ج۸، ص ۹۷۔ ابن ماجه: ٦٣، صحيح، عن عمر)

''کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔''

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا عَلَيْهِ)) (مسلم : ۲۵٦۷)

''کیا تیری کوئی نعمت ہے جسے تو اصلاح کرتا ہے۔''

اس میں رب کا معنی اصلاح کرنے والا ہے۔ (تفسیر قرطبی، ج۱، ص ۱۸۲)

٦۔ مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رب العالمین، ہونے کے معنی یہ ہوئے کہ جس طرح اس کی خالقیت نے کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ہے اسی طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سروسامان بھی کر دیا ہے۔ یہ پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب وغریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے۔ ہر ضرورت کا لحاظ ہے۔ ہر تبدیلی کی نگرانی ہے۔ ہر کمی بیشی ضبط میں آچکی ہے۔

چیونٹی اپنی بل میں رینگ رہی ہے۔ کیڑے مکوڑے کوڑے کرکٹ میں ملے ہوئے ہیں۔ مچھلیاں دریا میں تیر رہی ہیں، پرند ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ پھول باغ میں کھل رہے ہیں۔ ہاتھی جنگل میں دوڑ رہا ہے اور ستارے فضا میں گردش کر رہے ہیں لیکن فطرت کے پاس سب کے لیے یکساں طور پر پرورش کی گود اور نگرانی کی آنکھ ہے، کوئی نہیں جو فیضان ربوبیت سے محروم ہو۔ (ترجمان القرآن، ج۱، ص ۷۲)

لفظ رب کے اعراب کی وضاحت:

ایک قول ہے لفظ رب کی باء کے نیچے زیر ہے، جیسا کہ رَبِّ ہے۔ ایک قول باء کو زبر دینے کا ہے۔ جیسا کہ رَبَّ ہے۔ ایک قول ہے پیش ہے جیسا کہ رَبُّ ہے۔ (زاد المسیر، ج۱، ص ۳۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"الْعٰلَمِیْنَ" اس بارے میں مفسرین کی آراء

(۱)...... عَالَمٌ کی جمع ہے۔ فَاعَلٌ کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ نہیں آتی۔ صرف عَالَمٌ اور یَاسَمٌ کی جمع آتی ہے۔ عالَم جہاں اور یاسَم ایک پھول ہے۔ صرف ان کی جمع عَالَمُوْنَ اور یاسمون آتی ہے۔ عَالَمٌ کی جمع عَوَالِمُ بھی آتی ہے۔ (قاموس)

ساری خلق عالم ہے۔ (قاموس)

چونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اپنی پیدائش، اپنی ترکیب، اپنی وضع قطع اپنے افعال و خواص سے اپنے خالق و پروردگار اور اپنے مدبر و مالک کے وجود ہستی اور اس کی قدرت و حکمت کی علامت ہے اس لیے اسے عالم کہتے ہیں۔

اور عالم کی تعداد صرف اس کا خالق ہی جانتا ہے۔ اس لیے اسے جمع کے صیغہ سے لا کر سب عالم کی قسموں کو ذکر کیا ہے۔ الغرض، اللہ کے سوا جو بھی ہے اسے عالم کہتے ہیں۔ (واضح البیان، ص ۱۲۶)

(۲)...... امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عالم وہ ہے جس کے ساتھ صانع (اللہ تعالیٰ) معلوم ہو چونکہ اللہ کے سوا جو چیز بھی ہے اس کی محتاج ہے۔ یہی اس واجب الوجود کی موجودگی کی دلیل ہے۔ (ص ۷)

(۳)...... ابوبکر جزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عالم اللہ کے سوا کل کائنات کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ فرشتوں کا عالم، جنوں کا عالم، انسانوں کا عالم، حیوانوں کا عالم، نباتات کا عالم۔ (اسیر التفاسیر، ص ۱۳)

(۴)...... امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عالم، ابتداء سے لے کر انتہاء تک ساری مخلوق کا نام ہے۔ عالم کے بارے میں (۱) قول ہے کہ اس سے ساری مخلوق مراد ہے۔ آسمان زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔

(۲) قول ہے جو بھی ذی روح زمین پر چلتی ہے عالم ہے۔ (زاد المسیر، ص ۳۳)

(۵)...... علامہ مراغی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عالم سے مراد تمام موجودات ہے۔ یہ عوالم چونکہ تربیت الٰہی کا مظہر ہیں ان میں حیات ہے یہ نشوونما پاتے ہیں اور نسل کشی کرتے ہیں۔ (المراغی، ج ۱، ص ۳۰)

(۶)...... علامہ خازن رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ملائکہ، جن اور انسان جو ذوالعلم ہیں، یہی عالم ہیں۔ جو غیر ذوی العلم ہیں یعنی چار پائے یہ عالم میں شامل نہیں۔ ایک قول ہے، ایک ہزار عالم ہے چھ سو سمندر میں اور چار سو خشکی میں۔ ایک قول اسی ہزار کا ہے۔ چالیس ہزار خشکی میں اور چالیس ہزار تری میں ہے۔ ایک قول اٹھارہ ہزار عالم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جن میں سے دنیا بھی ایک عالم ہے۔ (تفسیر خازن، ج۱،ص ۱۷)

(۷)...... امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں جو بھی پیدا کیا ہے وہ عالم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (الشعراء : ۲۳-۲٤)

''فرعون نے کہا کون ہے جہانوں کا رب، کہا جو آسمانوں اور زمین اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے ان کا رب ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔''

اور عالم علامت سے بنا ہے کیونکہ یہ اپنے خالق اور صانع کے وجود پر اور اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

ابن معتز شاعر نے اس کی خوب ترجمانی کی ہے۔

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْاِلٰهُ
اَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ
وَفِيْ كُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰيَةٌ
تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ

''نہایت ہی تعجب کی بات ہے اس معبود حق کی نافرمانی کیسے کی جاتی ہے۔ یا منکر اس ذات حق کا کیسے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی ہر چیز میں علامت ہے جو بتا رہی ہے کہ یقیناً وہ وحدہ لاشریک ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص ۲۴)

(۸)...... مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ رقمطراز ہیں۔ **العٰلمین، عالَم کی جمع ہے**۔ جس میں دنیا کی تمام اجناس، آسمان، چاند، سورج اور تمام ستارے اور ہوا و فضا، برق و باراں، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی تمام مخلوقات، حیوانات، انسان، نباتات، جمادات سب ہی داخل ہیں...... یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انسان اس میں غور و تدبر سے کام لے اور سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے لے کر زمین تک اپنی تمام مخلوقات کو اس کی خدمت میں لگا رکھا ہے تو جس ہستی کو اس نے مخدوم کائنات بنا رکھا ہے وہ بھی بیکار و بے ہودہ نہیں ہو سکتی۔ اس کا بھی کوئی کام ہوگا اس کے ذمے بھی کوئی خدمت ہوگی۔

ابر و باد و مہ خورشید و فلک درکار اند
تا تو نانے بکف آری وبغفلت نہ خوری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''بادل، ہوا، چاند، آفتاب اور فلک سب کام میں مصروف ہیں، تاکہ تو جب ہاتھ میں روٹی کا لقمہ پکڑے تو اسے بے خبری سے نہ کھائے۔''

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

''سب کائنات تیرے لیے سرگرداں ہے اور فرمانبردار ہے۔ اب یہ انصاف نہ ہوگا کہ تو جہانوں کے رب کا حکم نہ مانے۔''

قرآن حکیم نے انسانی آفرینش اور اس کے مقصد حیات کو اس آیت میں واضح فرمایا ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(الذاریات : ۵۶)

''میں نے جن اور انسان صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیے ہیں۔'' (معارف القرآن، ج۱، ص ۸۲)

(۹)......علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، بعض علمائے کرام کا قول ہے کہ لفظ **عالَم**، علامت سے ہے کیونکہ اس عالم کا جود ایسے خالق کے وجود پر علامت ہے جو کمال و جمال کے اوصاف سے متصف ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾

(آل عمران : ۱۹۰)

''بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (اضواء البیان، ج۱، ص ۳۰)

تو یہ چیزیں خالق کے وجود پر علامت ہیں۔

(۱۰)......علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عوالم (جہان، عالم کی جمع ہے) احاطۂ تحریر سے باہر ہیں، یہ کہہ سکتے ہیں:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾(المدثر : ۳۱)

''تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔'' (روح المعانی، ج۱، ص ۱۰۷)

قارئین کرام! ان میں سے کسی تفسیر میں آپس میں کوئی ٹکراؤ نہیں، ہر ایک نے اپنے اپنے انداز پر کچھ عوالم (جہان) کا ذکر کیا ہے جو کہ قابل اعتراض نہیں۔ تاہم راقم کے نزدیک سب سے جامع عالم کا مفہوم یہی ہے کہ خالق کائنات کے سوا سب چیزیں عالم ہیں۔

(۱۱)......مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قرآن کہتا ہے، یہ بات انسان کے وجدانی اذعان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاف ہے کہ وہ نظام ربوبیت کا مطالعہ کرے اور ایک رب العلمین، ہستی کا تعین اس کے اندر جاگ نہ اٹھے، وہ کہتا ہے، ایک انسان غفلت کی سرشاری اور سرکشی کا ہیجان میں ہر چیز سے انکار کر دے سکتا ہے لیکن اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ جب اپنے چاروں طرف زندگی اور پروردگاری کا ایک عالمگیر کارخانہ پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی فطرت کی صدا کیا ہوتی ہے۔ اس کے دل کے ایک ایک ریشے میں کون سا اعتماد سمایا ہوتا ہے۔ کیا یہ نہیں ہوتا کہ ایک پروردگار ہستی موجود ہے اور یہ سب کچھ اسی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ (ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۸۷)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ①﴾ کا خلاصہ: یہ ہے کہ جلال و کمال کی صفات کی وجہ سے جتنی قسم کی بھی تعریفات ہیں یہ اللہ وحدہ لاشریک لیے ہی خاص ہیں، دوسرا ان میں اس کا کوئی شریک نہیں کیونکہ ہر چیز کا وہی رب ہے اور وہی خالق و مالک ہے۔ اس بناء پر ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم صرف اسی اللہ کی حمد و ثناء کریں۔

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②﴾ اس کی لغت کی تشریح اور تفسیری اقوال اور کافی حد تک اس کے نکات **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں کچھ مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔ سب سے پہلی تو یہ بات ہے کہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ②﴾ جب بسم اللہ میں گزر چکی ہے تو انہیں دوبارہ کیوں بیان کیا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ تکرار سے لانے کی حکمت

اس کا حل یہ ہے کہ بسم اللہ میں برکت کے حصول کے لیے ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ ذکر کیا گیا تھا اور یہاں ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ کے بعد تربیت عالم کی علت بتانے اور اللہ تعالیٰ ہی محمود (تعریف کیے جانے) کے قابل ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے ان دونوں صفات کو بیان کیا گیا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چہ ان کی تربیت کرتا ہے تو اس لیے نہیں کہ اس دنیا کا کوئی اس پر احسان ہے یا آئندہ اس سے نفع کی امید ہے یا کوئی اور غرض ہے، کچھ بھی نہیں۔ وہ جہان کی تربیت اس لیے کرتا ہے کہ یہ اس کی رحمانیت اور رحیمیت کا تقاضا ہے اور کوئی مطلب نہیں۔ (واضح البیان، ص ۱۶۰)

(۲)...... علامہ خازن رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ کو دوبار بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پتہ چل جائے کہ دوسرے ہر معاملہ سے اللہ تعالیٰ نے رحمت کا اہتمام زیادہ کیا ہے اور رحمت کی ضرورت بھی بہت کثرت سے ہے اور اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر مہربانی کی ہے۔ (ج۱،ص ۱۷)

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ﴿رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ کے بعد اللہ تعالیٰ نے رحمن اور رحیم کے وصف سے اپنی ذات گرامی کو متصف کیا ہے تاکہ ترہیب (خوف دلانے) کے بعد ترغیب ہو جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝﴾ (الحجر : ۴۹۔۵۰)

''میرے بندوں کو خبر دو بے شک میں ہی غفور و رحیم ہوں اور میرا عذاب بہت المناک ہے۔''

اور مقام پر ہے:

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الاعراف : ۱۶۷)

''بے شک تیرا رب البتہ جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا رحیم ہے۔''

تو رب میں ترہیب ہے اور رحمن و رحیم میں ترغیب ہے۔ (ج۱،ص ۲۴)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ یہ آیۂ مبارکہ بھی بیان کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ۭ﴾ (المؤمن : ۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’گناہ کو بخشنے والا ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت عذاب دینے والا طاقت والا ہے۔‘‘

اور ان آیتوں کی تشریح میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر مؤمن کو علم ہو جائے کہ اللہ کے ہاں سزا کتنی زیادہ ہے تو یہ اس کی جنت کا کبھی طمع نہ کرے اور اگر کافر کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس کتنی زیادہ رحمت ہے تو یہ کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔(مسلم: ۲۷۵۵۔ بخاری: ۶۴۶۹۔ترمذی: ۳۵۴۲۔قرطبی، ج۱،ص ۱۸۴)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴾ کی تکرار سے بعض مفسرین نے یہ دلیل لی ہے کہ بسم اللہ سورت فاتحہ کی آیت نہیں، وگرنہ اسے تکرار سے لانے کا کیا فائدہ۔ یہ موقف کمزور ہے، کیونکہ اس تکرار کی حکمت بیان ہوئی ہے۔بسم اللہ سورت فاتحہ کی آیت ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ، اللہ فرماتے ہیں، یہ یاد رکھو، میں معبود بھی ہوں اور رب بھی ہوں۔ یہ میں اگرچہ ایک مرتبہ ہوں تو یہ بھی یاد رکھو کہ میں رحمن اور رحیم دو مرتبہ ہوں۔(روح المعانی، ج۱،ص ۱۱۰)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رحمت و ربوبیت کے دونوں اکٹھے آنے کے چند مقامات قرآنی

قرآن پاک میں کئی مقامات ہیں جن میں ربوبیت (اللہ کے رب ہونے) اور رحمت کا اکٹھا ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان میں آپس میں گہری مناسبت اور ربط ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی تربیت کا سلسلہ جاری کیا ہے، یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ اس جہان میں کوئی اس تربیت کا استحقاق رکھتا تھا۔ نہ تو پہلے کسی کا استحقاق تھا نہ ہی آئندہ ہے یہ محض رب کائنات کی رحمت کا فیضان ہے کہ اس نے جہان کو پیدا کیا اور پھر پوری تدبیر سے اس کی تربیت کر رہا ہے۔

۱۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی دعا پر غور کریں۔

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (الاعراف : ۲۳)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پا جائیں گے۔''

اس میں بھی اللہ کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر ہے اور اس کی برکت سے آپ کی دعاء قبول ہوئی۔

۲۔ سیدنا نوح علیہ السلام پر پابندی تھی کہ خاندان کے بھی کسی کافر کے مرنے پر سوال نہ کرنا، مگر آپ نے کر دیا تو اس کوتاہی کا یوں ازالہ کیا۔

﴿ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (ھود : ۴۷)

''اے میرے رب! میں تجھ سے اس کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ سوال کروں جس کا میرے پاس علم نہیں اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

اس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام نے ربوبیت اور رحمت کا ذکر کیا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں بلندی حاصل کی ہے۔

۳۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایمان افروز دعاء ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرہ : ۱۲۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اے ہمارے رب! ہمیں (دونوں باپ بیٹے) کو مسلمان بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت کو اپنے لیے مطیع کر دے اور ہمیں ہمارے حج کے طریقے بتا دے اور ہم پر رجوع کر بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''

یہاں بھی ربوبیت اور رحمت کا ذکر ہوا ہے۔

۴۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے لیے دعاء کی، غور کریں۔

﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۹۸﴾ (یوسف : ۹۸)

''کہا، عن قریب میں اپنے رب سے تمہارے لیے استغفار کروں گا، بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس میں بھی اللہ کی ربوبیت اور رحمت کے سہارے اللہ سے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے لیے مغفرت کا وعدہ کیا ہے۔

۵۔ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جب تواضع اور انکساری کا اظہار کیا تو کہا:

میں اپنی جان کو بری قرار نہیں دیتا، کیونکہ نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم کرے (وہی محفوظ رہتا ہے)

﴿اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۵۳﴾ (یوسف : ۵۳)

''بے شک میرا رب البتہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

تو اس میں بھی اللہ کی ربوبیت اور رحمت ہی کا سہارا لیا ہے۔

۶۔ سیدنا خضر علیہ السلام نے جب یتیموں کی دیوار درست کی تو فرمایا:

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ﴾ (الکہف : ۸۲)

''یہ تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے ہے۔''

یعنی ان یتیموں کے مال کی حفاظت ہمارے ہاتھ سے ہونا یہ یتیموں پر رحمت کی وجہ سے ہے۔ یہاں ربوبیت اور رحمت کو خضر علیہ السلام نے اکٹھا کیا ہے۔

۷۔ بنو اسرائیل کی نافرمانی کی وجہ سے جو ان پر زوال آیا تھا، اس کا ذکر ہے۔

اور تیرے رب نے اعلان کیا ہے کہ البتہ ضرور ان پر بھیجے گا قیامت کے دن تک جو انہیں میرا عذاب چکھائے گا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۶۷﴾ (الاعراف : ۱۶۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''بے شک تیرا رب البتہ جلد سزا دینے والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہاں بھی ربوبیت اور رحمت کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے کہ جو نافرمانی سے باز آجائے اسے بخش دیتا ہے اور جو باز نہ آئے اسے عذاب دیتا ہے۔ یہ اس کا قانون ہے۔

۸۔ ذوالقرنین نے کہا تھا۔

﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ (الکھف : ۹۸)

''یہ میرے رب کی رحمت ہے۔''

یعنی یاجوج و ماجوج سے بچانے کے لیے میں نے جو دیوار بنائی ہے۔اس میں میری قوت کو دخل نہیں، یہ میرے رب کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اس مقام پر انہوں نے ربوبیت اور رحمت کو جمع کیا ہے۔

۹۔ حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو استغفار کی رغبت دلاتے ہیں۔

﴿وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝﴾ (هود : ۹۰)

''اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کی طرف توبہ کرو۔ بے شک میرا رب رحم کرنے والا اور پیار کرنے والا ہے۔''

اس میں توبہ استغفار کی رغبت میں رحیمیت کا ذکر ہے۔

۱۰۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے بڑھاپے میں اولاد کی امید کا باعث یہی رحمت ہی تھی۔ارشاد باری ہے:

﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝﴾ (مریم : ۲)

''اپنے رب کی رحمت کا ذکر کیجیے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کیا۔''

۱۱۔ نوح علیہ السلام انسانی کو زمین میں خلیفہ بنا کر ان کی ایک دوسرے پر برتری ثابت کر کے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الانعام : ۱۶۵)

''وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تمہارے بعض کے بعض پر درجات بلند کیے تاکہ اس نے جو تمہیں دیا ہے اس میں آزمائے، بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا اور بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

اس میں انسان کو زمین پر خلافت بتا کر اور درجات میں فرق واضح کرنے کے بعد یہ اشارہ دیا ہے کہ اگر انسان میرا نافرمان ہوگا تو عذاب سخت ہوگا اور اگر تابع فرمان رہے گا تو وہ رحیم ہے۔ رحمت بقائے انسانیت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب ہے۔

۱۲۔ جانوروں کی پیدائش کا ذکر کیا تو فرمایا:

﴿وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴾

(النحل : ۷)

''یہ (جانور) تمہارے بوجھ اٹھاتے ہیں، اس شہر تک جس تک تم صرف جانوں کو مشقت میں ڈال کر ہی پہنچ سکتے ہو۔ بے شک تمہارا رب بخشنے والا رحم والا ہے۔''

اس میں انسان کو مشقت سے بچانے کے لیے اور بوجھ اٹھانے کے لیے حیوانوں کی پیدائش کو بطور احسان بیان کیا ہے اور یہ اس پروردگار کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

۱۳۔ کشتی اور جہاز سمندر یا دریا میں تیرتے ہیں تو یہ رحمت الٰہی ہے۔

﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝﴾

(الاسراء : ٦٦)

''تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تمہارے لیے رحم کرنے والا ہے۔''

دریا میں تجارت کے لیے جو کشتیاں چلتی ہیں، اربوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے، یہ سب اس کی رحمت سے ہے۔

۱۴۔ گناہ گاروں کی گرفت جلدی نہیں کرتا، ارشاد باری ہے:

﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ﴾

(الكهف : ۵۸)

''تیرا رب بخشنے والا، رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کا ان کی کمائی کی وجہ سے مؤاخذہ کرے تو جلدی عذاب کر دے۔ (لیکن وہ مہلت دیتا ہے)''

بدعملی کے باوجود انسانی گرفت نہ کرنا یہ اس پروردگار کی ربوبیت اور رحمت کا نتیجہ ہے۔

۱۵۔ برے منصوبہ سازوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (النحل : ٤٥ تا ٤٧)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کیا وہ لوگ جو برے مکر کرتے ہیں وہ اس سے بے خوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان کے اوپر وہاں سے عذاب آجائے جہاں سے انہیں شعور بھی نہ ہو۔ یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے، وہ عاجز نہ کرسکیں گے۔ یا انہیں خوف کی حالت میں پکڑے، بے شک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں بداندیشیاں کرنے والوں پر عذاب نہ آنے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور رحمت ان عذابات میں رکاوٹ ہے وگرنہ عذاب الٰہی تو کسی وقت میں بھی آجاتا۔

۱۶۔ جنتیوں کو جو سلام کا تحفہ اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے، اس میں بھی ربوبیت اور رحمت ہی کارفرما ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (یس : ۵۸)

''انہیں رب رحیم کی طرف سے سلام کا (جنت) میں تحفہ ملے گا۔''

اس بارے میں ایک جامع آیت پیش خدمت ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام : ۱۲)

''اس نے اپنی ذات گرامی پر رحمت کو لازم کر دیا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میری رحمت میرے اپنے وعدے کی وجہ سے ہے۔ کسی اور کی وجہ سے نہیں۔

علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ان آیات سے معلوم ہوا کہ توبہ کی قبولیت خطاؤں کی معافی اور قصوروں پر پردہ ڈالنا، آسائش کے اسباب پیدا کرنا، خشکی وتری کے سفر میں کامیاب کرنا، دشمن کی شرارتوں سے بچانا، مکروہات، پریشانیوں) سے محفوظ رکھنا، اسباب ترقی کا عطا کرنا، درجات کا بلند کرنا اور حکومت بخشنا، بے کسوں کی غیبی امداد کے اسباب پیدا کرنا اور مایوسوں کو اولاد بخشنا، ہدایت قبول کرنے کی توفیق دینا، طرح طرح کی نعمتیں بخشنا اور سب سے بڑھ کر یہ اپنے دیدار کا شرف بخشنا اور (اہل جنت کو) تحفۂ سلام سے نوازنا یہ سب امور سلسلۂ ربوبیت کی کڑیاں ہیں اور یہ سب کچھ بتقاضائے رحمت ہے۔ ان میں نہ تو ذات بے نیاز کے ذمے کسی کا حق ہے اور نہ اسے کسی سے آئندہ کی کوئی توقع ہے۔ (واضح البیان، ص ۱۶۴)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اور صفت محبت کا موازنہ

اللہ تعالیٰ کی صفات میں صفت رحمت بھی ہے اور صفت محبت بھی اس میں موجود ہے۔ جس طرح بھی اس کی شان کے لائق ہے یہ دونوں صفات اس کے لیے ثابت ہیں لیکن یہاں سورت فاتحہ میں صرف صفت رحمت اللہ کے لیے ثابت کی گئی ہے۔ صفت محبت نہیں بیان کی گئی۔ حالانکہ دوسری سورتوں میں صفت محبت کا ذکر بھی بہت زیادہ ہوا ہے۔

یہاں صفت محبت بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت اور رحمت میں فرق ہے۔ رحمت بغیر کسی عوض لینے اور بغیر کسی کے احسان کرنے کے فیض کسی تک پہنچانا ہے۔ جبکہ محبت میں کسی مقام ومحل کی قابلیت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

مثلاً سورت فاتحہ میں رحمت کا ذکر بغیر کسی غرض اور مقام ومحل کے ہے کہ وہ اچھے، برے سب کے لیے رحیم ہے، رحمٰن ہے، مگر محبت کے لیے غرض بیان کی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹﴾ (الجاثیہ : ۱۹)

''اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے دوست ہونے کی غرض بتائی ہے کہ میں دوست کیوں ہوں اس کی وجہ ہے کہ یہ متقی ہیں۔

ایک اور مقام پر ہے:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳۴﴾ (آل عمران : ۱۳۴)

''اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔''

اس میں اللہ تعالیٰ نے احسان کرنے کو اپنی محبت کی وجہ قرار دیا ہے اور یہ محل محبت الٰہی ہے۔

دوسرا محبت اور رحمت میں یہ فرق بھی ہے کہ محبت کی نسبت اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے درمیان ہوجاتی ہے۔ جب کہ رحمت کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے منسوب ہوتی ہے۔ موازنہ کرتے ہوئے بندے کی طرف منسوب نہیں ہوتی۔ یہ بندے کی رحمت اللہ کی ذات پر کوئی اثر انداز نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ﴾ (المائدہ : ۵۴)

''اللہ ان سے محبت کرتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ کہیں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم کرتے ہیں اور بندے اللہ پر رحم کرتے ہیں۔

اس فرق سے یہ واضح ہوا کہ رحمت اصل ہے اور محبت اس کی شاخ ہے۔ سورت فاتحہ جو ام القرآن ہے اس میں اصل جو کہ رحمت ہے وہ بیان ہوئی ہے اور دیگر سورتوں اور آیات میں اس اصل کی شاخ محبت کی صفت کا بیان ہوا ہے۔ یہاں موقع و مناسبت صرف صفت رحمت کے بیان کا ہی تقاضا کرتا تھا۔ صفت محبت کا یہ تقاضا تھا وہ دوسرے مقامات پر ہی بیان ہو۔

رحمانیت اور رحیمیت کے متعلق اہم علمی نکتہ

رب العالمین کی پرورش کے متعلق رحمت کی دو قسمیں بنتی ہیں۔

۱۔ رحمت جو عین حالت پرورش میں ہوتی ہے اگر یہ نہ ہو تو پرورش کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کے کمال تک پہنچانے کے لیے اس کی تربیت میں جو کچھ بھی مناسب ہے اور جو کچھ بھی نا مناسب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے۔ یہ رحمت رحمانیت سے متعلقہ ہے۔ اس سے مؤمن اور کافر، نیک اور بد، مطیع اور نافرمان سب مستفید ہوتے ہیں۔

دوسری رحمت یہ ہے کہ کسی چیز کو کمال تک پہنچانے کے بعد اسے ضائع نہ ہونے دینا، بلکہ اسے مزید ثمر آور فائدہ مند بنایا جائے۔

یہ بات ہم ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں، مثلاً ایک آدمی ایک باغ لگاتا ہے۔ پھر وہ اس کی پوری نگہداشت کر کے اسے کمال تک پہنچاتا ہے۔ جب وہ باغ پھل پھول لاتا ہے تو اس کا باغبان انہیں کسی کام میں نہیں لاتا۔ تو وہ سب گل سڑ کر زمین پر گر کر رائیگاں جائیں گے تو وہ باغبان قابل ستائش نہ ہوگا۔ اب سمجھیں، اللہ رب کائنات نے اپنی رحمانیت سے اس دنیا کے باغ کو پیدا کیا اور اس کی مناسب پرورش کر کے اسے کمال تک پہنچایا۔ اب وہ اسے ضائع کرے تو وہ دانا نہیں رہتا۔ اسی لیے اس نے آسمان و زمین اور ان میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ اس نے اسے اتنا بااثر اور باثمر کیا ہے کہ دوسرے جہاں میں جو نیک اور بد کی جزا و سزا مرتب ہوگی وہ دائمی ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحیمیت سے وابستہ ہے۔ اسی وجہ سے اگلی آیت میں جزا کا دن یاد دلایا گیا ہے۔ ثابت ہوا رب کائنات کا اس جہان کو پیدا کرنا پھر اسے اوج کمال تک پہنچانا اور پھر یوم جزا کی یاد دہانی کرانا یہ سب اس کی رحمانیت اور رحیمیت کے تقاضا سے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾

لغت اور صرف ونحو:

مَالِكِ (ض، صحیح) اسم فاعل یہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت ہے۔

مالک وہ ہوتا ہے جو ملک (ملکیت والا ہو اور **مَلِكْ** یعنی بادشاہ تب ہوتا ہے **مُلك** و بادشاہت کا مالک ہو۔

اہل نحو کا خیال ہے **مَلِكْ** (بادشاہ ہونا) **مَالِك** کی بہ نسبت زیادہ قابل ستائش ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مالک کی ملکیت میں کبھی کوئی چیز نہیں بھی ہوتی لیکن **مَلِك** (بادشاہ) تب ہوگا جب کسی چیز کا مالک ہوگا۔

اور **مَالِكٌ** کی جمع **مِلَاكٌ** اور **مَالِكُوْنَ** ہے اور **مَلِكٌ** کی جمع **اِمْلَاكٌ** اور **مُلُوْكٌ** ہے۔ **يَوْمٌ** کی جمع **اَيَّامٌ** ہے (دن) **الدِّيْنِ** یہ یوم کا مضاف الیہ ہے۔

اَلدِّيْنِ کا معنی جزاء ہے۔ یوم الدین جزاء کا دن ہے۔ عرب کا محاورہ ہے۔

كَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے۔

وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ
دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا

''اب ہمارے پاس بھی سوائے زیادتی کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ تو ہم نے بھی انہیں وہ بدلہ دیا جو انہوں نے دیا تھا۔''

اَلدِّيْنِ اطاعت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے۔

''**فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ**'' (بادشاہ کے دستور کی پاسداری میں ہے کہ جس کے پاس سے پیالہ نکلے اسے رکھ لیا جائے۔) الدین، ملت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

مثقب عبدی کہتا ہے:

تَقُوْلُ اِذَا دَرَأْتُ لَهَا وَضِيْنِيْ
أَهٰذَا دِيْنُهٗ اَبَدًا وَّدِيْنِيْ

''جب میں نے اپنی سواری پر کجاوہ باندھا تو اس نے کہا یہ ہمیشہ سے میری اور اس کی ملت میں شامل ہے۔ یعنی یہ ہوتا رہتا ہے۔'' (اعراب القرآن، ج۱، ص ۲۹، ۳۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قراءت کا اختلاف:

امام عاصم اور امام کسائی نے (مَالِكِ) پڑھا ہے اور امام نافع، امام ابن کثیر (یہ تفسیر والے نہیں، قراء میں سے ہیں) امام ابوعمرو اور امام ابن عامر اور حمزہ نے بغیر الف (مَلِكِ) پڑھا ہے۔

(ابلاغ النفع فی القراءات السبع، ص ۱۴۲)

۲۔ لسان العرب میں ہے:

"اَلْمُلْكُ وَالْمِلْكُ وَالْمَلْكُ اِحْتِوَاءُ الشَّیْءِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى الْاِسْتِبْدَادِ بِهٖ"

(ج ۱۲، ص ۳۸۲)

''مُلک، مِلک اور مَلک کا معنی ہے کسی چیز پر غالب آنا اور حاوی و قادر ہونا ہے۔''

م۔ل۔ک: ان تینوں حروف کی ترکیب قوت، شدت، قدرت اور تصرف وغیرہ پر دلالت کرتی ہے اور اسی سے مِلَاكُ بِالْاَمْرِ ہے جس چیز پر مدار کار ہو۔ اسے کہتے ہیں۔

لسان العرب میں ہے:

"مِلَاكُ الْاَمْرِ الَّذِیْ یُعْتَمَدُ عَلَیْهِ" (ج ۱۲، ص ۳۸٤)

''معاملہ کے مِلَاك کا مطلب ہے جس چیز پر اعتماد کیا جائے۔''

یَوْم کا معنی دن ہے اس میں ساتھ راتیں بھی شامل ہیں۔

(الدین) کے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اور معانی بھی کیے ہیں۔ (۱) عادت (۲) عمل (۳) حکم (۴) حال (۵) خلق (۶) اطاعت و بندگی (۷) قہر و غلبہ (۸) ملت (۹) شریعت (۱۰) پرہیز گاری (فتح الباری، ج ۸، ص ۱۵۶)

مَالِكِ اور مَلِكِ دونوں قراءتیں درست ہیں۔ قرآن پاک میں دونوں استعمال ہوئی ہیں۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ (آل عمران : ۲۶)

''کہہ دو! اے میرے اللہ! ملک کا تو ہی مالک ہے۔''

اور مَلِكِ بھی استعمال ہوا ہے۔

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲﴾ (الناس : ۱۔۲)

''کہہ دو! میں لوگوں کے رب کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو کہ لوگوں کا بادشاہ ہے۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بعض قرائے کرام نے ﴿مَلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۳﴾ پڑھا ہے اور کچھ نے مَالِكِ پڑھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”وَكِلَاهُمَا صَحِيْحٌ مُّتَوَاتِرٌ فِي السَّبْعِ“ (تفسیر، ج۱، ص ۲۴)

”یہ دونوں قراءتیں صحیح اور متواتر ہیں ساتوں قراءتوں میں سے یہ بھی ایک قراءت ہے۔“

ثابت ہوا دونوں قراءتوں کی ایک ہی حیثیت ہے۔

بیضاوی رحمہ اللہ نے اور لغات بھی بیان کی ہیں۔

۱۔ مَلْكِ اور مَلَكَ ماضی کے ساتھ وہ مالک ہوا اور مَالِكًا بھی کہا ہے۔ محذوف فعل کا مفعول بنایا ہے کہ میں مالک کی تعریف کرتا ہوں۔ مَالِكُ بھی لکھا ہے۔ (تفسیر، ص ۷)

مختصر مطلب:

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان ہوئی ہے کہ روز قیامت وہ ہر چیز کا مالک ہوگا جس دن کوئی بھی مالک نہ ہوگا حتی کہ کسی کو اپنی جان کا اختیار نہ ہوگا۔ یہ ایسا مالک و مختار ہوگا کہ روز قیامت صرف یہی تمام امور کا بااختیار بادشاہ ہے۔

مفسرین کی تشریحات:

۱۔ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْمَالِكُ هُوَ الْمُتَصَرِّفُ فِي الْأَعْيَانِ الْمَمْلُوْكَةِ كَيْفَ شَآءَ وَالْمَلِكُ هُوَ الْمُتَصَرِّفُ بِالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ فِي الْمَامُوْرِيْنَ“ (تفسیر، ص ۷)

”مالک وہ ہے جو اپنی مملوکہ اشیاء میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور مَلِك وہ ہے جو اپنے مأموروں اور ماتحتوں پر امر و نہی کا پورا اختیار رکھے۔“

۲۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَتَخْصِيْصُ الْمُلْكِ بِيَوْمِ الدِّيْنِ لَا يَنْفِيْهِ عَمَّا عَدَاهُ“

”جزا کے دن کے ساتھ مالک ہونے کی تخصیص کا مطلب یہ نہیں کہ اس دن کے علاوہ کا وہ مالک نہیں۔ بلکہ وہ دن ایسا ہے کہ اس دن کسی چیز کی ملکیت کا کوئی دعویٰ نہ کر سکے گا۔“

دنیا میں تو عارضی ملکیت کا دعویٰ کرنے والے ہیں۔ وہ تو جزاء کا دن ہے اگر کسی نے برائی کمائی ہوگی تو برا انجام ہوگا اگر اچھائی کمائی ہوگی تو اچھا انجام پائے گا۔ (تفسیر، ج۱، ص ۲۵)

۳۔ علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ملکیت بادشاہت کی رو سے بھی اللہ تعالیٰ لائق حمد ہیں، یہ اس کی خاص صفت ہے..... بادشاہی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بادشاہ حقیقی کہتے ہیں اور دنیاوی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کو بادشاہ مجازی (کہا جاتا ہے) (واضح البیان، ص ۱۷۵)

درج ذیل میں راقم چند آیات قرآنی پیش کرتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے حقیقی بادشاہ ہونے کا ذکر ہے۔

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①﴾ (تغابن : ۱)

''اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

(لَهُ اسی کے لیے ہے) یہ ضمیر کا مقدم آنا دلالت کرتا ہے کہ بادشاہی اسی اللہ کے لیے خاص ہے۔

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ①﴾ (الملک : ۱)

''بابرکت ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ⑪﴾ (الاسراء : ۱۱۱)

''اور کہہ دو تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جس نے اولاد نہیں پکڑی اور نہ ہی ملک میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ ہی اس کا ذلت سے کوئی مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرو بڑائی بیان کرنا۔''

اس میں جو یہ ذکر ہے کہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں، یہ دلالت ہے کہ حقیقی بادشاہ اللہ ہی ہے۔

۴۔ ارشاد باری ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَاءُ﴾ (آل عمران : ۲۶)

''کہہ دو، اے اللہ! ملک کے مالک تو ہے دیتا ہے بادشاہی جس کو چاہتا ہے اور تو چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے۔''

ثابت ہوا جب بادشاہی دیتا ہی وہ اللہ ہے تو حقیقی بادشاہ تو پھر وہی ہوا۔

مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کسی کو عطاء کرنا جیسے بچہ سقا ڈاکو اور نادر خان ایک جرنیل اور اسی طرح مصطفی کمال پاشا اور کسی سے چھین لینا، جیسے شاہ امان اللہ خان سے اور سلطان عبدالحمید اور سلطان عبدالمجید سے) اسی شان تفرد مالکیت کو نمایاں کیا ہے۔ (واضح البیان، ص ۱۷۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یوم الدین کا تعین

ہم درج ذیل میں چندوہ آیات بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یوم الدین کون سا ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح مالک ہیں۔

۱۔ ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴾ (الانفطار : ۱۹)

''جس دن کوئی جان کسی جان کا اختیار نہ رکھے گی اور معاملہ اس دن صرف اللہ کے لیے ہے۔''

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ (سباء : ۴۲)

''آج کے دن تمہارا بعض، بعض کے لیے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔''

یہ دن جزاء کا دن ہے۔

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (مؤمن : ۱۶)

''آج بادشاہی کس کے لیے ہے۔ اللہ واحد وقہار کے لیے ہے۔''

اس میں آج سے مراد قیامت کا دن ہے۔

۴۔ ﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ﴾ (الفرقان : ۲۶)

''بادشاہی اس دن رحمٰن کے لیے ثابت ہے۔''

یہاں بھی قیامت کا دن مراد ہے۔

۵۔ ارشاد باری ہے:

﴿الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ﴾ (الحج : ۵۶)

''ملک اس دن اللہ کے لیے ہے۔''

ان تمام آیات میں یوم الدین کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

اہم نکتہ:

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں اپنی ربوبیت اور مالکیت کا ذکر کیا ہے اور قرآن پاک کے اختتام پر بھی یہی صفت بیان کی گئی ہے۔ ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ لوگوں کا بادشاہ ہے۔ یہ حسن ترتیب اس امر کی دلیل ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ اس کلام کا مرتب اور مؤلف اللہ تعالیٰ ہے جو اپنے مقاصد اور سلسلۂ مضامین میں نہایت ہی گہری نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ (واضح البیان، ص ۱۷۹)

۴۔ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آیت میں دین سے مراد جزاء ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ﴾ (النور: ۲۵)

''اس دن اللہ تعالیٰ انہیں حق بدلہ دیں گے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اس دن ان کے اعمال کا بدلہ عدل سے دیں گے۔

یہاں دین بدلہ اور جزاء کے معنی میں ہے۔ (اضواء البیان، ج ۱، ص ۳۲)

۵۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا کہ میں دنیا کا مالک ہوں۔ رب العالمین ہوں، اور مالک یوم الدین کہہ کر بتایا کہ میں آخرت کا بھی مالک ہوں۔ (زاد المسیر ص ۳۴)

۶۔ علامہ ابوبکر الجزائری حفظہ اللہ فرماتے ہیں، مالک وہ ہے جس طرح چاہے تصرف کرے ایسا سلطان جس کا حکم نافذ ہو اور جس چیز سے چاہے روکے اور جو چاہے عطاء کرے اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔

اور یوم الدین روز جزاء ہے جو کہ قیامت کا دن ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دیں گے۔ (السیر التفاسیر، ص ۱۳)

۷۔ علامہ خازن فرماتے ہیں، مالک سے مراد:

"هُوَ الْقَادِرُ عَلَى اخْتِرَاعِ الْأَعْيَانِ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُوْدِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى" (خازن، ج ۱، ص ۱۷)

''ایسا قادر جو چیزوں کو عدم سے وجود میں لائے اس کی قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔''

اور یوم الدین سے مراد ہے یوم حساب کا فیصلہ کرنے والا۔

۸۔ علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود کو مالک یوم الدین کہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس دن مخلوق کے سامنے اس کے ملک و عدل اور حکمت کا کامل اظہار ہوگا اور مخلوق کی تمام املاک اس دن منقطع ہو جائیں گی۔

اس دن بادشاہ اور رعایا، غلام اور آزاد سب اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور اس کی عزت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے سامنے جھکیں گے اور اس کے فیصلوں کے انتظار میں ہوں گے اور اس کے ثواب کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوں گے۔ (تیسر الکریم ،ص ۲۸)

۹۔ علامہ مراغی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مالک یوم الدین کہا ہے۔ مالک الدین نہیں کہا، یہ اس لیے کہا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ دین (جزاء) کا ایک دن معین ہے۔ جس میں ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی جزاء ملے گی۔

الرحمٰن الرحیم کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے۔ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ اس میں ترغیب کے بعد ترہیب ہے اور ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں نوعیت کی تربیت کی ہے۔ وہ رحیم بھی ہے اور اعمال کا بدلہ دینے والا بھی ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۴۹ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝۵۰﴾

(الحجر : ۴۹۔۵۰)

''خبر دو! میرے بندوں کو بے شک میں بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔'' (تفسیر، ج ۱، ص ۳۲)

۱۰۔ سید قطب شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ میں ایک نہایت ہی شاندار اور بشری زندگی میں گہرے اثرات ڈالنے والا قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ ہے آخرت پر اعتقاد رکھنا ہے۔ انتہاء درجہ کا غلبہ ہو تو اسے مُلک کہا جاتا ہے اور یوم الدین آخرت میں جزاء کے دن کو کہتے ہیں۔

بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے الٰہ (معبود) ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ان کا نظریہ ہوتا ہے کہ کائنات کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ مگر آخرت کے دن کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ وہ کہتے ہیں:

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝۳﴾ (ق : ۳)

''کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں تو (پھر لوٹنا ہے) یہ لوٹنا تو بہت دور کی بات ہے۔''

حالانکہ جزاء کے دن پر اعتقاد رکھنا اسلامی عقائد میں سے نہایت ہی اہم اور ضروری عقیدہ ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو بشر کی نظروں اور دلوں کو اخروی عالم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور انسانیت کی حیات مستعار بلندی حاصل ہی تب کر سکتی جب ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ کا یقینی تصور نہ رکھا جائے۔

کیونکہ جب انسان کے دل کو یہ اطمینان نہ ہو کہ زمین پر رہتے ہوئے جو بدلہ مجھے مل رہا ہے یہ آخری نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ یہ محدود عمر کا بدلہ ہے اسے یقین ہونا چاہیے ایک اور زندگی ہے اس کے لیے بھی اسے محنت و کاوش کرنی چاہیے اور حق و خیر کی خاطر کچھ قربانیاں دینی چاہییں تا کہ اس کا عوض اور صلہ اس دن مل سکے۔

آخرت کے منکر اور اس پر یقین رکھنے والوں کا شعور، اخلاق، کردار اور عمل ایک جیسا نہیں ہوتا، نہ ان کا دنیا میں عمل ایک جیسا ہوتا ہے نہ ہی آخرت میں جزاء ایک جیسی ہوگی۔ (فی ظلال القرآن، ج ۱ ص ۱۸)

۱۱۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حمد و تعظیم چار وجوہ پر کی جاتی ہے۔

(۱)......کوئی انسان ذات و صفات میں کامل ہو۔ اگر چہ وہ کسی پر احسان نہ بھی کرے۔

(۲)...... یا حمد و تعظیم کسی کی اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ محسن ہوتا ہے اور اس کی مہربانیاں عام ہوتی ہیں۔

(۳)...... یا پھر کسی سے آئندہ امید ہوتی ہے کہ وہ لطف و کرم کرے گا۔

(۴)...... یا پھر حمد و تعظیم اس لیے کی جاتی ہے کہ کسی کی قدرت کاملہ سے کوئی خوفزدہ ہوتا ہے۔

یہ چار وجوہ ہیں جو حمد و تعظیم کا موجب ہیں۔

گویا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پکارا ہے کہ میرے بندو!

اگر تم نے ذاتی کمال کی وجہ سے یا صفاتی کمال کی وجہ سے حمد و تعظیم کرنی ہے تو میری کرو۔ کیونکہ میں تمہارا اللہ ہوں۔

اور اگر تم نے تعریف و تعظیم احسان اور تربیت اور انعام کی وجہ سے کرنی ہے تو پھر بھی میری کرو کیونکہ میں رب کائنات ہوں۔

اور اگر تم نے تعریف و تعظیم، امید اور مستقبل میں کسی طمع کی بناء پر کرنی ہے تو میری ہی کرو۔ کیونکہ میں ہی رحمٰن و رحیم ہوں۔

اور اگر تم نے مدح سرائی اور عظمت خوف کی وجہ سے بجا لانی ہے تو پھر بھی میری کرو کیونکہ یوم الدین کا مالک میں ہی ہوں۔ (روح المعانی، ج ۱ ص ۱۱۶)

شہنشاہ کہلوانے کی صفت

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے ذلیل ترین نام اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنا نام شہنشاہ رکھوائے۔ (بخاری: ۶۲۰۵۔ مسلم: ۲۱۴۳۔ ابوداؤد: ۴۹۶۱۔ ترمذی: ۲۸۳۷)

۲۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روز قیام سب سے زیادہ اللہ کے غیظ و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غضب کا مستحق اور سب سے زیادہ خبیث وہ آدمی ہوگا جس کا نام شہنشاہ ہوگا۔ ملک صرف اللہ کا ہے۔
(مسلم: ۲۱۴۳)

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کہا جا سکتا ہے۔ دوسروں کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح شہنشاہ نام رکھنا حرام ہے۔

ہاں! صرف مَلِک (بادشاہ کی صفت رکھنا جائز ہے) جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، لیکن روز قیامت کا کسی کو بادشاہ کہنا بھی جائز نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''اللہ تعالیٰ روز قیامت زمین کو اپنی مٹھی میں لیں گے اور آسمان کو بھی دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا ہوگا پھر کہیں گے:

((أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ)) (بخاری: ٤٨١٢۔ مسلم: ٢٧٨٧)

''میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

اس سے ثابت ہوا اللہ کے سوا ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کہلوانا حرام ہے۔ عام بادشاہ جو دنیا میں ہوتا ہے وہ جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک نے طالوت کو بادشاہ کہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ (البقرہ: ٢٤٧)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے میرے اوپر پیش کیے گئے ہیں۔ جو اس سمندر کے درمیان میں سوار ہیں۔

((مُلُوْكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ)) (بخاری: ٢٧٨٨۔ مسلم: ١٩١٢)

''جو کہ تختوں پر بیٹھے بادشاہ ہیں۔''

یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غازیوں کے لیے بادشاہوں کی تشبیہ دی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روز جزاء کی مقدار

ارشاد باری ہے:

﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (المعارج : ٤)

''فرشتے اور روح اس کی طرف دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔''

اس کی تشریح میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جس دن کا یہاں ذکر ہے اس کی صحیح ترین تفسیر یہی ہے کہ یہ قیامت کا دن مراد ہے۔ (تفسیر، ج ۴، ص ۴۱۹)

اس سے ثابت ہوا کہ جزاء کا دن جو کہ قیامت کا دن ہے اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

حدیث شریف سے بھی یہی وضاحت ہوتی ہے کہ روز جزا (قیامت کا دن) پچاس ہزار سال کا دن ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بھی خزانے والا اس کی زکوۃ نہ دے گا، قیامت کے دن اس خزانے کو دوزخ کی آگ سے گرم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ اس زکوۃ نہ دینے ولے کے پہلو پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا۔ فیصلہ ہونے تک اسے یہی سزا ملتی رہے گی یہ اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ اسی طرح بکریوں کی زکوۃ نہ دینے والا، یا اونٹوں کی زکاۃ نہ دینے والا یہ جانور اس کے اوپر سے اسے لتاڑ کر گزریں گے اور سینگ ماریں گے یہ سزا بھی اسے اس دن ہوگی جس کی مقدار پچاس ہزار ہوگی، اس کے بعد فیصلہ ہوگا دوزخ میں جانا ہے یا جنت میں جانا۔ (ابوداؤد: ۱۶۵۸، صحیح)

۱۲۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

اور اپنے تکبر اور سرکشی میں پھنسے رہیں تو اس نے ایک دن بدبختوں اور نیک بختوں کی تمیز کرنے کو مقرر کر رکھا ہے جس کا نام روز قیامت ہے۔ اس قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ ایسے مالک الملک کے حکم سے روگردانی کرنا بہت ہی مذموم اور قبیح امر ہے۔ (تفسیر ثنائی، ج ۱، ص ۲۵)

۱۳۔ سید مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یعنی اس دن کا مالک جبکہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے اس کا کارنامۂ زندگی کا حساب لیا جائے گا اور ہر انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا، روز جزاء کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہ نرا مہربان ہی نہیں ہے بلکہ منصف بھی ایسا با اختیار کہ آخری فیصلے کے روز وہ پورے اقتدار کا مالک ہوگا نہ اس کی سزا میں کوئی مزاحم ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکے گا اور نہ جزاء میں مانع۔

ہمارے انجام کی بھلائی اور برائی بالکلیہ اسی کے اختیار میں ہے۔ (تفہیم القرآن، ج۱، ص ۴۴)

۱۴۔ مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جزاء و سزا کے تنہا مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس روز سارا اور سارا اختیار اسی کو حاصل ہوگا۔ اس کے آگے سب عاجز و سرافگندہ ہوں گے، کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی اجازت کے بغیر زبان کھول سکے۔ سارے معاملات کا فیصلہ تنہا وہی کرے گا۔ جس کو چاہے گا سزا دے گا جس کو چاہے گا انعام دے گا۔

اس آیت کے تین لفظوں میں جو بات پوشیدہ ہے وہ اگر پھیلا دی جائے تو پوری بات یوں ہوگی، کہ ایک دن جزاء اور سزا کا آنے والا ہے اس دن سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہوگا اور اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔ (تدبیر القرآن، ج۱، ص ۱۴)

۱۵۔ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کہتے ہیں:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ یعنی روز جزاء میں تمام کائنات اور تمام امور کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی...... یہ بات بدیہی اور بالکل ظاہر ہے کہ حقیقی مالک تمام کائنات کے ذرے ذرے کی وہی ذات پاک ہے۔ جس نے ان کو پیدا کیا، بڑھایا، تربیت کی اور جس کی ملکیت ہر چیز پر مکمل ہے۔ ظاہر پر بھی، باطن پر بھی، زندہ پر بھی، مردہ پر بھی اور جس کی ملکیت کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء، بخلاف انسان کی ملکیت کے وہ ابتداء و انتہاء کے دائرے میں محدود ہے پہلے نہ تھی اور پھر نہ رہے گی......

آج کی دنیا میں انسان مال و دولت کا مالک ہے اور یہ ناقص سی ملکیت جو اس کو محض آزمائش کے لیے دی گئی تھی وہ اسی میں مغرور و بدمست ہو گیا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس مغرور و غافل انسان کو آگاہ فرمایا کہ یہ ملکیتیں اور سب تعلقات و روابط صرف چند روز کے لیے ہیں۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی کسی چیز کا ظاہری طور پر بھی مالک نہ رہے گا نہ کوئی کسی کا خادم رہے گا نہ مخدوم، نہ کوئی کسی کا آقا رہے گا، نہ غلام تمام کائنات کی مِلک اور مُلک صرف ایک ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔ (تفسیر معارف القرآن، ج۱، ص ۸۴)

۱۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یہاں ربوبیت و رحمت کے بعد صفات قہر و جلال میں سے کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ کی صفت بیان کی گئی ہے جس سے عدالت الٰہی کا تصور ہمارے ذہن میں پیدا ہو جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے اللہ کی صفات کا جو تصور قائم کیا ہے اس میں قہر و غضب کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ البتہ عدالت ضرور ہے اور صفات قہریہ جس قدر بیان کی گئی ہیں، دراصل اسی کے مظاہر ہیں......

اگر فطرت کائنات میں مکافات کا مؤاخذہ نہ ہوتا یا تعمیر کی تحسین و تکمیل کے لیے تخریب نہ ہوتی تو میزان عدل قائم نہ رہتی اور تمام نظام ہستی درہم برہم ہو جاتا۔ (ترجمان القرآن، ج۱، ص ۱۵۸)

قارئین کرام! نامور مفسرین کی آراء اور تشریحی وضاحتوں سے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کا مفہوم خوب ذہن نشین کر چکے ہیں۔ جب وہ جزاء کے دن کا مالک ہے تو پھر عقل و فکر کا تقاضا ہے کہ اچھے عمل کا اچھا اور برے عمل کا برا بدلہ دے۔

جزاء و سزا پر عقلی دلائل

بشریت کی زندگی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے بلند طریقہ پر گامزن نہیں رہ سکتی اور نہ ہی انسان کا دل مطمئن ہو سکتا ہے جب تک وہ یہ یقین نہ کرے کہ اس دنیا میں مکمل جزاء و سزا نہیں بلکہ یہ جزوی ہے۔ کیونکہ یہ ایک محدود عمر ہے۔ ایک دوسری زندگی ہے انسان کو اس کے لیے بھی محنت و کاوش کرنی چاہیے۔ اسے حق کی نصرت و حمایت کرتے رہنا چاہیے اور ہر کار خیر کو اختیار کرنا چاہیے اور اس پر مکمل اعتماد ہو کہ ان نیکیوں کا عوض مجھے اس دن ضرور ملے گا۔

لہٰذا آخرت پر ایمان لانے والے اور اس کے منکرین، شعور میں، اخلاق میں، کردار میں اور عمل میں ایک جیسے نہیں ہوتے، یہ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اسی طرح ان کی جزاء و سزا بھی علیحدہ علیحدہ ہونی ایک فطرتی بات ہے۔

علامہ مراغی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ لوگ حقوق میں کوتاہی کے ارتکاب کی بدولت اور واجبات ادا نہ کرنے کی وجہ سے انفرادی طور پر اپنے اعمال کی جزاء و سزا پاتے ہیں۔ کبھی تنگدستی آ گئی، کبھی بدبختی چھا گئی اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اپنی شہوتوں کے سمندر میں غوطہ زن ہیں اور ساری ساری عمر اپنی من مانی لذات میں گزار دیتے ہیں۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کا مال لٹ برباد ہو جاتا ہے اور جسم بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتے ہیں اور ان کی عقلیں کمزور پڑ جاتی ہیں۔ اس کے باوجود یہ نقصان ان کے تباہ کن گناہوں کے ارتکاب کے لیے کامل سزا نہیں ہوتی۔

اسی طرح بعض لوگ ایسے ہیں جو ایسے کام سرانجام دیتے ہیں کہ جو حسن جزا کے مستحق قرار پاتے ہیں اور انہیں دلی سکون حاصل بھی ہوتا ہے ان کے جسم عافیت والے ہوتے ہیں لیکن یہ حسن جزاء کامل نہیں۔

ایک ایسا دن آنا چاہیے جس میں ہر برائی اور ہر نیکی کی جزاء و سزا مکمل دی جائے وہ یوم الدین ہے۔

(تفسیر مراغی، ج۱، ص ۳۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ ابراہیم میر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، لیکن برے اعمال پر بری جزاء نہ ہو تو شاکر و کافر، مطیع و عاصی، محسن و مسئ (برائی والا) اور نیکوکار) پرہیزگار و بدلگام بلکہ خود نیکی و بدی میں کوئی تمیز نہ رہے، اسی امتیاز کا نام انصاف ہے اور دین کا ایک معنی انصاف کا دن بھی ہے......

جب نیکی اور بدی کے نتائج مختلف ہیں تو نیکوں اور بدوں کے انجام بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ اس امتیاز کو قائم کرنے کا نام انصاف ہے۔(واضح البیان، ص ۱۷۱)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، جس طرح جسم انسانی کے قدرتی انفعالات ہیں۔ اسی طرح روح انسانی کے لیے بھی قدرتی انفعالات ہیں۔ جسمانی موثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں، معنوی مؤثرات سے روح متاثر ہوتی ہے۔ اعمال کے یہی قدرتی خواص و نتائج ہیں جنہیں جزاء و سزا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور یہ ثواب ہے۔ برے عمل کا نتیجہ برائی ہے اور یہ عذاب ہے......فطرت نے آگ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جلائے اب سوز و تپش فطرت کی وہ مکافات ہے جو ہر اس انسان کے لیے جو آگ کے شعلوں میں ہاتھ ڈال دے گا، ممکن نہیں کہ تم آگ میں کودو اور اس فعل کے مکافات سے بچ جاؤ۔

پانی کا خاصہ ٹھنڈک اور رطوبت ہے یعنی ٹھنڈک اور رطوبت وہ مکافات ہے جو فطرت نے پانی میں ودیعت کر دی ہے۔ اب ممکن نہیں کہ تم دریا میں اترو اور اس مکافات سے بچ جاؤ۔ پھر جو فطرت کائنات ہستی کی ہر چیز اور ہر حالت میں مکافات رکھتی ہے کیونکر ممکن ہے کہ انسان کے اعمال کے لیے مکافات نہ رکھے۔ یہی مکافات جزا و سزا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جزا و سزا کے لیے **"الدین"** کا لفظ اختیار کیا، کیونکہ مکافات عمل کا مفہوم ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں لفظ یہی ہے۔(ترجمان القرآن، ص ۱۵۴)

دنیا میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ ظلم کرتے کرتے دنیا سے چلے جاتے ہیں اور بعض لوگ دنیا سے ظلم سہتے سہتے چلے جاتے ہیں۔ ظالم کو ظلم کی سزا نہیں ملتی اور مظلوم کو جزا نہیں ملتی۔

اگر اس جہاں کے علاوہ کوئی اور جہاں نہ ہو تو پھر جزا و سزا کا معاملہ ادھورا رہ جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کی حکمت ہے ظالم کو سزا ہے اور مظلوم کو جزا ہے، ظاہر ہے جزا اور سزا کا نظام نافذ کرنے کے لیے اس جہاں کو ختم کرنا لازمی ہے، تب جزا و سزا دی جائے گی۔

اور یہ بھی ایک عقل و فکر کی بات ہے مکمل جزا و سزا تب ہی دی جا سکتی ہے جب کہ اعمال بند ہوں اور اعمال بند تب ہی ہو سکتے ہیں جب اس کائنات کو ختم کیا جائے۔ مثال کے طور پر قابیل قاتل ہے۔ اس نے قتل ایجاد کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے بعد جتنے قتل ہوں گے ان کے قتل کے جرم سے قابیل کے نامۂ اعمال میں گناہ لکھا جاتا رہے گا۔ جب تک یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا قابیل کا اعمالنامہ مکمل نہ ہوگا۔

اسی طرح کوئی نیکی کرتا ہے لوگوں کے لیے مسجد یا کنواں بنا کر فوت ہوجاتا ہے، جب تک یہ نیکی جاری رہے گی اس کے نامۂ اعمال میں شامل ہوتی رہے گی یہ تب ہی رکے گی جب یہ دنیا ختم کی جائے اور دوسرا جہاں آباد ہو۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے جزا و سزا کا نظام قائم کیا جائے اور اس نظام کو قائم کرنے کے لیے پہلے قیامت کا بپا ہونا ضروری ہے۔

قیامت کے بپا ہونے پر شرعی دلائل:

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴾ (الجاثیہ : ۲۱)

''کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں جو برائیاں کماتے ہیں یہ کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مانند کریں گے جو نیک عمل کرتے ہیں، ان کی زندگی اور ان کی موت برابر ہے۔ یہ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

یعنی وہ لوگ جو شرک اور نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ یہ کہیں کہ ہماری اور نیک عمل کرنے والوں کی زندگی اور موت برابر ہے یہ گمان سخت ناانصافی پر مبنی ہے۔ کیونکہ مؤمن جنت میں جائیں گے اور مشرک اور نافرمان دوزخ میں جائیں گے۔ یہ آیہ مبارکہ روز جزاء کے آنے کی ضرورت پر دلیل ہے۔

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝﴾ (القلم : ۳۵-۳۶)

''کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی مانند کریں گے۔ تمہیں کیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو۔''

یعنی وہ لوگ جو اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور جو اعضاء کو برائیوں میں لگا دیتے ہیں، فضل و عطاء میں انہیں روز قیامت برابر کریں گے تو یہ تو پھر ہم نے ظلم کیا یہ فیصلہ تم نے کہاں سے جاری کیا ہے یہ نہیں ہوگا نیک کو اچھی جزا ملے گی اور برے کو بری سزا ملے گی۔

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ (ص : ٢٨)

”کیا ہم بنائیں گے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان لوگوں کی مانند جو فساد کرنے والے ہیں زمین میں یا ہم متقی لوگوں کو فاجروں کی مانند کر دیں گے۔“

اس میں تردید ہے کہ کافر کہتے تھے کہ انہیں آخرت میں نعمتوں سے نوازا جائے گا اور اطاعت شعار اور پرہیز گار اور بدکار اور بدکردار برابر ہیں۔ اس کی تردید کی گئی ہے کہ وہ رب کائنات اور پیکر عدل رب ایسی ناانصافی نہیں کرسکتا، وہ نیکوں کو نعمت کا گھر دے گا اور برے لوگوں کا ٹھکانہ عذاب گاہ ہوگا۔

۴۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾﴾ (یٰس : ٥٤)

”پس آج کسی جان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ تم بدلہ دیئے جاؤ گے مگر جو تم عمل کرتے تھے۔“

اس میں روز حساب میں عدل الٰہی کو ثابت کیا گیا ہے تاکہ ہر جان مطمئن ہوجائے کہ اسے صرف عمل کا بدلہ ملا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آج کے دن جبکہ مخلوق اپنے رب کے سامنے کھڑی ہے کسی جان پر ظلم نہ ہوگا کہ اس کی ایک نیکی بھی کم نہ کی جائے گی اور نہ ہی ایک برائی کا اضافہ کیا جائے گا بلکہ بندوں نے خیر کی ہوگی خیر ملے گی برائی کی ہوگی تو شر ملے گی۔

جھوٹی نبوت کی شوخی

مرزا قادیانی کہتا ہے، سورت قصص کی آیت: ﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ﴾ ”اسی کے لیے ہے تعریف دنیا میں اور آخرت میں۔“

اس میں دو احمدوں کی طرف اشارہ ہے۔ ایک آنحضرت ﷺ کی طرف اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف ہے۔ (اعجاز المسیح، ص ۱۳۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ بے تکی سی بات ہے، کیونکہ آیت کا مضمون تو یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں دونوں جہان میں حمد و ثناء صرف اس ذات برحق کے لیے ہے۔ یہاں دو احمدوں کو مراد لینا ایک مسخرہ پن تو ہوسکتا ہے اس کی تفسیر نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک احمد ﷺ تو آقا ہیں۔ دوسرا احمد نہیں، غلام احمد ہے۔ دونوں احمدوں کو اکٹھا کرنے سے گستاخی ہوتی ہے کیونکہ اس طرح تو آقاء و غلام میں کوئی امتیاز نہ رہا۔ چہ نسبت خاک کا باعالم پاک۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ویسے بھی اس کذاب کا نام غلام ہے احمد تو اس کے باپ کا نام ہے۔ یہ تو دو احمد ہوتے ہی نہیں۔ احمد تو ایک ہی ہیں جو سچے نبی ﷺ ہیں، دوسرا تو غلام اور گستاخ ہے۔

جھوٹی نبوت کی تحریف

حکیم نور الدین قادیانی نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ اس نے دنیا اور قبر کو بھی یوم الدین میں سے بنا دیا ہے اور مولوی محمد علی لاہوری نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ کچھ نہ کچھ جزا دنیا میں اور قبر میں بھی ملتی ہے اس لیے اسے بھی یوم الدین میں شمار کر دیا۔ اس تحریف کی تصحیح یہ ہے کہ اوپر لغوی اور شرعی دلائل سے واضح کیا گیا ہے کہ یوم الدین سے مراد قیامت کا دن ہے۔

دوسرا مزید غور کریں۔ **یَوْم** مضاف (نسبت) کیا گیا ہے **الدین** کی طرف۔

اور **الدین** جو کہ مضاف الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی ہے) اس پر الف لام آیا ہے۔ یہ تخصیص کے لیے ہے۔ اب یہ جزاء کا خاص دن بن گیا جو کہ قیامت ہے۔ اگر عام ہوتا تو عبارت یہ ہوتی۔ **مَالِكِ الدِّيْنِ** کہ وہ جزا کا مالک ہے۔ یہ عام ہے دنیا، قبر، آخرت سب جزا اس میں شامل ہے۔

لیکن قرآن میں ہے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ اس میں خصوصیت ہے کہ وہ جزاء کے دن کا مالک ہے یہ خاص روز قیامت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود جزاء کا دن روز قیامت ہی کو قرار دیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

﴿هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝﴾ (واقعہ : ٥٦)

''یہ جزاء کے دن (قیامت) میں ان کی مہمانی ہوگی۔''

یعنی قیامت کے دن مجرموں کو تھوہر کے درخت سے مہمانی پیش کی جائے گی۔

قیامت کے دن کے چند نام

(١) **اَلْيَوْمُ الْاٰخِرُ**، سب سے پچھلا دن (٢) **یوم القیامه**، قیامت کا دن (٣) **يَوْمٌ عَظِيْمٌ**، عظیم دن (٤) **يَوْمٌ كَبِيْرٌ**، بڑا دن (٥) **يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ**، حاضری کا دن (٦) **يَوْمُ الْبَعْثِ**، اٹھنے کا دن (٧) **يَوْمُ الْحَسْرَةِ**، افسوس کا دن (٨) **يَوْمُ الْفَصْلِ**، فیصلے کا دن (٩) **يَوْمُ الْحِسَابِ**، حساب کا دن (١٠) **يَوْمُ التَّلَاقِ**، اللہ کی ملاقات کا دن (١١) **يَوْمُ الْاٰزِفَةِ**، نزدیک آنے والی گھڑی کا دن (١٢) **يَوْمُ الْوَعِيْدِ**، وعدہ عذاب کا دن (١٣) **يَوْمُ الْخُرُوْجِ**، قبروں سے نکلنے کا دن (١٤) **يَوْمُ الْخُلُوْدِ**، ہمیشگی کا دن (١٥) **يَوْمُ التَّغَابُنِ**، نقصان کا دن (١٦) اور ایک یہ **یوم الدین** بھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی نام ہیں۔ لیکن زیادہ مشہور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم نے درج کیے ہیں۔

اعمال پر جزا وسزا کا مرتب ہونا ایک فطرتی بات ہے

اعمال جتنے بھی ہیں خواہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں۔ روح کے حکم پر سرزد ہوتے ہیں۔ اعضاء تو اعمال صادر و جاری کرنے کے وسائل ہیں۔ اعضاء پر روح کا تسلط ہے یہ اعضاء اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کر سکتے۔

یہ یاد رہے روح کا یہ تسلط اختیاری ہے، اضطراری نہیں، یعنی یہ کام کریں یا رک جائیں دونوں طرف کا انہیں اختیار ہے اور ان دونوں اختیارات پر ضبط رکھنے والی قوت عقلیہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو نیکی پر ابھارتی اور بدی سے منع کرتی ہے اور اس قوت عقلیہ کی بھی رہنما اللہ کی مقرر کردہ شریعت ہے۔

اور قوت عقلیہ کے مقابلہ میں ایک قوت ہے جو اس کی ضد ہے وہ نیکی سے روکتی اور برائی پر ابھارتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ہاتھ ہے۔ اس سے آپ کسی مسکین کی دستگیری بھی کر سکتے ہو اور اسی سے کسی پر ظلم بھی کر سکتے ہو۔ یہ کام نفس کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ اہلیت رکھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰﴾ (الشمس: ۷ تا ۱۰)

''اور جان کی قسم اور جو اس نے اسے درست کیا ہے پس اسے فجور (برائی) کا الہام کیا اور اس کے تقویٰ کا الہام کیا۔ تحقیق کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا اور تحقیق ناکام ہوا جس نے اسے برائیوں میں گاڑ دیا۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نفس میں نیکی اور بدی دونوں کے جذبات رکھے ہیں۔ جو اسے فطری پاکیزگی پر رکھے گا وہ کامیاب ہوا اور جو اسے گناہ سے آلودہ کرے گا وہ اسے ناکامی میں لے جائے گا۔

ظاہر ہے جب نفس طہارت اور آلودگی رکھتا ہے، نیکی کرے تو تزکیہ کرتا ہے اور برائی کرے تو اسے ناکام کرتا ہے تو اس پر اعمال کے اثرات مرتب ہونا ایک فطرتی اور بدیہی معاملہ ہے۔

اگر انسان نفس کو برائی کا عادی بنا دے تو اس پر سزا لازمی امر ہے اور اگر یہ اسے نیکی کا خوگر بنائے گا تو اس کی اچھی جزا ہونا لازمی ہے۔

ارشاد باری بھی اس کی تائید کرتا ہے:

﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۱﴾

(البقرہ: ۸۱)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کیوں نہیں جس نے برائی کمائی اور اسے اس کی خطاؤں نے گھیر لیا پس یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ بار بار کے عمل سے اور اسے کثرت سے کرنے سے نفس پر اس کا رنگ چڑھتا ہے اگر برے عمل کا رنگ غالب آجائے تو بری سزا ملتی ہے اور اگر نیت و قصد نیک ہو تو وہ انسان اللہ کی رضا کے کاموں میں ترقی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے کاموں کے مطابق نیک جزا مرتب کرتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝﴾ (مریم : ۹۶)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب رحمن ان کے لیے دوستی کرے گا۔''

اس سے ثابت ہوا ایمان اور نیک عمل پر اچھی جزا مرتب ہوتی ہے۔ یہ ایک فطرتی بات ہے۔

برے اعمال پر بری جزا کی نحوست

اگر انسان کے عمل برے ہوں یا اس کی نیت بری ہو تو یہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس کی تائید میں ہم چند آیات درج کرتے ہیں:

۱۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝﴾ (الرعد : ۲۵)

''اور جو لوگ پختہ کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، یہ لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔''

عہد شکنی کرنے والے اور قطع رحمی کرنے والے اور زمین میں فساد کرنے والے لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

۲۔ قرآن پاک میں آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ۙ﴾ (البقرہ : ۱۵۹)

''بے شک وہ لوگ جو ہم نے نازل کیا ہے ظاہر دلائل سے اور ہدایت سے اسے چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے بیان کیا ہے کتاب میں یہ لوگ ہیں انہیں اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں اس میں بھی نافرمانوں کی سزا بتائی گئی ہے کہ حق چھپانے والے لعنتی ہیں۔‘‘

اور بعض ایسے نافرمان ہیں ان کے دلوں پر مہر لگا کر سزا سنائی گئی ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (محمد : ۲۴)

’’کیا یہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔‘‘

یعنی جو قرآن پاک پر غور نہ کرے گا اس کے دل پر تالا لگ جائے گا۔

۳۔ ارشاد باری ہے۔ بعض لوگ نبی ﷺ سے سنتے آتے تھے اور جب باہر جاتے تو کہتے ابھی پیغمبر نے کیا کہا تھا، ایسا وہ مذاق کے طور پر یا توجہ نہ کرنے سے کہتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لیے فرمایا:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴾ (محمد : ۱۶)

’’یہ وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر طبع (مہر) لگا دی اور انہوں نے اپنی خواہشات کی اتباع کی۔‘‘

ثابت ہوا کہ شریعت پر طنز و مزاح کے تیر برسانے اور خواہشات کی برآری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ سب سے بڑی سزا ہے۔

۴۔ ارشاد باری ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴾ (النساء : ۱۳۷)

’’بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر وہ کفر میں زیادہ ہوتے گئے، انہیں نہ اللہ تعالیٰ بخشے گا اور نہ انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے گا۔‘‘

ان کا یہ منافقانہ رویہ ان کے کفر میں اضافہ اور ان کی گمراہی میں اضافہ کا باعث ہوا تھا۔ ثابت ہوا کہ لوگوں کے کفر اور نافرمانی کی جتنی شدت تھی اسی کے مطابق ان سے سلوک کرنے کا قانون بتایا ہے۔

اور دوسرا ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وبال اور سزا ان کے اعمال ہی سے ہے، اللہ تعالیٰ نے زبردستی نہیں کی، یہ ان کے اعمال کی شامت تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾ (النساء : ۱۴۷)

''اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ تمہیں عذاب کرے۔ اللہ تعالیٰ تو قدر دان جاننے والا ہے۔''

شاعر نے خوب ترجمانی کی ہے:

عام ہیں اس کے انعام شاہی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا ہے:

﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ (نباء : ۲۶)

''بدلہ ہے پورا۔''

تفسیر رحمانی والا اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

''اَیْ مُوَافِقًا لِاَعْمَالِهِمْ''

''یعنی ان کے اعمال کے مطابق جزاء ہے۔''

ان ہماری بیان کردہ آیات سے معلوم ہوا کہ برے اعمال کی دنیا میں بھی بری سزا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کا کہا ہے اور ہدایت سے گمراہ کرنے کا کہا ہے یہ لوگوں کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے کہا ہے کہ جب لوگ کفر، ضلالت اور برائیوں کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے اپنی توفیق اٹھا لیتا ہے، حق بات وہ قبول نہیں کرتے اسے ہی اللہ کے مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دنیا کی سزا جزوی ہے

اوپر تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دنیا میں جرم کی سزا قانون الٰہی ہے اور عین فطرت کے مطابق ہے لیکن یہ مکمل سزا نہیں یہ ایک جزوی سزا ہے اور برے اعمال پر بری سزا اور اچھے اعمال پر اچھی جزا دی جاتی ہے۔

اس میں ایک حکمت ہے دنیا میں ہمارے بعض اعمال صالحہ کے اچھے نتائج ظاہر کر دیئے جاتے ہیں تاکہ بندے کی حوصلہ افزائی ہو اور یہ نیکی کے مدارج میں ترقی کرے اور اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہو جائے اور بعض برے اعمال کے برے نتائج بندے کے سامنے سزا کی صورت میں آتے ہیں تاکہ یہ اللہ کی ناراضی بھانپ کر برائی سے رک جائے۔

جن آیات میں ایمان والوں اور صاحب حسن کردار کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے ان میں سے چند آیات

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سماعت فرمائیں۔

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

(یونس : ٦٢۔ ٦٤)

''خبردار! بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ تو خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے جو لوگ ایمان لائے اور پرہیزگار تھے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں ایمان والوں اور تقویٰ والوں کو دنیا و آخرت کی بشارت دی ہے اور خوف و ہراس اور غمزدہ ہونے سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ ﴾ (النور : ٥٥)

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو اس نے خلیفہ بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو مضبوط کرے گا جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ضرور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ یہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو دنیا میں خلافت دینے اور امن بپا کرنے اور دین مضبوط کرنے کا وعدہ کیا ہے اور یہ پورا ہوا ہے یہ صلہ دنیا میں ملا ہے اور آخرت میں پورا صلہ ملے گا۔

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ بِمَا صَبَرُوْا ۭ ﴾ (الاعراف : ١٣٧)

''اور ہم نے وارث بنایا قوم کا ان لوگوں کو جو زمین کے مشرق اور مغرب میں ناتواں تصور کیے جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے، اس زمین کا وارث بنایا جس میں ہم نے برکت کی اور تیرے رب کا اچھا کلمہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا جو انہوں نے صبر کیا۔"

اس آیۂ مبارکہ میں دنیا میں بنو اسرائیل کو صبر کا صلہ اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ فرعون اور اس کی قوم کو غرقاب کر کے ان کی سرزمین کا وارث بنا دیا۔

۴۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾ (البقرہ : ۱۳۰)

"اور البتہ تحقیق ہم نے اسے چن لیا اور بے شک وہ آخرت میں نیکوں میں سے ہے۔"

یہ جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بیان ہے کہ یہ کئی امتحانات سے گزرے اور کامیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں اس کا یہ صلہ دیا کہ آپ کو دنیا کا امام بنا دیا اور ممتاز مقام سے نوازا، آخرت کا انعام تو بہت ہی بڑا ہے۔

۵۔ ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ (الفتح : ۱۷)

"البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ایمانداروں سے راضی ہوا جب یہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، اس نے جو ان کے دلوں میں ہے وہ جان لیا اور ان پر سکینت نازل کی اور انہیں قریب کی فتح سے ہمکنار کیا۔"

اس آیۂ مبارکہ میں مقام حدیبیہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر جانثاری کا اظہار کرتے ہوئے بیعت کی تو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ صلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے دلی اخلاص کا اعلان کر رہے ہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر سکینت طاری کر دی اور قریبی جنگ میں کامیابی کی نوید سنائی۔ سب سے بڑا انعام یہ کہ ان پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

۶۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

(آل عمران : ۱۴۸)

"انہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کا ثواب دیا اور آخرت کا ثواب اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے محبت کرتا ہے۔''

یہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے غازیوں کا صلہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے میدان کارزار میں اپنے گناہوں کی مغفرت کی منت مانگی اور ثابت قدمی کی دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان جنگ میں کامیابی سے سرفراز کیا اور مال غنیمت دیا۔

قارئین کرام! ان تمام آیات میں دنیا میں جزائے خیر دینے کا ذکر ہے اور ساتھ ہی آخرت کے بہتر ثواب کی نوید مسرت بھی ہے۔ ثابت ہوا کہ دنیا میں نیک اعمال پر جزا ملنا ایک حوصلہ افزائی کا انعام ہے جو بہت جلد عطا کر دیا جاتا ہے۔ مکمل انعام وصلہ ابھی آخرت پر ملتوی کر دیا گیا ہے۔

برائی پر دنیا میں سزا بھی ملتی ہے

جیسا کہ اوپر ہم نے وضاحت کی ہے کہ نیکی کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے تاکہ حوصلہ افزائی ہو۔

اسی طرح برائی کی سزا بھی دنیا میں ملتی ہے، یہ ظلم نہیں بلکہ برائی سے روکنے کا ایک ذریعہ ہے اور آخرت کی سزا اس سے سخت ہے۔ لیجئے یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝﴾ (الطلاق : ۸)

''اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم میں سرکشی کی اور اس کے پیغمبروں کے حکم سے روگردانی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور انہیں برا عذاب دیا۔''

اس آیۂ مبارکہ میں اپنے رب کے سرکشوں اور رسولوں کے باغیوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ دنیا میں بھی انہیں سخت سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝﴾ (حم السجدہ : ۱۶)

''پس ہم نے ان پر سخت ہوا بھیجی منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں رسوائی کا عذاب چکھائیں دنیا کی زندگانی میں البتہ آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کن ہے اور یہ مدد نہ کیے جائیں گے۔''

اس آیۂ مبارکہ میں قوم عاد کی نافرمانیوں کی وجہ سے تند و تیز ہوا کا عذاب آیا جس نے اس قوم کو کچل کر رکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ یہ دنیا میں انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے، آخرت کی سزا اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگی۔

۳۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾﴾ (السجدہ : ۲۱)

''اور البتہ ضرور ہم چکھائیں گے انہیں گھٹیا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ یہ لوٹ آئیں۔''

اس آیہ مبارکہ میں نافرمانوں پر عذاب دنیا کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے اور ساتھ وجہ بتائی گئی ہے کہ ہم بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ برائی چھوڑ کر نیکی کی طرف پلٹ آئیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں وگرنہ کوئی ہمیں عذاب دینے کا شوق نہیں۔

۴۔ ارشاد باری ہے:

﴿ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾﴾ (المائدہ : ۳۳)

''یہ ہے ان کے لیے رسوائی دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔''

یہ ان لوگوں کے لیے بیان کیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ چھیڑتے ہیں۔

۵۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾﴾ (العنکبوت : ۴۰)

''پس ہم نے ہر ایک کو ان کے گناہوں کے بدلے پکڑا پس ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھراؤ کیا اور بعض وہ جسے چنگھاڑ نے پکڑا اور بعض وہ جسے ہم نے زمین میں دھنسایا اور بعض وہ جسے ہم نے غرق کر دیا اور اللہ تو ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

اس آیہ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ گزشتہ امتوں میں سے عاد قوم، ثمود قوم، فرعون، قارون، ہامان وغیرہ نے اس دنیا میں نافرمانی کی تو یہاں ان پر درج بالا عذاب آئے۔ باقی آخرت کا عذاب تو ان کے علاوہ آئے گا۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ نافرمانوں کو اس دنیا میں جزوی سزا ملتی ہے، خواہ جلدی ملے یا دیر سے ملے، مکمل سزا آخرت میں ملے گی۔

موت کی غشی کے وقت بھی جزوی جزا وسزا ہے کلی نہیں

رات اور دن کی مشغولیت کی وجہ سے انسانی روح میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ اس سے جدا نہیں ہوتی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بلکہ اس کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے مگر موت کی بے ہوشی سے تمام قوائے انسانی مضمحل (کمزور) ہو کر جسمانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور روح اپنے حاصل کردہ اعمال کے ساتھ اکیلی رہ جاتی ہے۔ پوری سزا تو تب ہو جب یہ دونوں اکٹھے رہیں۔ اس لیے یہ دلیل کہ موت کی غشی میں جو جزا و سزا ہے وہ جزوی ہے کلی نہیں تو اس روح نے جو کمایا ہوتا ہے اللہ کے فرشتے اس سے اس کے مطابق سلوک کرتے ہیں اور فرشتوں کی ملاقات سے روح کو اپنی قابلیت کے مطابق مسرت یا خوف حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو نیک ہیں انہیں موت کے وقت کہا جاتا ہے۔

﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾﴾ (الفجر : ۲۷۔۳۰)

''اے اطمینان والی جان! لوٹ جا اپنے رب کی جانب تو خوش ہوگی اور پسندیدہ ہوگی میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔''

مگر جو بدکردار اور برے لوگ ہیں انہیں جان کنی کے وقت مار پڑتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾﴾ (محمد : ۲۷)

''پھر کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے مارتے ہوئے ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ کی ناراضی والے کام کیے۔''

۲۔ سورت انفال (۵۰۔۵۱) میں بھی کہ کاش تم وہ کیفیت دیکھ لو جب کافر فوت ہوتے ہیں تو فرشتے ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلانے والا عذاب چکھو۔ اللہ نے ظلم نہیں کیا، یہ تمہارا خود ہی کیا دھرا ہے۔

۳۔ سورۃ انعام (۹۳) میں بھی ہے، اللہ پر افتراء باندھنے والوں، نبوت کا انکار کرنے والوں اور خود نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا اگر تم انجام دیکھو، یہ ظالم موت کی بے ہوشی میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوں گے، نکالو اپنی جانیں، آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار۔

ثابت ہوا موت کی غشی میں جو سزا و جزا ہے وہ جزوی ہے کلی نہیں۔ وہ کلی مکمل حساب کتاب کے بعد ہوگی۔

قبر میں بھی جزوی عذاب و ثواب ہے

دو چیزوں کے درمیان حد فاصل کو برزخ (پردہ اور آڑ) کہتے ہیں، یہ موت اور قیامت کے درمیان ہے، اس وقفہ کو عالم برزخ کہتے ہیں۔

دنیا کی اکثر آبادی مسلم یہود و نصاریٰ میں سے جو قیامت کے قائل ہیں کیونکہ یہ اپنے مردوں کو دفن کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں یہ مانتے ہیں کہ عالم برزخ ہے تب ہی تو یہ مردے دفن کرتے ہیں۔ دنیا میں دوسرا نظریہ تناسخ کا ہے (کہ روح اچھی ہوتو اچھے جون میں بری ہوتو بری چیز کے روپ میں واپس آجاتی ہے۔مگر برزخی احوال کے یہ بھی منکر نہیں کیونکہ یہ مردہ کے جون بدل کر اچھی یا بری صورت میں اس کی روح کے دنیا میں آنے کے قائل ہیں تو گویا کہ انہوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ روح کی جزاوسزا کے فیصلہ تک روح عالم برزخ میں رہتی ہے، پھر اچھی یا بری جون بدل کر دنیا میں آتی ہے۔

ہندوؤں کی کتاب (برہدارنیہ اوپ میں اور آریوں کی کتاب (ستیارتھ پرکاش سمولانھم (۹) اور یازدہم (۱۱) میں باقاعدہ لکھا ہے۔ مرنے کے بعد جیونتر دیکھش (برزخ) میں رہتے ہیں اسی کو پتری لوک (برزخ میں زندہ رہنا) کہتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ عالم برزخ میں کسی کو اختلاف نہیں اختلاف برزخ کے بعد والی حالت میں ہے کہ جنت، دوزخ کی صورت میں قیامت کے دن ہوگا یا تناسخ کی صورت میں بار بار اسی دنیا میں اچھی بری جون میں آنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ برزخ میں بھی جزوی فیصلہ ہے کلی فیصلہ روز قیامت ہوگا۔

برزخ میں جزوی عذاب کی دلیل:

ارشاد باری ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝﴾ (المؤمن : ٤٦)

''آگ کا عذاب یہ صبح و شام اس کے سامنے کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی کہا جائے گا داخل کرو آل فرعون کو سخت سے سخت عذاب میں۔''

اس آیہ مبارکہ میں آیا ہے برزخ میں آل فرعون کو عذاب ہورہا ہے اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب ہوگا۔ معلوم ہوا جو اب ہورہا ہے یہ جزوی سزا ہے مکمل عذاب قیامت کے دن ہوگا۔

ایک شبہ جو دفن نہیں ہوتے ان کو عذاب قبر کیسے ہوتا؟

اگر عذاب قبر برحق ہے تو جو لوگ دفن نہیں ہوتے یا ان کو کوئی درندہ کھا جاتا ہے تو ان کو عذاب قبر کس طرح ہوتا ہے۔

اس شبہ کا ازالہ:

یہ ہے کہ قبر کا لفظ عالم برزخ کے لیے اس وجہ سے بولا گیا ہے یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دستور آرہا ہے کہ مردوں کو قبر میں دفن کرتے ہیں۔ وگرنہ عالم برزخ کے حالات صرف قبر کے ساتھ مخصوص نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو شخص بھی فوت ہوتا ہے، عالم برزخ میں اس کے اعمال کے مناسب جزوی دکھ سکھ پہنچتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ مالک ومختار ہے وہ برزخ میں دکھ سکھ پہنچانے کے ہر طریقے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جسم تو فنا ہو جاتا ہے۔ درندوں کا لقمہ بن سکتا ہے آگ میں جل جاتا ہے۔ پانی میں غرق ہو جاتا ہے مگر روح نہ جلتی ہے نہ پرندوں کا لقمہ بنتی ہے یہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عذاب قبر ہی عذاب برزخ ہے جو شخص مر جائے اور وہ عذاب کے لائق ہو تو اسے اس کا حصہ مل جائے گا۔ دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے اس کو درندے کھا جائیں یا اسے جلا دیا جائے حتیٰ کہ اسے خاکستر بنا کر ہوا میں اڑا دیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا دریا میں غرق ہو جائے تو اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب ضرور پہنچ کر رہے گا جو دفن کیے ہوئے کو پہنچا ہے۔ (کتاب الروح، ص ۹۲)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ روح اور جسم کے پانچ تعلقات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ روح اور جسم کا وہ تعلق ہے جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

۲۔ پیٹ سے دنیا میں آنے اور زمین پر رہنے کے وقت روح اور جسم کا تعلق۔

۳۔ نیند میں روح اور جسم کا تعلق یہ کچھ جدا بھی ہوتا ہے اور کچھ تعلق دونوں کا باقی ہوتا ہے۔

۴۔ روح اور جسم کا عالم برزخ میں تعلق اس حالت میں اگرچہ بظاہر روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے لیکن یہ تعلق کلی طور پر نہیں ٹوٹتا کہ ذرہ بھی روح تعلق نہ رکھتی ہو جیسا کہ قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں تو روح لوٹائی جاتی ہے مگر یہ تعلق ایک عارضی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں۔

۵۔ روح اور جسم کا تعلق وہ ہے جو روز قیامت ہوگا اور یہ سب قسموں سے کامل تعلق ہے کیونکہ اس تعلق میں نہ موت آئے گی اور نہ ہی نیند آئے گی۔ (کتاب الروح، ص ۶۸)

الغرض عالم برزخ کی راحت و تکلیف کے اثبات میں قرآن و حدیث یک زبان ہیں اور یہ عین عقل کے مطابق بھی ہے۔

کلی فیصلہ روز قیامت ہوگا

منکرین قیامت اکثر یہ شبہ ڈالتے ہیں کہ کلی فیصلے کے لیے ایک خاص دن کیوں مقرر کیا گیا ہے، جبکہ دنیا میں سکرات موت (موت کی بے ہوشی) اور برزخ میں بھی جزا و سزا ہوتی ہے۔ انہیں میں سارا معاملہ کیوں ختم نہیں کر دیا گیا۔ اسے روز قیامت کے لیے کیوں اٹھا رکھا ہے؟

تو اس بارے میں سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ پر اختیار رکھتا ہے۔ وہ مالک ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہے کرسکتا ہے اور وہ جو بھی کرتا ہے اس کی مشیت ہوتی ہے اور جو نہ ہو وہ بھی اس کی مشیت ہوتی ہے اور اس کی مشیت اس کی حکمت کے ماتحت ہے خواہ اسے ہم سمجھیں یا نہ سمجھ سکیں۔ ظاہر ہے اس قدرت والے اور قہر و غلبہ والے حکیم و دانا رب نے اگر کلی فیصلے کے لیے ایک خاص دن مقرر کیا ہے تو اس میں بڑی حکمت ہے اور وہ مالک ہے اس نے جو مقرر کیا ہے اسے تسلیم کرنا چاہیے۔

۲۔ فیصلہ کے لیے خاص دن مقرر کرنے کی یہ حکمت و مصلحت ہے۔ جان کنی کی بے ہوشی اور برزخ میں جو بھی جزاوسزا ہے وہ جزوی ہونے کے علاوہ انفرادی ہے۔ یہ جس جان پر وارد ہوتی ہے اسے ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ دوسرے اس سے بے خبر رہتے ہیں اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام بھی فیصلہ کن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں، بعض اوقات نیکوں پر مصائب و آلام نازل ہو جاتے ہیں جن سے ان کے صبر و استقامت کی آزمائش ہوتی ہے، ان کے سرخرو ہونے کی وجہ سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور برے لوگ دندناتے پھرتے ہیں۔ کبھی سچے لوگ محروم رہتے ہیں اور جھوٹے میدان جیت جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق مغلوب ہو جاتا ہے اور باطل غالب آجاتا ہے۔ مگر یہ باطل کا غلبہ عارضی ہوتا ہے آخر حق غالب آتا ہے اور ایک ظالم نے ظلم کیا ہوتا ہے اس کا بدلہ موت کی غشی اور برزخ میں سزا سے اسے تو مل گیا لیکن اگر اس کا ظلم دوسرے انسان تک بھی ہے تو اسے انفرادی سزا تو مل گئی مگر دوسرے مظلوموں کی حق رسی کے لیے اور رسولوں نے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ کی اور جن لوگوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا ان کے بارے میں فیصلے دنیا میں ممکن نہیں نہ ہی نزع کے وقت اور برزخ میں یہ ممکن ہے۔ لہٰذا ایک ایسے دن کا ہونا ضروری تھا جس میں یہ سب امورحق طے ہوں اور ایسے فیصلے ہوں کہ کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے مکمل فیصلہ ہو کسی قسم کا انتظار باقی نہ رہے اور جزاوسزا سب کے سامنے عام ہو۔ ظالم و مظلوم دونوں اللہ کی عدالت میں حاضر ہوں اور حقدار کو ظالم و غاصب سے حق دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ان کی قوم میں جو منکر تھیں، دونوں اللہ کے سامنے پیش ہوں اور رسولوں اور ان کے تابع لوگوں کو انعام و اکرام سے نواز کر منکروں پر ثابت کیا جائے کہ پیغمبر اور ان کے فرمانبردار لوگ ہی حق پر تھے اور منکرین غلط تھے۔

۳۔ کلی فیصلہ کا دن مقرر کرنے کی ضرورت کے لیے یہ قاعدہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ کسی چیز کا تقرر و ثبوت عقل اور طبع کی بناء پر نہیں بلکہ وضع (بنانے) کے اعتبار سے ہے۔

اور یہ بات ہر ایک کے ہاں مسلم ہے کہ دنیا و جہان کا مالک اور واضع (بنانے والا) اور اس کے چھوٹے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے تمام امور کا کلی اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، دوسرے کی کسی بھی قسم کی اس میں شرکت نہیں۔

اور دوسری یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ جو بھی وضعی (تیار کیا گیا) معاملہ ہے۔ اس کا وجود ہمیشہ رہنا لازمی نہیں ہوتا عارضی ہوتا ہے اور اس کے واضح (وضع کرنے والے) کی مرضی اور مصلحت کے مطابق یہ باقی رہتا ہے جب تک چاہے وہ اس سلسلے کو باقی رکھے اور جب چاہے اسے توڑ دے۔

اور یہ بھی سمجھ لیا جائے اللہ تعالیٰ ارادہ اور اختیار والا ہے وہ کسی کا مجبور نہیں۔ تو ثابت ہوا جہاں کی بقا و فنا بھی اس کی مصلحت اور ارادے سے ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تیرے ہاتھ میں ہے فنا و بقا تیری شان جل جلالہ

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے اور علم سے اس جہان کی ایک میعاد مقرر کی ہے۔ اس کے پورا ہو جانے پر اس کے فنا کا حکم وارد کر دے گا اور کلی فیصلے کرے گا۔

وزن اعمال کی بحث:

وزن اعمال کا ثبوت قرآن پاک کی درج ذیل آیات سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۸۔۹)

''اور اس روز وزن اعمال بالکل حق ہے۔ پس جس کسی کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہی نجات پائیں گے اور جس کے اعمال کا وزن ہلکا ہوگا پس وہ ہی ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا۔ اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں سے بے انصافی کرتے تھے۔''

۲۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء: ۴۷)

''اور ہم قیامت کے دن عدل والے ترازو قائم کریں گے پس کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا اگرچہ وہ عمل رائی کے دانے کا بھی ہم وزن ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور اتنے بڑے کام کے لیے ہم خود بڑے محاسب ہیں۔''

۳۔ ارشاد باری ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾﴾

(النساء : ٤٠)

''بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا اور اگر وہ عمل کوئی نیکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا کر کئی گنا اضافہ کر دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا۔''

وزن اعمال کا حدیث سے ثبوت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، یہ دو کلمے خدائے رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ زبان پر بہت ہلکے ہیں، میزان میں بہت بھاری ہوں گے۔

(بخاری، آخری حدیث)

وزن اعمال کے متعلق ایک شبہ

عقل پرستوں کو یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ وزن ذی مقدار اجسام کا کیا جاتا ہے اور اعمال و اقوال ذی مقدار اجسام نہیں تو ان کا وزن کیسے ہوگا، نہ ان کی مقدار ہے نہ ان کا جسم ہے۔

اس شبہ کا ازالہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر جسمانی چیزوں کو مقدار کے لفظوں میں بیان کرنا ہر زبان کا محاورہ ہے۔ آپ کہا کرتے ہیں، ذرہ بھی فکر نہ کرو اور یہ بھی کہتے ہیں۔ مجھ پر غموں کے پہاڑ آپڑے ہیں۔ حالانکہ فکر اور غم کا جسم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کمی اور بیشی ہر شی میں ہوتی ہے۔ جسموں میں بھی اور معانی میں بھی اور کیفیت میں بھی اور ان کے بیان کرنے کے لیے ایک میزان ہے۔ اسی طرح نیک یا بد اعمال کی مقدار معلوم کرنے کے لیے ایک میزان ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس طرح ہمارے ہاں میزان ہے، یہ بھی اسی طرح کی ہو۔ اسی وجہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ اعراض (جو مستقل نہ ہوں) اور معانی جن کا وجود نہیں وہ کیسے تلیں گے۔

اگر یہ سمجھ میں آجائے کہ ہر چیز کا میزان اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوتا ہے تو پھر یہ شبہ خود بخود ہی ختم ہوجاتا ہے۔ علم اشعار کے ماہر شعروں کے وزن کے لیے ایک میزان بتاتے ہیں اور علم صرف کے ماہرین بھی صیغوں کے لیے ایک میزان قرار دیتے ہیں۔ مگر ان کے ترازو دو پلڑوں والے نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی میزان میں ایک باٹ اور ایک طرف شعر یا صیغہ رکھا جاتا ہے۔

ہم جو بھی عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس وہ سب دفتروں کے دفتر لکھے ہوئے ہیں اور وہ قیامت کے دن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سب ہمارے سامنے لائے جائیں گے اور وزن کیے جائیں گے لیکن مقابلہ کاغذوں کے بوجھ کا نہ ہوگا عملوں کی انواع اور کوائف کے رو سے ہوگا۔

تو وزن کی دو صورتیں ہیں نیکی اور بدی اور اطاعت کے کاموں کو وجود دیا جائے گا اور میزان میں وزن کیا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اعمال صحیفوں میں لکھے ہوں گے اور صحیفے جسم ہیں۔ ان کا وزن ہوسکتا ہے اور اعمال کا لکھا جانا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

﴿كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴾(الانفطار : ۱۱)

عزت والے فرشتے جو تم کرتے ہو وہ لکھتے ہیں۔ (الکھف: ۱۵) میں کتاب رکھنے کا ذکر ہے اور (سورت جاثیہ پ ۲۵) میں بھی ہے ہم لکھواتے تھے جو تم کرتے تھے۔

اور بخاری کی آخری حدیث میں کلمات (سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم) ان کا ایک وصف یہ بیان ہوا ہے، یہ ہلکے ہیں، زبان پر آسان ہیں اور دوسرا وصف ہے میزان میں بھاری ہیں، تیسرا وصف ہے یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔

تو سب لوگ منکرین وزن یا قائلین ان کے زبان سے جاری ہونے اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کو تسلیم کرتے ہیں جب حدیث کے ان دو اوصاف کو تسلیم کرنے میں کسی کو اعتراض نہیں تو پھر اعمال کے وزن میں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اعراض ہونے کے باوجود (وزن کیے جائیں گے انہیں صحیفوں کی صورت میں یا مجسم بنا کر وزن کیا جائے گا)

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اعمال کا وزن کا فائدہ یہ ہے کہ عدل کو ظاہر کیا جائے اور انصاف میں یا کسی کو ملزم ٹھہرانے میں انتہائی گہرائی اختیار کی جائے تاکہ اللہ کے بندوں کو کسی قسم کا عذر باقی نہ رہے اور انہیں ہاتھوں کی کمائی نظر آجائے اور علم ہو کہ اللہ نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔ (شرح بخاری، ج ۱۱، ص ۶۳۲)

وزن اعمال کے بعد نتیجہ جنت یا دوزخ

وزن اعمال کے بعد نیک لوگوں کو ان کے نیک عمل بھاری ہونے کی وجہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا اور منکر اور بدکردار لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴾(الشوریٰ : ۷)

''ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں جائے گا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورسورت الحاقہ (آیت: ۱۹ تا ۲۴) میں جنت کی نعمتوں کا پرمسرت تذکرہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال لینے والے سے کہا جائے گا، من بھاتی زندگی میں رہو، عالی شان جنت میں رہو جس کے میوے جھک رہے ہیں، ان نعمتوں سے فائدے اٹھاؤ۔

اور اسی سورت کی آیت (۲۵ تا ۳۲) میں ہے جنہیں نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا اور ان کے اعمال کا وزن کم ہوگا وہ حسرت مند ہو کر کہیں گے، میرا اعمال نامہ ہی نہ ملتا، مجھے حساب سے مطلع ہی نہ کیا جاتا۔ آہ، کاش مجھے موت آجائے۔ میرا مال کام نہیں آیا، میری سلطنت پائمال ہوگئی، حکم ہوگا انہیں پکڑ کر جکڑ لو اور ستر (۷۰) ہاتھ زنجیروں میں ڈال کر انہیں دوزخ میں داخل کر دو۔

چند جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کا موازنہ

۱۔ جنت میں گھنے اور وسیع سائے، دوزخ میں سیاہ دھواں۔

۲۔ جنت میں پینے کے میٹھے چشمے اور نہریں، دوزخ میں پینے کے لیے کھولتا پانی جس سے انتڑیاں کٹ جائیں گی۔

۳۔ جنت میں انواع و اقسام کے کھانے اور میوہ جات، دوزخ میں کھانے کے لیے زہریلا تھوہر کا درخت خوراک ہوگا۔

۴۔ جنت میں پہننے کے لیے عمدہ ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے زیورات، دوزخ میں آتشیں لباس اور گندھک کا پہناوا ہوگا۔

۵۔ جنت میں رہنے کے لیے عالی شان محلات اور پر تکلف فرنیچر ہوگا اور عمدہ قالین اور گاؤ تکیے ہوں گے اور دوزخ میں آگ سے بھری تنگ کوٹھریاں اور زنجیروں نے جکڑا ہوگا۔

۶۔ جنت میں سونے اور چاندی کے برتن، دوزخ میں قہر آلود فرشتے اور ان کی لعنت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جنت کی نعمتوں کا وارث بنائے اور دوزخ کی تکالیف سے محفوظ فرمائے۔ آمین

جنت اور دوزخ کے منکروں کے اعتراضات

جنت کی راحتیں اور دوزخ کی تکلیفیں جسمانی ہیں۔ قرآن و حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت اور بزرگان شریعت اور ہادیان طریقت سے بھی یہی ثابت ہے۔ اسلام جسمانی جزا و سزا کا قائل ہے۔

مگر بعض عقل پرست اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ منکر دو قسم کے ہیں۔ (۱) جو سرے سے اسلام کے منکر ہیں (۲) وہ مسلمان ہیں جو اسلام کے قائل ہیں مگر کم علمی یا کج فہمی کے سبب یہ منکرین کے اعتراضات سے متاثر ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جنت و دوزخ کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

۱۔ جنت کا تمسخر اڑانے والے کہتے ہیں، قرآن کی بہشت میں بھی وہی چیزیں ہیں جو دنیا میں ہیں، مگر دنیا میں عورتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور وہاں بیبیاں ہمیشہ رہتی ہیں، جب تک قیامت کی رات نہ آئے گی تب تک ان بے چاریوں کے دن کیسے گزریں گے۔ وغیرہ ستیارتھ)

یہ منکر اسلام غیر مسلم کہتا ہے۔

اور جو اسلام کا قائل ہے مگر غیر مسلموں سے متاثر ہے اس کے خیالات سماعت کریں۔ یہ جنت کے متعلق کہتا ہے، کوئی کسی کونے میں بے ہودگی ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر جنت یہی ہے تو بلا مبالغہ ہمارے خرابات (شراب خانے اور طوائف خانے) اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ (تفسیر احمدی، ج ۱، ص ۳۸)

ایک غیر مسلم اور اسلام کے نام نہاد قائل دونوں کے انداز میں ایک دوسرے کا عکس نظر آ رہا ہے۔

اس پر تبصرہ:

یہ جو بہشت بریں کی ہر چیز کو دنیا میں موجود ہونے کا کہا گیا ہے، یہ نہایت ہی غلط ہے کیونکہ یہ دنیا تو عالم فنا ہے اور آخرت عالم بقا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو جنت تو اعلیٰ اور دائمی ہے۔ قرآن بھی کہتا ہے۔

﴿وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝﴾ (اعلیٰ: ۱۷)

''اور آخرت کا عالم بہتر بھی ہے اور دائم رہنے والا ہے۔''

باقی رہی بات ان کے دن کیسے گزریں گے، ہندو کہتے ہیں کہ ان کی نیک اور پاک دیویاں ہیں، جنت والی عورتوں کے دن اسی طرح گزرتے ہیں جس طرح تمہاری نیک اور پاک دیویوں کے دن گزرا کرتے ہیں۔

اور جو جنت کو خرابات قرار دیا گیا ہے۔ ایک تو بات ہے کہ طوائف خانوں اور شراب خانوں میں ایمان اور عمل صالح کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ جنت میں ایمان اور عمل صالح کے بغیر داخلہ ممکن نہیں اور جنت میں شراب خانوں کی مانند کونوں میں رہنے کا کوئی تصور نہیں وہاں بہترین محلات میں مؤمن اپنی نیک اور منکوحہ بیویوں کے ساتھ زندگی گزاریں گے۔

جسمانی حشر کے دلائل

دراصل جنت کی راحتوں اور دوزخ کی کلفتوں کا استہزاء اڑانے اور انہیں تسلیم نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ جسمانی طور پر حشر کے قائل نہیں کہ مرنے کے بعد اکٹھا ہونا ممکن نہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور عقل و فکر کے بھی خلاف ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جسمانی حشر کی دلیل قرآن سے

جو جسمانی حشر کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں جسم زمین کے اندر دفن کیے جاتے ہیں آخر یہ خاک ہو جاتے ہیں۔ ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور بعض مردے جلا دیئے جاتے ہیں۔ ان کے جسم راکھ ہو جاتے ہیں اور ہواؤں اور دریاؤں میں بہہ جاتے ہیں۔ بعض کو درندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں اور وہ ختم ہو جاتے ہیں تو ثابت ہوا جسموں کا اٹھایا جانا محال ہے۔

ہماری گزارش ہے کہ یہ اعتراضات اس وقت بھی کیے گئے تھے جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا۔ ان اعتراضات کا جو جواب قرآن پاک نے دیا ہے وہی اس الجھن کو حل کر دیتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴾ (یس : ۷۷)

''کیا انسان دیکھتا نہیں ہم نے اسے ایک بوند سے پیدا کیا پھر یہ ظاہر طور پر جھگڑا کرتا ہے۔''

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴾ (یس : ۷۸)

''اور ہمارے لیے مثالیں گھڑتا ہے اور یہ اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے اور کہتا ہے ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔''

﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾ (یس : ۷۹)

''کہو! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ اپنی ساری مخلوق کو جانتا ہے۔''

آگے فرمایا:

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴾ (یس : ۸۱)

''کیا وہ جس نے زمین اور آسمان پیدا کیے وہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ان کی مثل پیدا کرے کیوں نہیں وہ پیدا کرنے والا اور جاننے والا ہے۔''

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴾ (یس : ۸۲)

''بے شک وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے اسے کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

﴿أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۖ ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ ۖ وَعِندَنَا كِتَابٌ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَفِيْظٌ ۝﴾ (ق: ۳۔۴)

''(منکر) کہتے ہیں، کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر لوٹائے جائیں گے یہ لوٹنا تو بہت دور کی بات ہے۔ہم وہ سب جانتے ہیں جو زمین ان میں سے کم کرے گی ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے۔''

۱۔ ان آیات میں جسمانی حشر پر یہ دلیل دی گئی ہے کہ جس اللہ نے ان بوسیدہ ہڈیوں کو پہلی مرتبہ زندہ کیا تھا جب کہ انہیں پیدا کرنا مشکل تھا دوبارہ تو انہیں پیدا کرنا اس کے لیے آسان ہے۔

۲۔ یہ دلیل دی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے۔ یعنی وہ پیدائش کے ہر طریقہ کا پورا پورا علم رکھتا ہے تو پھر اعتراض کیسا؟

۳۔ دلیل یہ ہے کہ وہ سبز درخت سے آگ نکالتا ہے حالانکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہے تو ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈالنا تو اس سے آسان ہے۔

۴۔ دلیل یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بڑی ہے تو جس نے بڑا کام کر دکھایا وہ چھوٹا کام انسان کی پیدائش والا تو بالاولیٰ کرے گا۔

۵۔ دوبارہ جسمانی حشر کی دلیل یہ ہے کہ وہ ساری مخلوق کو جانتا ہے۔ یعنی جان ڈالنا اس کا کثرت سے عمل ہے یہ اس کا عمل تم روزانہ دیکھ رہے ہو تو قیامت کے دن بھی یہی ہوگا اور اس کے ساتھ وہ علیم جاننے والا بھی ہے۔ اجزاء کو کہاں کہاں سے اکٹھا کرنا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے لہٰذا اس کے لیے جسموں کو زندہ کرنا کوئی عجیب کام نہیں۔

۶۔ دلیل یہ ہے کہ ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے۔ ان سب ذرات کو وہ جمع ہونے کا حکم دے گا اور روح پھونکنے کا حکم دے گا تو یہ سب جسم جمع ہو کر زندہ ہو جائیں گے۔

جسمانی حشر کی دلیل حدیث سے

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش اتاریں گے، یہ لوگ اس طرح پیدا ہوں گے جیسے سبزی پیدا ہوتی ہے۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے صرف دمچی کی ہڈی میں سے ایک دانہ باقی رہتا ہے۔ مخلوق روز قیامت اسی سے جوڑی جائے گی۔

(متفق علیہ مع تنقیح الرواہ شرح مشکاۃ، ج ۲، ص ۸۶)

۲۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق بیان کیا اور پھر حشر کا بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تذکرہ فرمایا، لوگ جب صور میں پھونکا جائے گا تو بے ہوشی کی موت مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجیں گے جس سے لوگوں کے جسم اگ پڑیں گے پھر صور میں پھونکا جائے گا تو یہ کھڑے ہوں گے اور دیکھ رہے ہوں گے پھر انہیں رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ ان سے سوال کرے گا۔

(مسلم، بحوالہ مشکاۃ مع تنقیح، ج ۲، ص ۸۶)

جسمانی حشر کی دلیل عقل سے

جسمانی حشر اور حساب و کتاب کے بعد جنت کی راحتوں اور دوزخ کی سختیوں کے وجود پر عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ عقلی طور پر کسی چیز کے وجود کے لیے حجت استقرائی استعمال کرتے ہیں۔ استقرائی تام ہے دوسری استقرائی ناقص ہے۔ استقرائی تام یہ ہے کہ ایک جنس کی تمام جزئیات جو موجود ہیں۔ ان کی جانچ پڑتال اور اس کی تمام قسموں پر حاوی ہو کر ایک حکم لگانا استقراء تام ہے۔

اور استقرائے ناقص یہ ہے کہ اکثر جزئیات کو دیکھ کر حکم لگا دینا، استقرائے تام حجت یقین کے لیے مفید ہے اور استقرائے ناقص یقین کے لیے مفید نہیں۔ (شرح اشارات، ج ۲، ص ۱۴۳)

اب اس اصول کی روشنی میں دیکھیں تو یہ بات سب کے سامنے مسلم ہے کہ وجود عالم کی ساری جزئیات کا احاطہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور ان کے خواص و کوائف بھی صرف وہی جانتا ہے اور اس کی قدرت بھی بے انتہاء ہے جو کبھی ٹوٹتی اور کمزور نہیں ہوتی اور وہ بے شمار حکمتوں والا ہے جو ختم نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی ان باتوں کا انکار کرتا ہے تو وہ علم منطق کی رو سے عقل سے پیدل ہے اور یہ باتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں ان میں اور کوئی بھی اس کا شریک نہیں، انسان کے لیے تو کئی چیزیں عجائبات والی ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز عجیب نہیں۔

شیخ بوعلی سینا نے کہا ہے، کائنات میں بڑے بڑے عجائبات ہیں اور بلند قوتوں اور نچلی مسطح قوتوں میں نادر عجائبات پیدا ہوتے ہیں۔ (ج ۲، ص ۱۴۳، اشارات)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، پروفیسر لودج نے جو کہ ماہر ریاضی دان تھا، کہا تھا، اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم میں اب تک جو حد فاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جس طرح اور بہت سی حدیں ٹوٹ گئیں۔ اس طریقہ سے ثابت ہو جائے گا کہ ممکنات کی کوئی حد نہیں اور یہ کہ جس قدر ہم جانتے ہیں وہ بمقابلہ ان چیزوں کو جو ہم کو معلوم نہیں ہیں کچھ بھی نسبت نہیں رکھتیں۔ (الکلام، ص ۱۲۴)

اس پروفیسر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سینکڑوں چیزیں جو پہلے تسلیم نہیں کی جاتی تھیں بلکہ ان کا ہنسی مذاق اڑایا جاتا تھا اب اس کی حقیقت کھل رہی ہے اور انکار کرنے والے اپنی عقل پر اب افسوس کر رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی سختیاں جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، اسے تسلیم کرنا عین عقل کا تقاضا بھی ہے ان کا انکار وہی کرسکتا ہے جس کا دل کجی کا شکار ہے اور یہ منکرین حشر جتنے بھی ہیں، اس کے قائل ہیں کہ دنیا میں جو بھی راحتیں ہیں یہ نیک اعمال کا صلہ ہیں اور جس قدر تکالیف ہیں وہ برے اعمال کی سزا ہیں تو پھر جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کے انکار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

تناسخ کا عقیدہ

موت کے بعد روح اپنے اعمال کی بدولت جزا و سزا بھگتنے کے لیے ایک جسم سے دوسرے جنم میں جائے تو اسے تناسخ کہا جاتا ہے، جبکہ مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ نیکی کی جزا جنت ہے اور برائی کی سزا دوزخ ہے۔

اور یہ یاد رہے یہ تناسخ کا عقیدہ آسمانی وحی سے نہیں یہ توہمات پر مبنی ہے۔ سوامی دیانند نے بھولکا میں لکھا ہے۔ مرنے کا عالمگیر خوف تناسخ کی تائید کرتا ہے۔ (ص ۱۳۲)

۲۔ کہتا ہے دکھ سکھ کے نشیب و فراز سے تناسخ ثابت ہے۔ (ص ۱۳۲)

اس سے ثابت ہوا یہ عقیدہ محض قیاس پر مبنی ہے۔ آسمانی وحی نہیں۔ صحیح ہے یا غلط یہ تو بعد میں دیکھا جائے گا۔

علامہ حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ تناسخ کے قائل لوگوں کے دلائل کا جائزہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ ان کی دلیل بے بنیاد اور خود ساختہ وہم کی پیداوار ہے جس کی شہادت عقل اور واقعات سے نہیں ملتی۔ یہ سراسر فسطائیت اور توہم پرستی ہے۔

انتباہ!

موت کی غشی کے عنوان سے لے کر تناسخ تک میں ہم نے اپنے انداز میں معمولی تبدیلی کے ساتھ جو مواد نقل کیا ہے وہ حافظ ابراہیم سیالکوٹی میر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب تفسیر سورۂ فاتحہ واضح البیان کے ص ۱۹۷ سے لے کر ص ۲۰۶ سے حاصل کردہ ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء (محمد عباس انجم گوندلوی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت ۴ ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی تشریح

ترکیب:

اِیَّاكَ ضمیر منفصل مفعول بہ مقدم (**نَعْبُدُ**) فعل مضارع ، اس کی ضمیر اس کا فاعل ہے۔ ﴿**وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ**﴾ واؤ عاطفہ پہلے **ایاك** پر عطف ہے۔ **نستعین** فعل مضارع معلوم ضمیر اس کا فاعل۔ (**نَسْتَعِیْن**) کی اصل **نَسْتَعْوِنُ** تھی (یہ اجوف واوی ہے) واؤ پر کسرہ ثقیل ہے اسے عین کی جانب نقل کر دیا گیا تو واؤ یاء سے بدل گئی ہے کیونکہ اس سے پہلے کسرہ ہے تو یہ **نَسْتَعِیْن** ہوا۔

بلاغت:

اِیَّاكَ الخ، اس میں بلاغت کا فن تقدیم استعمال ہوا ہے۔ ضمیر کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تخصیص پیدا کی گئی ہے کہ عبادت بھی اور استعانت (مدد طلب کرنا) بھی صرف اللہ وحدہٗ کے ساتھ خاص ہے اور عبادت کو استعانت سے مقدم لانے کی وجہ یہ ہے کہ استعانت عبادت ہی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اور **اِیَّاكَ** کا ضمیر کو دونوں افعال کے ساتھ لوٹانے کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے عبادت اور استعانت دونوں ہی ایک جیسے مطلوب ہیں۔

۲۔ **اِیَّاكَ** میں **غَیبت** سے خطاب کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔

۳۔ عبادت، اطاعت کا نچوڑ اور خلاصہ ہے تو عبادت کو صراحت سے مخاطب کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا گیا ہے۔

۴۔ **نعبد الخ**، یہ جمع کی ضمیر آئی ہے۔ حالانکہ کلام کرنے والا واحد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ واحد اپنی عبادت کو ناقص تصور کرتا ہے اور خطرہ محسوس کرتا ہے کہ شاید یہ مقبول ہو یا نہ ہو اور جمع بول کر یہ امید رکھتا ہے کہ سب کی عبادت تو نامقبول نہیں ہوتی ان کو ساتھ شامل کر کے یہ اپنی عبادت کے مقبول ہونے کی امید پیدا کرتا ہے۔

۵۔ اس میں سجع بھی ہے کہ کلمات کا وزن اتفاقاً ایک ہے۔ ایک **اَلرَّحِیْم** اور **اَلْمُسْتَقِیْم** میں سجع بندی ہے۔ دوسری **نَسْتَعِیْن** اور (**الضَّآلِّیْن** میں قافیہ بندی ہے۔) (اعراب القرآن، ج۱، ص ۳۰۔۳۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خلاصہ آیت:

اس سے اوپر تینوں آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے تینوں دور میں اللہ ہی کا محتاج ہے تو اس کا طبعی اور عقلی تقاضا یہ ہے کہ عبادت بھی صرف اسی کی کی جائے، کیونکہ عبادت جو انتہائی تعظیم و محبت کے ساتھ اپنی انتہائی عاجزی کا نام ہے یہ کسی دوسری ہستی کے لائق نہیں۔ اس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ ایک عاقل انسان پکار اٹھے کہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور کاموں میں مدد بھی صرف تجھ ہی سے مانگتے ہیں۔

مفسرین کی آراء

(۱) سابقہ آیات سے ربط:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات الہ ہونے میں یکتا ہے اور اس کا نام برکت والا ہے اور وہی حمد و ثناء کا مستحق ہے اور رب بھی وہی ہے اور اس نے تم پر اپنی رحمت کا سایہ کر رکھا ہے۔ مالک و مختار بھی وہی ہے اور لہٰذا عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔ اس کے در سے ہٹ کر کسی اور کے دروازے پر نہ جائیں گے اور تمام امور میں مدد بھی اسی سے طلب کریں گے۔

۲۔ **(نَعۡبُدُ)** ہم انتہائی پستی اور تعظیم و محبت کے ساتھ تیری عبادت کرتے ہیں۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پست ہو کر اطاعت کرتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس کی توقع رکھتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت اور اس کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کی عبادت ہے۔

(نَسۡتَعِیۡنُ) اور جو بھی دینی اور دنیوی اہم امور ہیں ہم ان میں تیری مدد طلب کرتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ رب کے علاوہ کسی کی بھی عبادت نہ کی جائے اور مدد صرف اور صرف اللہ ہی سے طلب کی جائے۔

اور جب اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں تو پہلے اس کی حمد و ثنا اور بزرگی بیان کریں پھر دعاء کریں جلدی قبول ہوگی۔ (السیر التفاسیر، ص ۱۴)

۳۔ عبادت لغت میں پستی کو کہتے ہیں اور شریعت میں کامل محبت، خضوع اور اللہ سے خوف رکھنے کو عبادت کہتے ہیں۔

اس آیۂ مبارکہ کے بارے میں اہم نکتہ

بعض سلف نے کہا ہے، سورۂ فاتحہ قرآن کا راز (مرکز ہے) اور سورۂ فاتحہ کا راز (خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایاك والی آیہ مبارکہ ہے۔ **نعبدُ** میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور **نستعین** سے اپنی اور دوسروں کی قوت سے دستبرداری ہے اور خود کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سپردگی کا اظہار ہے۔

عبادت ایک بندے کے لیے عظیم شرف ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں نسبت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے اہم مقام پر رسول اکرم ﷺ کا دیگر بے شمار اوصاف میں سے صفت عبد کا ذکر کیا ہے۔ سورت کہف میں کہا تمام تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری (سورت جن) میں بھی کہا جب اللہ کا بندہ دعوت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو یہ اس پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، معراج کے موقع پر بھی عبد کا وصف بیان کیا ہے۔

اور کبھی آپ مخالفوں کی تکذیب سے بے قرار ہوتے تو آپ کو یہی حکم ہوا:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر : ۹۹)

”اس بے قراری کو دور کرنے کے لیے موت تک اپنے رب کی عبادت کیجئے۔“

صوفیا کی غلط بات

یہ کہتے ہیں عبادت نہ تو ثواب کے حصول کے لیے کی جائے اور نہ عذاب دور کرنے کے لیے بلکہ یہ اللہ کی کمال کے ساتھ موصوف ذات کے لیے کی جائے۔

اس کا حل:

یہ ہے کہ عبادت اللہ عزوجل کے لیے کرنا اور اس کے ساتھ ثواب طلب کرنا اور اس کے ذریعہ عذاب سے دفاع کرنے میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک دیہاتی نے کہا، میں اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں تو نبی ﷺ نے اس کی تائید کی۔ (ابن کثیر، ج۱، ص۲۶)

۳۔ جو ہستی لائق ستائش ہے پہلے اس کا ذکر کیا اور اس کی پر عظمت صفات بھی بیان کیں جن کی بناء پر وہ ہستی دوسری سب ذاتوں سے ممتاز ہو گئی تو ہمارے علم میں وہ معین ہو کر نمایاں ہوئی تو پھر اسے مخاطب کیا گیا کہ جو ایسی صفات عالیہ والی ذات ہے ہم خاص تیری ہی عبادت کریں گے اور مدد بھی خاص تجھ ہی سے طلب کریں گے تا کہ وہ عیاں ہو جائے۔ غیب سے نکل کر سامنے آ جائے۔

عبادت کے بعد استعانت کا ذکر کیا ہے کیونکہ عبادت بھی اللہ کی مدد اور توفیق سے ہی ہوتی ہے۔

(تفسیر بیضاوی، ص۹)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(۴) اسلامی عبادات روحانیت کے ساتھ صحت افزا بھی ہیں

نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے۔ یہ ظاہری و باطنی آلودگیوں سے پاکیزگی کی علامت ہے۔ وضوء یا غسل کے ذریعہ پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور نماز کے ذریعہ برائیوں سے روحانی پاکیزگی ہوتی ہے۔کیونکہ یہ برائیوں سے روکتی ہے اس میں روح کی نشاط اور دل کا سکون و اطمینان موجود ہے۔

نبی ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے۔اے بلال! نماز کے ذریعہ سے ہمیں راحت وسکون پہنچاؤ۔

ماہر اطباء لکھتے ہیں، نماز جسمانی اعضاء کو طاقتور اور نظام ہضم کو مضبوط بناتی ہے۔طویل سجدے بلڈ پریشر کو کم کرتے ہیں اور رات کی عبادتیں زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔(اسلام کی سچائی، ص ۳۲۸)

پادری کا اعتراض کہ أَيَّاكَ میں غیبت سے خطاب ہے

کہ کہتا ہے۔ الحمد للہ سے لے کر الدین تک غائب کا صیغہ ہے اور ایاك الخ میں خطاب آ گیا ہے۔

اس کا حل:

غیب کے صیغہ سے مخاطب کی جانب پلٹ جانے کو صنعت التفات کہتے ہیں۔ پادری کہتا ہے، یہ غیب سے حاضر کے صیغے کی جانب آنا شعر میں تو کبھی پایا جاتا ہے مگر نثر میں اس سے کام نہیں لیتے۔

یہ بات بھی غلط ہے۔ پادری نے خود کو بچانے کے لیے صنعت التفات کا کہہ دیا ہے کہ یہ نثر میں ہوتا ہے کیونکہ جاہلیت کے اشعار تو محفوظ نہیں۔نثر محفوظ نہیں۔ پادری صاحب نے یہ نئی ایجاد کر دی ہے۔مگر ہم یہ بتا دیں قرآنی نثر میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔

امام بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عرب لوگوں کی عادت ہے کہ یہ کلام میں تفنن (دلچسپی) پیدا کرتے ہیں۔ ایک اسلوب اور انداز سے پھر کر دوسرا اسلوب اپناتے ہیں تا کہ کلام میں حسن اور جدت پیدا ہو، سننے والے کے لیے نشاط طبع کا سامان ہو۔ یہ خطاب سے غیبت کی طرف اور غیبت سے خطاب کی طرف رخ کرتے ہیں۔

(تفسیر، ج۱، ص ۸)

پادری کا اعتراض کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یہ آیت بائبل سے ماخوذ ہے

یہ کہتا ہے، انجیل میں ہے تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔(متی ۴:۱۰) اسی طرح استثناء ۱۳۔۱۵ ص ۱۸۔۱۹ میں بھی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ انجیل سے حاصل کردہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا حل:

یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اصلی مسیح مذہب یہی ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔قرآن پاک میں ہے حضرت مسیح علیہ السلام نے خود فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔(المائدہ:۷۲)

اس کے بعد عیسائی مذہب دنیا میں پھیلا، وہ توحید والا نہیں بلکہ تثلیث والا ہے۔یعنی خدا بیٹا اور روح القدس قادر مطلق ہے۔یعنی یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں۔(دعاء عمیم، ص ۴۴)

لہٰذا جس قوم کا عقیدہ تثلیث ہو (تینوں مل کر ایک خدا) ہونا ایمان میں شامل ہو وہ ایک ہی خدا کی عبادت نہیں کرسکتی تو یہ آیہ مبارکہ بائبل سے ماخوذ کہنا مغالطہ آرائی ہے۔

ویسے بھی کسی کتاب کے چند فقرے کسی دوسری کتاب کے چند فقروں سے میل کھا جائیں تو یہ اس کتاب سے ماخوذ ہونے کی دلیل نہیں ہوتے محض اتفاق کہہ سکتے ہیں۔(برہان التفاسیر، ص ۱۰۵)

۵۔ اس جملہ میں مفعول کی تقدیم نے حصر کا مضمون پیدا کر دیا ہے۔یعنی عبادت بھی صرف اللہ ہی کی اور استعانت بھی تنہا اسی سے۔اس حصر نے شرک کے تمام علائق کا ایک قلم خاتمہ کر دیا کیونکہ اس اعتراف کے بعد بندہ کے پاس کسی غیر اللہ کو نہ کچھ دینے کو رہا اور نہ اس سے کچھ مانگنے کی گنجائش باقی رہی۔

(تدبر القرآن، ج ۱، ص ۱۵)

۶۔ یہاں عبادت کے بارے میں تین اقوال ہیں۔(۱) عبادت سے توحید مراد ہے۔(۲) اطاعت و فرمانبرداری مراد ہے۔(۳) عبادت دعا کے معنیٰ میں ہے۔عبادت بمعنی اطاعت قرآن پاک کی اس آیت میں ہے:

﴿لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾(یٰس : ۶۰)

''شیطان کی اطاعت نہ کرو۔''

اور عبادت بمعنی دعاء اس آیہ مبارکہ میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي﴾(غافر : ۶۰)

''بے شک جو لوگ میری دعاء سے تکبر کرتے ہیں۔''(زاد المسیر، ص ۳۴)

۷۔ یہاں سمجھنے کا اصل نکتہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ کر لینا تو آسان ہے کہ اے اللہ! میں تیری ہی بندگی کروں گا لیکن اس فیصلہ کو نبھانا بہت مشکل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اللہ کی بندگی کے تقاضے پورا کرنا آسان نہیں۔لہٰذا بندگی کا عہد کرنے کے فوراً بعد اللہ کی پناہ میں آنا ہے۔ میں نے فیصلہ تو کرلیا ہے تیری ہی بندگی کروں گا اور اس کا وعدہ کر رہا ہوں لیکن اس پر کاربند رہنے کے لیے مجھے تیری مدد درکار ہے۔(بیان القرآن، ج ا،ص ۱۱۲)

۸۔ اِیَّاكَ، یہ پورے قرآن میں صرف سورت فاتحہ میں ہی دو مرتبہ آیا ہے۔ یہ حصر و اختصاص کے لیے آتا ہے۔ اس کی وجہ سے معنیٰ یہ ہوگا۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں، کسی غیر کی نہیں کرتے اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ تیرے سوا کسی اور سے مدد نہیں چاہتے۔

عبادت کی لذت نبی ﷺ کی متابعت سے اور معبود حقیقی سے اخلاص سے حاصل ہوتی ہے۔

(مدارج السالکین ابن قیم)

قرآن مجید میں عبادت کے درج ذیل صیغے آئے ہیں۔ (۱) **نَعْبُدُ** (ہم عبادت کرتے ہیں) یہ سات آیات میں ہے۔ (۲) **اَعْبُدُ** (میں عبادت کرتا ہوں) تیرہ آیات میں ہے۔ (۳) **تَعْبُدُوْا** (تم عبادت کرو) یہ بھی سات آیات میں (۴) **تَعْبُدُوْنَ** (تم عبادت کرتے ہو) یہ تئیس آیات میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا ﴾(البقرہ : ۲۱)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾(المائدہ : ۷۲)

''اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو۔''

انسان کی تخلیق کا مقصد صرف عبادت ہے۔

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ ﴾(الذاریات : ۵۶)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

نَسْتَعِيْنُ، صرف سورۂ فاتحہ میں آیا ہے اور **وَاسْتَعِيْنُوْا** (مدد طلب کرو) (البقرہ:۴۵) اور اعراف (۱۲۸) اور بقرہ (۱۵۳) میں آتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مدد صرف اللہ ہی سے طلب کی جائے۔

﴿وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞﴾ (یوسف: ۱۸)

''پس اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔''

سورت انبیاء (۱۱۲) میں بھی ہے۔ اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ (تعمیر شخصیت، ص ۹۷ تا ۱۲۵)

۹۔ عبادت تین قسم کی ہے۔ قلبی، بدنی اور مالی۔ یہ تینوں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں۔

قلبی عبادت میں توکل، خوف، امید، محبت، تذلل اور خشوع وخضوع شامل ہیں۔ بدنی عبادت سے مراد فرض نماز، نوافل، روزہ اور حج اور دوسرے احکام الٰہی کی پیروی کرنا ہے۔

مالی عبادت سے مراد زکوٰۃ، صدقات وخیرات، قربانی، نذر و نیاز وغیرہ ہیں ان میں سے کوئی بھی عبادت اللہ کے سوا اور اس کے لیے بجا لائی جائے تو یہ شرک ہے۔

استعانت، یہ ہے کہ انسان اپنے نفع کے لیے اور نقصان سے بچاؤ کے لیے یہ کرنے کے لیے مدد صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور اس کے لیے بغیر اسباب کے اگر کسی اور سے مدد طلب کرے تو یہ شرک ہے۔ جیسا کہ کوئی یہ کہے:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادر!

''اے عبد القادر جیلانی (رحمہ اللہ) مجھے غم سے آزاد کر دے اور میری دنیا و دین خوش کن کر دے تو یہ شرک ہے۔''

اس میں جبریہ اور قدریہ دونوں فرقوں کا رد ہے۔ جبریہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں، ہم مجبور محض ہیں، تقدیر کے ہاتھوں میں کھلونا ہیں۔ ان کی تردید نَعْبُدُ (ہم عبادت کرتے ہیں نے کی ہے) اس سے ان کی تردید ہوئی بندہ اختیار رکھتا ہے اور قدریہ کا نظریہ ہے کہ انسان خود مختار ہے جو کچھ چاہے کر سکتا ہے اور یہ جو آیا ہے (ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں) اس میں قدریہ کی تردید ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بندہ محتاج ہے، مختار مطلق نہیں۔ (تیسیر القرآن، ج ۱، ص ۳۷)

۱۰۔ تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں کس میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہلا سکے اور کسی کو اپنی بندگی پر مجبور کرے یا کسی انسان کے لیے یہ کب جائز ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور کے حکموں کو مانے یا اپنی مرضی پر چلے۔ ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں، اس کے حکموں کے مقابلہ میں کسی کا حکم ماننے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے تیار نہیں۔

انسان کی بے بسی اور بے چارگی کا تقاضا ہے کہ وہ کسی ضرورت کے لیے اللہ کے سوا کسی اور سے مدد نہ مانگے۔ ہر امتحان میں اسی کا سہارا ڈھونڈے۔ ہر مصیبت میں نجات اسی سے طلب کرے۔ ہر مہم میں کامیابی کے لیے اسے پکارے اس کے سوا کون ہے جو اس کے درد کا سامان بن سکے۔ (درس قرآن، ج ۱، ص ۷۔۸)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اہتمام کرنا اور اس سے مدد حاصل کرنا یہ ابدی سعادت کا ذریعہ ہیں اور ہر شر سے نجات کا باعث ہیں۔ ان کے بغیر نجات ممکن نہیں اور عبادت تب عبادت کہلواتی ہے، جب اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا جائے اور اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ حالانکہ استعانت عبادت میں داخل ہے ، اس کا پھر بھی الگ ذکر کیا ہے کیونکہ کوئی بھی عبادت جو ہے وہ اس کی مدد کی محتاج ہے۔ اگر اس کی مدد شامل حال نہ ہو تو انسان کوئی بھی کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ (تیسیر الکریم سعدی، ص ۲۸)

۱۲۔ عبادت خضوع کا سب سے اعلیٰ رتبہ ہے۔ یہ شریعت اور عقل کی رو سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کسی اور کے لیے جائز نہیں کیونکہ اسی نے زندگی اور کائنات عطاء کی ہے عبادت کا بھی صرف وہی منعم حقیقی مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سجدہ بھی صرف اسی کے لائق ہے۔ کسی دوسرے کے لیے قطعاً جائز نہیں کیونکہ سجدہ عبادت کا بلند ترین نقش ہے۔ سجدہ سب سے اعلیٰ اعضاء سب سے ادنیٰ چیز مٹی پر رکھے جاتے ہیں اور پیشانی جو سب سے اعلیٰ عضو ہے وہ بھی پاؤں کے برابر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ صرف اللہ کے لیے ہے غیر کے لیے کسی صورت جائز نہیں۔ (روح المعانی، ج ۱، ص ۱۱۶)

(۱۳)۔ یہ آیت مبارکہ سورۂ فاتحہ کے علوم کا خلاصہ ہے

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں اتاری ہیں۔ ان سب کا علم چار کتابوں میں جمع کر دیا ہے اور ان چاروں کا علم قرآن میں اکٹھا کیا ہے اور سارے قرآن کا علم مفصل آیات (سورت ق سے لے کر والناس) تک میں اکٹھا کر دیا ہے اور ساری مفصل آیات کا علم سورت فاتحہ میں جمع کر دیا ہے اور ساری سورت فاتحہ کا علم ان دو کلمات ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ میں جمع کیا ہے گویا کہ آسمانی تمام کتابوں کا علم یہ دو کلمات اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

اہل دین بھی اللہ کی عبادت اور استعانت سے اعراض کرتے ہیں، یہ فاسد دین والے ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اپنے گمان اور خواہش کے مطابق غیر اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

ارشاد ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰی ﴾ (النجم : ۲۳)

''یہ نہیں اتباع کرتے مگر گمان کی اور ان کی جو ان کے نفسوں کی خواہش ہے حالانکہ ان کے رب سے ان کے لیے ہدایت آئی ہے۔''

اور بعض اہل دنیا بھی اللہ کی عبادت اور استعانت سے اعراض کرتے ہیں یہ وہ ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا سب کچھ دنیا کا مال ہی ہے ہمیں کسی عبادت و استعانت کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ، ج ۷، ص ۱۳)

۱۴۔ ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب تو ہی ہے اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور ساری نعمتوں کا تو ہی اکیلا مالک ہے۔ اس لیے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے اور تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔

اسی بناء پر ہم اپنی یہ درخواست لے کر تیری خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۵)

۱۵۔ اس آیت کا مفہوم دو معاملات سے مرکب ہے ایک نفی اور دوسرا اثبات نفی یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت کے لیے تمام معبودوں سے علیحدگی اختیار کرنا اور اثبات یہ ہے کہ مسنون ہر قسم کی عبادات تنہا ارض وسماء کے رب واحد کے لیے ہی ہیں۔

اس اصول کو قرآن پاک مختلف مقامات پر بیان کرتا ہے۔ سورت بقرہ آیت ۲۱ میں حکم ہے، لوگو، اللہ کی عبادت کرو۔ یہ اثبات ہے۔ آیت (۲۲) میں ہے اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، یہ نفی ہے۔ سورت نحل آیت (۳۶) میں اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو۔ اس میں صرف اللہ کی عبادت کا حکم ہے یہ اثبات ہے اور طاغوت سے بچو۔ یہ نفی ہے کہ اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ سورت بقرہ آیت (۲۵۶) میں ہے جس نے طاغوت کا انکار کیا اس میں طاغوت سے نفی کا اظہار ہے اور اثبات توحید بھی آیا ہے۔ (وغیرہ آیات)

تجھ اکیلے سے ہی ہم مدد طلب کرتے ہیں کیونکہ ہر معاملہ کی باگ دوڑ صرف تیرے ہاتھ میں ہے تو ہی مالک ہے تیرے ساتھ کوئی دوسرا ایک ذرہ کا بھی مالک نہیں۔

اس مفہوم کو سورت ہود آیت (۱۲۳) میں بھی اداء کیا گیا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرو اور سورت توبہ آیت (۱۲۹) کہ اللہ ہی کافی ہے۔ اسی پر میرا توکل ہے۔ سورت مزمل آیت (۹) ہے مشرق ومغرب کے معبود کو ہی اپنا وکیل قرار دو۔ سورت ملک آیت (۲۹) میں رحمٰن کے ساتھ میں ایمان لایا اور اسی پر توکل ہے۔

(اضواء البیان، ج ۱، ص ۳۳)

۱۶۔ جس عبادت کا تو مستحق ہے اس میں ہم پورے اخلاص کے ساتھ تیری وحدت و انفرادیت کا اقرار کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور تجھ سے کامل محبت رکھتے ہیں۔ ایماندار اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں اور رزق، اولاد، مغفرت، موت، زندگی اور شفاء وغیرہ تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔اس لیے ہم صرف تیری ہی مدد طلب کرتے ہیں۔(کلام الرحمن،ص ۶)

۱۷۔ اس میں انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ دعاء کرتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر حاجات اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی) اور اس طرح کی گئی دعاء ضائع نہیں ہوتی۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ یا تو دعاء کو اسی وقت قبول کرتے ہیں یا پھر اسے آدمی کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنا دیتے ہیں، یا پھر اس کی برکت سے کوئی برائی دور کر دیتے ہیں۔ (احمد)

تو اس آیہ مبارکہ میں دعاء اور درخواست بھی ہے کہ اللہ تو ہماری مدد فرما۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نوجوان سے پوچھا، بھتیجے جب تم نماز پڑھتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا، میں سورت فاتحہ پڑھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں، آپ نے اس کی تائید کی۔ (ابوداود: ۷۹۴۔ توضیح الفرقان، ج ۱، ص ۷۲)

نبی ﷺ اللہ سے مدد مانگتے ہیں

ہم صرف دو مقامات کا ذکر کرتے ہیں، جنگ بدر میں کفار کی تعداد ہزار تھی اور مسلمان (۳۱۳) تھے۔ دشمن اسلحہ سے مسلح تھے اور مسلمان نہتے تھے تو نبی ﷺ نے دعاء مانگی۔

اے اللہ! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اسے پورا فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے عہد اور وعدے کا سوال کرتا ہوں۔

۲۔ نبی ﷺ جب زخموں سے چور طائف سے واپس آ رہے ہیں اور یہ دعاء فرماتے ہیں۔ اے اللہ! میں اپنی کمزوری اور بے بسی کی تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ کمزوروں کا تو ہی مالک ہے۔ تیری عافیت میرے لیے وسیع ہے۔ مجھے تیری ہی رضا چاہیے، نیکی کرنے اور نافرمانی سے بچنے کی طاقت تیری طرف سے ملتی ہے۔ (رحمۃ للعالمین، ج ۱، ص ۶۶۔ البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۲۶ عربی)

آیت کے مفہوم میں تحریف

سید فرمان علی لکھتا ہے۔ حقیقی مستعان (جس سے مدد طلب کی جائے) تو اللہ ہی ہے۔ ہم جنھیں پکارتے ہیں وہ اللہ ہی کے مظاہر ہیں۔ لہٰذا ان سے چاہنا اس آیت کے منافی نہیں۔ (ترجمہ و تفسیر، ص ۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور نعیم الدین مراد آبادی لکھتا ہے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے عقیدۂ باطلہ ہے، کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الٰہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ (کنز الایمان، حاشیہ ص ۳)

ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں کہ ان دونوں نے اس آیۂ مبارکہ کی روح ہی نکال دی ہے اور بدترین شرکیہ عقیدہ کی آبیاری کی ہے۔ **(واللّٰہ المستعان)**

مسئلہ:

عبدالنبی نام رکھنا جائز نہیں۔

بزرگوں اور اولیاء و انبیاء سے مدد مانگنے کی وضاحت

اولیاء اللہ سے استعانت (مدد طلب کرنے) والوں کے دلائل۔

۱۔ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے۔

۲۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث انبیاء علیہم السلام سے ان کی ذات سے وسیلہ پکڑنے پر دلیل ہے۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعاء کروائی۔

۴۔ حضرت آدم علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ڈالا۔

۵۔ عام مسلمان جو شدائد اور ابتلاء میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارتے ہیں ان کا یہ پکارنا شرک نہیں۔ انسان سے جو بھی فعل سرزد ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے۔ انبیاء و اولیاء کا ہر فعل اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ اس کی دی ہوئی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس نداء کو شرک کہنا شدید ظلم ہے۔ (تبیان القرآن سعیدی، ج ۱، ص ۲۰۷)

ان دلائل کا جائزہ

۱۔ یہ جو دلیل پیش کی گئی ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ کتاب و سنت سے مزارات کا وجود ثابت نہیں ایک بالشت تک قبریں بنانے کی اجازت ہے اور پھر کسی بھی قبر کی زیارت کی اجازت ہے مگر عید کی مانند اس پر بار بار جا کر اجتماع کرنے کی ممانعت ہے۔ (مؤطا، ترمذی)

دوسری بات یہ ہے ان خاص لوگوں کے لیے تو بہت خلقت دعاؤں کے لیے آتی جاتی ہے۔ ان کے بقول یہ بہت نیک لوگ ہیں۔ ان کی بہ نسبت ان عام قبرستانوں میں دفن لوگوں کو زیادہ دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی مغفرت کے لیے اور آخرت کی یاددہانی کے لیے ایسے قبرستانوں میں جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ واضح ہوتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے لوگ مزارات میں رہنے والوں کے لیے جو دعاء کرنی ہوتی ہے وہ تو یہ ہے یہ زیادہ تر ان سے دعاء کرنے جاتے ہیں جو کہ شرک ہے۔

۲۔ جو نابینا صحابی حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ والی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہنے لگے، دعا کیجے اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے، آپ نے فرمایا، اگر تمہاری مرضی ہے، میں دعاء کیے دیتا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو صبر کریں یہ آپ کے لیے بہتر ہے۔ تو اس نے دعاء کرنے کا کہا، آپ نے اسے اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا اور فرمایا، یہ دعاء کرو۔ اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور سفارش کرتا ہوں تیری طرف تیرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی کے ساتھ جو رحمت کا نبی ہے۔

(ترمذی مع تحفہ، ج ۴، ص ۲۸۲، حسن، صحیح)

اس میں ((اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ نَبِيِّكَ)) میں تیری طرف تیرے نبیٔ رحمت کو متوجہ کرتا ہوں۔ اس میں الفاظ ''تیرے نبیٔ رحمت کی تیرے سامنے سفارش کرتا ہوں'' ان سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا وسیلہ ہے ذات کا نہیں۔''

دوسری بات ہے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دعاء کی تھی وفات کے بعد نہ تھی۔ تیسری بات ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ سے دعاء کرنے کا کہا تھا، نیک آدمی سے زندگی میں دعاء کرانا جائز ہے مگر اس سے مردوں اور قبروں والوں کے واسطے اور قسمیں دے کر شرکیہ میلہ کرنا غلط اور بے بنیاد ہے۔

۳۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی بات حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا تو آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بارش طلب کرتے تھے۔ کہتے، اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دعاء کرتے تھے تو ہمیں بارش برساتا تھا اور اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ بارش کے طلب گار ہیں ہمیں باران رحمت سے نواز دے تو ان پر بارش برستی تھی۔ (مشکوٰۃ مع مرعاۃ، ج ۳، ص ۳۹۹، بحوالہ بخاری، باب الاستسقاء)

تو گزارش ہے اس میں زندہ آدمی کی دعاء سے وسیلہ پکڑنے کا ثبوت ہے۔ اگر اس کی ذات سے وسیلہ ہوتا یا فوت شدہ سے مدد مانگنے کا معاملہ ہوتا تو پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ زیادہ اعلیٰ تھی اور اگر فوت شدہ سے مدد مانگنا درست ہوتا تو فاروق اعظم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی قبر اطہر پر جا کر وسیلہ پکڑتے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دعاء کا ذریعہ نہ بناتے۔

۴۔ ان غلط وسیلہ والوں کی یہ دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو انہوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعاء مانگی تو ان کی توبہ قبول ہوگئی۔

(مستدرک حاکم، ج۳، ص ۵۱۷، ۴۲۸۷)

اس بارے میں گزارش ہے یہ روایت موضوع ہے۔اس میں عبدالرحمٰن بن اسلم راوی ضعیف ہے۔(تہذیب الکمال، ج۶، ص ۱۳۸، کتاب المجروحین۔ ابن حبان، ج ۲، ص ۲۲)

اس لیے یہ فوت شدہ سے وسیلہ کی دلیل نہ بن سکی۔

۵۔ دلیل کہ آزمائش میں یا رسول اللہ ﷺ پکارنا اور اولیاء اللہ اذن الٰہی سے تصرف کی قدرت رکھتے ہیں۔

اس بارے میں گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کیے ہیں۔مخلوق آپس میں ان کی محتاج ہے۔مگر وہ اسباب کا خالق بغیر اسباب کے سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ بندے اور اللہ کی قدرت میں یہی فرق ہے اور بندہ سے تعاون حاصل کرنے کے لیے چند شرائط ہیں جو اس سے مدد مانگی جارہی ہے۔وہ کرنے کی اس میں قدرت ہو اور وہ پاس موجود ہو،فوت یا غائب نہ ہو، مثلاً ایک بیمار اپنے علاج کے لیے ڈاکٹر سے تعاون لے ڈاکٹر کا موجود ہونا ضروری ہے۔ دوسرا یہ ہے وہ ڈاکٹر کے پاس جائے اگر کسی مفتی کے پاس جائے گا تو یہ درست نہ ہوگا۔ پھر ایک دوسرے سے تعاون طلب کرنا شرعی تقاضا ہے جیسا کہ ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے لیے لوگوں سے کہا، مجھے مالی تعاون کی ضرورت نہیں، مجھے افرادی قوت کی ضرورت ہے۔

﴿فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ﴾ (الکہف : ۹۵)

”میری افرادی قوت کے ساتھ اعانت کرو۔“

یہ درست ہے یہ سبب ہے جو انہوں نے اختیار کیا۔

اور اسی کے بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠﴾ (المائدہ : ۲)

”نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔“

اگر ایک پاس ہی نہیں فوت ہو چکا یا غائب ہے اور اگر ہو بھی تو وہ کام سرانجام دینے سے بے بس ہو پھر اسے پکارتے جانا دانشمندی نہ ہوگی یہ سراسر جہالت ہے۔

باقی ان نیک لوگوں کا اگر کوئی مقام ہے تو وہ قرب الٰہی ہے یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرفات ان کے سپرد کر دیئے ہیں اور یہ بغیر اسباب سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ خدائی فرق بہرصورت رہتا ہے۔ یہ اللہ کے مقربان خاص ہرصورت اسباب کے محتاج ہیں جبکہ وہ شہنشاہ ذوالجلال ہی صرف کُن سے معاملات طے کرسکتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے یہ طاقت اور کسی میں نہیں۔

لہٰذا، آزمائش وغیرہ مصائب میں نہ تو کسی نبی کو پکارا جائے نہ ہی کسی ولی کو نہ ہی اس وقت یا رسول اللہ کا آوازہ بلند کیا جائے ان حالات میں صرف وہ کبریاء کا رب ہی پکار کا مستحق ہے اور کوئی نہیں۔ یہ نظریہ ہی ہمیں کتاب وسنت نے دیا ہے، یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طریقہ اختیار کیا اور تابعین اور ائمہ رحمہم اللہ کا بھی متفقہ یہی طریقہ تھا۔

انبیاء علیہم السلام اللہ کی شریعت اور اس کی عبادت کے لیے ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔ وہ وحی کا علم پا کر خلقت کی رہنمائی کرتے ہیں، وہ اس لیے نہیں آتے کہ انہیں حاضر و ناظر جان کر ان سے فریادرسی کی جانے لگ جائیں اور انہیں عبادت کا حصہ بنا دیا جائے۔

ایمان افروز تبصرہ

علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کسی نے انبیاء کو خدا کا فرزند قرار دیا اور انہیں حاجات اور مشکلات میں پکارنے لگے۔ پھر یہ نیچے اولیاء اور صلحاء تک پہنچا ان کی بزرگی و تقدس کو تدبر عالم میں متصرف سمجھا گیا، بلکہ شریعت کے منکر پیروں کی بھی پوجا ہونے لگی۔ (واضح البیان، ص ۲۷۹)

جائز وسیلہ کی صورتیں

۱۔ وسیلہ ایک جنت میں مقام ہے اللہ تعالیٰ سے اس کے حصول کی دعاء کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مؤذن کی آذان کے بعد مجھ پر درود پڑھو پھر اللہ سے وسیلہ طلب کرو۔ (بخاری، ۶۱۴)

۲۔ مزدور سے حسن سلوک، والدین کی خدمت اور بدکاری سے بچاؤ۔ یہ نیک اعمال دعاء میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ غار والوں کو ان نیک اعمال کی وجہ سے غار سے نجات ملی تھی۔ (بخاری، ۴۹۳۱)

۳۔ زندہ نیک آدمی کی دعاء کا وسیلہ لینا، جیسا کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعاء کا مطالبہ کیا تو آپ نے دعاء فرمائی اور بارش برسنے لگی۔ (بخاری، ج ۱، ص ۱۳۷، مسلم، ج ۱، ص ۲۹۳)

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم علماء اور نیک لوگ سفارش کریں گے۔ یہ بھی ایک وسیلہ ہے مگر یہ سفارش دو شرطوں پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی۔ (۲) جس کے لیے اللہ پسند کریں گے اس کے لیے ہوگی۔

۵۔ رشتہ داری بھی وسیلہ ہو سکتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی سے دعاء کے لیے کہنا اور یہ کہنا کہ میں تیرا رشتہ دار ہوں یا نیک آدمی کے رشتہ دار کو دعائے خیر کے لیے کہنا جائز ہے۔

(کتاب الوسیلہ مترجم ص ۱۱۳)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت کے مفہوم پر میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا جاندار اور روح پرور بیان

اے وہ ذات پاک جس کا نام برکت والا ہے اور جو رب العالمین ہے اور رحمٰن اور رحیم ہے اور روز جزاء کا اکیلا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کسی اور کی نہیں۔

۱۔ نہ کسی فرشتے کی نہ کسی پیغمبر کی، نہ پیر کی نہ فقیر کی، نہ حضرت مسیح کی نہ رام چندر کی نہ کرشن کی۔

۲۔ نہ کسی اوتار کی، نہ جن کی نہ بھوت کی، نہ پری کی۔

۳۔ نہ کسی دیوتا کی نہ دیوی کی۔ نہ کسی ٹھاکر کی نہ بت کی نہ قبر کی نہ تعزیہ کی۔

۴۔ نہ کسی جانور کی نہ کسی درخت کی۔

۵۔ نہ کسی پہاڑ کی نہ کسی دریا کی۔

۶۔ نہ سورج کی نہ چاند کی نہ کسی ستارے کی۔

غرض ہم جملہ غیر اللہ سے الگ ہو کر صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور اپنی حاجات و مشکلات میں صرف تیری ہی طرف رجوع کر کے محض تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ (واضح البیان، ص ۲۸۷)

ہندوؤں کے نزدیک عبادت کا تصور

ہندو، اپنے گھروں اور مندروں میں پوجا کرتے ہیں۔ کئی خوشحال لوگ اپنے گھروں میں ایک کمرہ یا اس کے کسی حصہ کو پوجا کی شکل دیتے ہیں۔ اس پوجا گھر میں وہ اپنے مخصوص دیوی دیوتا کی تصویر یا مورتی رکھتے ہیں، پوجا کے وقت دیوتا کے سامنے دیپ جلاتے ہیں اور اگر بتی یا دھوپ کے دھوئیں سے خوشبو پیدا کرتے ہیں۔ (اسلام اور ہندومت ذاکر نائیک، ص ۱۰۷)

واہ، اسلام نے ہمیں اپنے رب کی عبادت کا کتنا بلند اور پاک تصور دیا ہے جو انسان کو اس کے رب سے وابستہ رکھتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت نمبر ۵ ﴿اِهْدِنَا﴾ الخ کی تشریح

ترکیب:

(اِهْدِ) فعل امر۔ (نَا) ضمیر متصل مفعول بہ، أَنْتَ ضمیر اس میں فاعل (الصِّرَاطَ) یہ دوسرا مفعول بہ ہے۔

(اَلْمُسْتَقِيْمَ) یہ صراط کی صفت ہے۔

(اَلْمُسْتَقِيْم) اصل میں مُسْتَقْوِمُ تھا۔ واؤ پر کسرہ بھاری ہے۔ قاف کی طرف نقل کر دیا اور واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ المستقیم ہوا۔

بلاغت:

اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے کہ دین حق کو صراط مستقیم (سیدھے رستہ سے تشبیہ دی گئی ہے) ایسا رستہ جس میں معمولی سا بھی ٹیڑھا پن نہ ہو۔ اس میں وجہ شبہ یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کسی جگہ میں سماتے نہیں ہیں بلکہ وہ بلند ہیں۔ مگر بندہ جو کسی جگہ کا طالب ہو اسے لازمی طور پر اس کے لیے مسافتیں طے کرنی پڑتی ہیں اور آفتیں سہنی پڑتی ہیں تاکہ یہ وہاں تک رسائی کا اعزاز حاصل کر سکے، اس وجہ سے سیدھے راستہ کی ہدایت طلب کی ہے۔ (اعراب القرآن، ج۱، ص ۳۳)

قراءت:

(الصِّرَاط) صرف صاد کے ساتھ نافع، بزی، ابوعمرو، ابن عامر، عاصم کسائی اور خلاد نے پڑھا ہے۔

(السِّرَاطَ) سین کے ساتھ قنبل نے پڑھا ہے۔ (نکرہ ہو یا معرفہ ہو۔)

اور خلف نے صاد میں زای کا اشمام (بودے کر) پڑھا ہے۔ سارے قرآن میں اشمام سے پڑھا ہے اور خلاد صرف اسی ایک آیت میں اشمام سے پڑھتا ہے۔ (النفع، ص ۱۴۲)

خلاصہ آیت:

ہماری رہنمائی فرما اور ہمیں اس پر ہمیشہ قائم رہنے کی توفیق دے۔ کیونکہ یہ وہ راہ ہے جو تیری رضا تک پہنچاتی ہے اور جنت میں داخل کرتی ہے، یہ راہ اسلام کی راہ ہے اور یہ وہ راہ حق ہے جس میں کوئی کجی نہیں اور یہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راہ ہدایت ہے۔ اسی لیے میں تجھ سے اس پر قائم رہنے کی دعا کرتا ہوں۔

مفسرین کی آراء

ا۔ پہلے بندہ کہتا ہے میں تیری مدد چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تمہاری مدد کیسے کروں تو بندہ کہتا ہے سیدھی راہ دکھانے میں۔

ہدایت کا معنی ہے لطف وکرم سے کسی کے لیے رہنمائی کرنا، یہ اصل میں خبر کے لیے بولی جاتی ہے۔ باقی جو قرآن میں آتا ہے۔ انہیں دوزخ کی رہنمائی کردو۔ فَاهْدُوْهُمْ ان کی رہنمائی کرو تو ان سے استہزاء کے طور پر کہا جائے گا۔

ہدایت کا انحصار درج ذیل قسموں میں ہے۔

ا۔ قویٰ کا فیضان جن کے ساتھ آدمی ہدایت حاصل کرتا ہے اور مصلحتوں سے مستفید ہوتا ہے جیسا کہ عقلی قوت اور ظاہر و باطن حواس ہیں۔

۲۔ ہدایت یہ ہے کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے دلائل مقرر کرنا اور صلاح وفساد کے درمیان امتیازات سے آگاہ کرنا۔

۳۔ ہدایت ہے پیغمبروں کو بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے ہدایت کی رہنمائی کرنا۔

۴۔ ہدایت کی قسم یہ ہے کہ دلوں میں چھپی باتوں کا انکشاف کرنا، یا وحی کے ذریعہ چیزوں کی حقیقت آشکارا کرنا۔

یہاں جو سیدھی راہ کا مطالبہ ہے یا تو ہدایت میں اضافہ کی دعاء ہے اور اس پر ثابت قدمی طلب کی گئی ہے۔ یا پھر ہدایت کے مراتب کے حصول کی دعاء ہے کہ اللہ مجھے مراتب حاصل کرنے کی راہ دکھا دے۔

(بیضاوی، ص ۱۰)

۲۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے ربط:

اوپر قلبی رجوع اور عبادت و استعانت کا ذکر ہوا ہے۔ یہ تب سے حاصل ہوتا ہے۔ جب استقامت حاصل ہو اور استقامت یہ ہے کہ عمل شروع سے لے کر بغیر اخیر تک عزم قویٰ کے ساتھ جاری رہے۔ ورنہ انسان ادھر ادھر کی کشمکش میں پریشان ہو کر اللہ کی راہ سے بہک جاتا ہے اور شرک میں جا گرتا ہے۔ اس بناء پر عبادت و استعانت کے بعد استقامت کی دعاء سکھائی گئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صراط مستقیم

ارشاد باری ہے:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾(الانعام : ۱۵۳)

''بے شک یہ میری سیدھی راہ ہے اس کی اتباع کرو۔''

اس استقامت کی ضرورت ہر معاملہ میں ہے۔ اعتقاد میں، عمل میں اور قول میں تعلم اور تعلیم میں، دعوت و ارشاد میں بھی، صنعت و دستکاری، مشغولیت اور فراغت میں۔ معاشرت میں، خانگی امور میں بچوں کی تربیت میں، تمدن و سیاست میں، نیند اور بیداری میں، کھانے پینے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، بہرصورت ہماری زندگی کے ہر امر میں اور ہر حال میں اور ہر طریقے میں ہمیں درست ہونا ہے۔ جناب خداوندی میں یہ دعاء کی جاتی ہے اور اس سے توفیق طلب کی جاتی ہے کہ الٰہی ہمارے ہر کام میں جو ہمیں پیش آئے، اس میں ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔ (واضح البیان، ص ۲۹۶)

۳۔ ایک ہدایت بیان و ارشاد ہے یہ اصحاب علم سرانجام دیتے ہیں۔ یہ سائل کے لیے خیر کی راہیں بتاتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ دوسری ہدایت و توفیق ہے اور اعتقاد حق کی ہے۔ یہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جاسکتی ہے۔ ہدایت بیان کی دلیل قرآن پاک میں یہ ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ﴾(الشوریٰ : ۵۲)

''اور بے شک آپ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔''

اور ہدایت توفیق کا ذکر اس آیۂ مبارکہ میں ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾(القصص : ۵۶)

''بے شک جسے تو پسند کرے تو ہر ایک کو ان میں ہدایت نہیں دے سکتا۔''

تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے بیان کی ہدایت ثابت کی ہے اور دل کو ہدایت پر لگانا اور توفیق دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کی ہے۔

تو بندے اس دعاء میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ اسلام کی رہنمائی کرتے رہنا۔ ایسی رہنمائی جو کبھی منقطع نہ ہو۔ (ایسر التفاسیر، ص ۱۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتراض نمبر ۴:

یہ ہوسکتا ہے کہ نمازی جب نماز میں کہتا ہے، مجھے سیدھی راہ دکھا۔ یہ سیدھی راہ پر ہے تو نماز پڑھ رہا ہے نہ ہوتا تو نماز کیسے پڑھتا یہ تحصیل حاصل ہے۔

اس کا حل:

(نمبر ۱) یہ ہے کہ یہ ہدایت تو ہے مگر یہ ہدایت پر ثابت رہنے کی دعاء ہے جس طرح ایک دوسری دعاء سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ (آل عمران : ۸)

''اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔''

حدیث میں ہے نبی ﷺ یہ دعاء کیا کرتے تھے۔

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلَى دِيْنِكَ)) (ترمذی، ص ۳۱۳)

''اے دلوں کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا۔''

۲۔ دوسرا حل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور معرفت کا سلسلہ نہ ختم ہونے والا ہے اس کے بے شمار درجات ہیں تو نمازی یہ دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان صفات و درجات کے مقامات میں ترقی عطاء فرما۔

صراط مستقیم کی چند جھلکیاں

بندہ کلی طور پر اطاعت الٰہی میں لگ جائے، اگر اسے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند تیار ہوجائے اور طلب علم کا حکم آئے تو بڑے منصب کو نہ دیکھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند روانہ ہوجائے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوئے جان بھی دینی پڑے تو حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح آرے سے چر جانے اور بیماری کی آزمائش آئے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی مانند صبر کا مظاہرہ کرے۔ اگر قاضی اور حکم بنے تو عدل کے سامنے سرنگوں ہونے سے عار نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو قبول کیا اور سلطنت اور حکومت ملے تو اللہ کی یاد اور اطاعت سے روگردانی نہ کرے جیسا کہ مثالی حکومت اور جاہ و جلال ملنے کے باوجود حضرت سلیمان علیہ السلام ریاضت و عبادت اور سجدہ ریزی سے غافل نہ ہوئے اور اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو حضرت یونس علیہ السلام کی مانند تسبیح و تہلیل زبان سے جاری کردیں۔

اور اگر خوبرو بیٹا جدا ہوا ہے تو حرف شکایت زبان پر نہ لائیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی مانند صبر جمیل کا مظاہرہ کریں اور اگر حسن و جمال کا پیکر عورت دعوت گناہ دے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی مانند قید کی کال کوٹھڑی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میں بند ہونا قبول کریں اپنے دامن عفت پر داغ نہ لگنے دیں۔

ان سب سے کامل واکمل سیرت حضرت محمد ﷺ کی ہے اور آپ قرآن وحدیث کی صورت میں صراط مستقیم لے کر آئے ہیں۔ یہی ہے یہ صراط مستقیم جس کی دعاء پروردگار سے کی گئی ہے۔ (تبیان القرآن، ج۱، ص ۲۱۴)

۵۔ صراط مستقیم کی تفسیر میں (۱) قول ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرنا۔ (۲) اس سے مراد کتاب اللہ ہے۔ (۳) اسلام مراد ہے۔ (۴) اس سے نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

یہ تمام اقوال صراط مستقیم کی وضاحت میں درست ہیں۔ (ابن کثیر، ج۱، ص ۲۸)

۶۔ ہدایت کے یہ فوائد ہیں۔ (۱) یہ ہے کہ ہدایت قرآن پاک میں ہر مؤمن اور ہر کافر کے لیے بلکہ ساری مخلوقات کے لیے عام ہے اور کہیں ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کہا ہے تو ہدایت کے عام اور خاص درجات معلوم کرنے کے بعد عام ہدایت اور خاص ہدایت کا شبہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ (۲) فائدہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں یا فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا اور دوسری جگہ بار بار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دیتے ہیں۔ اس کا جواب درجات کی تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ہدایت عامہ سب کو کی جاتی ہے اور ہدایت کا خاص درجہ ظالموں اور فاسقوں کو نصیب نہیں ہوتا۔

۳۔ ہدایت کا فائدہ یہ ہے کہ ہدایت کے تین درجات ہیں۔ ان میں پہلا اور تیسرا درجہ صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس میں کسی نبی، رسول یا ولی وغیرہ کا دخل نہیں ہوتا یعنی کائنات پیدا کرنے میں اور جو ہدایت مؤمنوں اور متقیوں کے لیے خاص ہے یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کرتے ہیں اور ہدایت ارشاد اس میں دوسروں کو عمل دخل ہے۔)

الغرض یہ اِهْدِنَا الخ، ایک جامع اور اہم ترین دعاء ہے جو انسان کو سکھائی گئی ہے۔ انسان کو کوئی فرد اس سے بے نیاز نہیں۔ دین اور دنیا دونوں میں صراط مستقیم کے بغیر فلاح و کامیابی نہیں۔ دنیا کی الجھنوں میں بھی صراط مستقیم کی دعاء، نسخۂ اکسیر ہے۔ مگر لوگ توجہ نہیں کرتے۔ (معارف القرآن، ج۱، ص ۹۱)

۷۔ سنت، ہدایت کا دوسرا سرچشمہ ہے:

سنت اسلامی تعلیمات کا دوسرا سرچشمہ ہے۔ سنت پر ایمان ایک بنیادی اسلامی عقیدہ ہے اور یہ قرآن کے علاوہ ہدایت الٰہی کا سرچشمہ ہے۔ (اسلام کی سچائی، ص ۲۳۴)

۸۔ صراط مستقیم اس سے مراد وہ سیدھا رستہ ہے جو بندوں کے لیے خود خدا نے کھولا ہے۔ جو دین اور دنیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ جس پر چلنے کی دعوت نبیوں اور رسولوں نے دی ہے جس پر ہمیشہ خدا کے نیک بندے چلے ہیں جو قریب تر اور سہل ترین ہیں۔

یہاں انسان کی عقل بے بس ہے۔ صرف خدا ہی بتا سکتا ہے صراط مستقیم کیا ہے۔ وہی اس کی توفیق بخش سکتا ہے۔ یہی وہ خلا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان نبوت کا کیوں محتاج ہے۔ (تدبر القرآن، ج ۱، ص ۴۳)

۹۔ ہدایت کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ سیدھا راستہ بتا دیا جائے، ہدایت کا دوسرا درجہ یہ ہے، سیدھا رستہ دکھا دیا جائے اور ہدایت کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ انگلی پکڑ کر سیدھے رستے پر چلایا جائے۔ سیدھے راستے کی ہدایت کی دعاء میں یہ سارے مفہوم شامل ہوں گے۔ (بیان القرآن، ج ۱، ص ۱۱۳)

۱۰۔ اصل یہ ہے کہ اللہ کے عالمگیر دین کی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے صراط مستقیم سے بہتر تعبیر نہیں ہوسکتی۔ تم کسی خاص مقام تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہیں نکال لو۔ لیکن سیدھی راہ ہمیشہ ایک ہوگی اور اسی پر چل کر ہر مسافر منزل مقصود تک بحفاظت دامن پہنچ سکے گا، علاوہ بریں سیدھی راہ ہمیشہ شاہراہ عام کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور تمام مسافر خواہ کسی بھی گوشے کے رہنے والے ہوں سب مل کر وہی راہ اختیار کریں گے، ٹولیاں بنا کر متفرق نہ ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے ٹھیک اسی طرح دین کی بھی ایک سیدھی راہ ہے۔ وہ اول دن سے موجود ہے۔ ہر عہد، ہر قوم، ہر ملک اس پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے دارا پوش اول نے جو فرامین کندہ کرائے تھے ان میں سے بے ستون کا کتبہ اب بھی موجود ہے۔ اس کا آخری جملہ یہ ہے۔ اے انسان! خدا کا تیرے لیے یہ حکم ہے برائی کا دھیان نہ کر سیدھا راستہ نہ چھوڑ گناہ سے بچتا رہ۔

پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلب زندگی کی تمام راہوں میں درستگی اور صحت کی راہ پر چلنے کی طلب ہے اور انعام یافتہ گروہ وہی ہوسکتا ہے جس کی راہ صراط مستقیم ہو۔ (ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۲۵۷)

۱۱۔ جس اللہ نے ہمیں اپنی حمد و ثناء اور عبادت کی ہدایت دی ہے اس دعاء میں (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ) اللہ سے ہدایت پر ثابت قدمی کی التجاء ہے اور اس میں مستقبل میں بھی ہدایت پر ثابت رہنے کی دعا ہے۔ یہ اللہ کی توفیق سے ہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کفار اللہ کی معرفت اور حمد و ثناء سے بھٹکنے کی وجہ سے ہی غضب الٰہی اور سزا کے مستحق قرار پاتے تھے۔ مسلمان اس سے بچنے کے لیے ہدایت کا مطالبہ کرتا ہے۔ (احکام القرآن جصاص، ج ۱، ص ۲۳)

۱۲۔ یہ راہ ہم اپنے علم اور عقل سے دریافت نہیں کر سکتے چونکہ ہمارا علم محدود ہے اور عقل ناقص ہے۔ اس لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہم اپنے اللہ سے دریافت کرتے ہیں، اپنے علم کی بناء پر ہمیں ایسی راہ بتادے جس میں کوئی کجی نہ ہو کوئی اونچ نیچ نہ ہو کہیں ٹھوکر لگنے کا ڈر نہ ہو۔ زندگی کا مکمل دستور العمل ہو۔

ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو دعاء کی تلقین کی ہے۔ مگر کوئی روٹی مانگتا ہے کوئی طاقت کے لیے دعاء کرتا ہے، کوئی دل کی روشنی چاہتا ہے کوئی گناہوں کی معافی کے لیے دعاء کرتا ہے۔

ہمارے پروردگار نے ہمیں ایک جامع اور مکمل دعاء بتلائی کہ ہر دم ہر کام میں صحیح اور درست راہ معلوم کرنے اور اس پر چلنے اور قائم رہنے کی دعاء کرو۔ (درس قرآن، ج ۱، ص ۹)

۱۳۔ رستے کی ہدایت یہ ہے کہ دین اسلام کو لازم پکڑنا اور اس کے علاوہ تمام ادیان کو چھوڑ دینا یہ دعاء نہایت ہی جامع ہے اور بندے کے لیے بہت مفید ہے، اس لیے انسان پر واجب ہے کہ اپنی نماز کی ہر رکعت میں اسے دہرائے۔ (تیسر الکریم، ص ۲۸)

۱۴۔ بندہ ہمیشہ اس بات کا محتاج و لاچار ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا رہے۔ عذاب سے نجات اور سعادت کا حصول صرف اس ہدایت سے ہوتا ہے۔ غضب شدہ اور گمراہوں سے محفوظ یہ صرف اس ہدایت کی بدولت ہی ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ، جزء ۱۴، ص ۲۶)

۱۵۔ اے اللہ! ہمیں سورت انعام آیت نمبر ۱۵۱ تا ۱۵۳ میں مذکور احکام پر دائمی عمل کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ (تفسیر بکلام القرآن، ص ۶)

(۱) شرک سے بچا (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے (۳) اولاد کو قتل نہ کرنے (۴) ظاہر و باطن بے حیائیوں سے (۵) جان قتل کرنے (۶) یتیم کا مال نہ کھانے (۷) ماپ اور وزن پورا کرنے (۸) عدل کرنے (۹) عہد پورا کرنے کی توفیق دے۔ اس صراط مستقیم پر ہمیں ہمیشہ گامزن رکھنا۔

۱۶۔ یہ ہے وہ درخواست اور گزارش جو بندہ اپنے اللہ کے حضور پیش کرتا ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی اس بھول بھلیوں میں حقیقت نفس الامری کیا ہے۔ اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظام اخلاق کون سا ہے۔ زندگی کی ان بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان فکر و عمل کی سیدھی اور صاف شاہراہ کون سی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۵)

۱۷۔ بعض علمائے کرام نے نہایت ہی خوبصورت بات کہی ہے۔ اس سورت فاتحہ میں دعاء کا عظیم حصہ بیان کیا ہے۔ اس سورت کے نصف میں حمد و ثناء کا مجموعہ ہے اور دوسرے نصف میں حاجات کا مجموعہ ہے۔ اس سورت میں مذکورہ جو دعاء ہے وہ سب دعاؤں سے افضل ہے کیونکہ اس دعاء کے ساتھ خود رب کائنات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے کلام کیا ہے اور اسی رب کے کیے ہوئے کلام کو یہ اپنی دعاء میں دہراتا ہے اور حدیث میں ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والی چیز دعاء ہے۔ (الادب المفرد: ۷۱۲۔ احمد، ج ۲، ص ۳۶۲۔ ترمذی: ۳۳۷۰، حسن۔ تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۱۹۲)

۱۸۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، نماز کا آدھا حصہ میرے لیے ہے اور آدھا میرے بندے کے لیے ہے۔ میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ طلب کرے۔ (مسلم: ۳۹۵)

اس سے معلوم ہوا پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اب دعاء کے لیے موزوں وقت تھا اور پھر اللہ نے حاجت پوری کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اس لیے ہدایت مانگ لی۔

صراط مستقیم کی وضاحت حدیث سے

۱۔ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال یوں بیان کی ہے۔ صراط مستقیم کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان میں کئی کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں اور اس صراط مستقیم پر ایک پکارنے والا ہے جو آواز دیتا ہے، لوگو! سیدھی راہ پر چلے آؤ، ادھر ادھر ٹیڑھی راہوں پر نہ دیکھو۔ ان دروازوں کو جب کوئی کھولنا چاہتا ہے وہ پکارنے والا منع کرتا ہے۔

صراط مستقیم اسلام ہے اور دیواریں اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور کھلے ہوئے دروازے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور راستے کے اوپر سے پکارنے والا زندہ ضمیر ہے جو اللہ نے بطور واعظ ہر انسان کے دل میں رکھا ہوا ہے۔ (مسند احمد، ۱۷۶۳۴)

۲۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ آپ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور دو خط اس کی دائیں طرف اور دو خط اس کی بائیں طرف کھینچے پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک درمیانے خط پر رکھا اور فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور یہ آیہ مبارکہ تلاوت کی۔

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

"یہ میری سیدھی راہ ہے اس کی اتباع کرو۔" (ابن ماجہ: ۱۱)

قادیانی نے صراط مستقیم سے بھٹک کر اپنی تباہی کا سامان کیا

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے مباہلہ میں یہ راہ حق سے گمراہ کتنے یقین سے کہتا ہے۔ اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں (اللہ سے) ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر اے میرے پیارے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾ (الاعراف: ۸۹)

''اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر تو بہترین فیصلہ کرنے والوں میں سے ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات، ج ۳، ص ۵۷۸۔ حیات طیبہ، ص ۴۲۳)

اس کی روشنی میں مرزا قادیانی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل قریباً دن دس بجے مرض ہیضہ میں مبتلا ہوا اور ایک بڑا دست آیا اور نبض بالکل بند ہوگئی۔ (سیرت مہدی، ص ۹)

جبکہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ (۱۵) مارچ ۱۹۴۸ء سرگودھا میں فوت ہوئے۔ (سیرت ثنائی، ص ۴۷۹)

ہندوازم اور تلاش حق

ہندوازم کی تاریخ تلاش حق کی تاریخ ہے۔ یہ حق و معرفت کے حصول اور چاہت کی داستان ہے۔ ایک ہندو کے نزدیک خدا اصل حقیقت اور سچائی ہے۔ ان کی کتابوں میں ایک دعاء مذکور ہے۔

مجاز سے حقیقت کی جانب میری رہنمائی کر۔ تاریکی سے نور کی جانب میری رہنمائی کر۔ فنا سے بقا کی جانب میری رہنمائی کر۔ اس سے معلوم ہوا ہندوازم تلاش حق چاہتا ہے۔ (اسلام اور ہندومت ڈاکٹر نائیک، ص ۱۰۵)

اسلام نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی

یہ آئیں اور اسلام کو اپنائیں یہی حق کی تلاش ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جو روشن ہے۔

دعا کے متعلق سرسید احمد خاں کی غلط تاویل

سرسید احمد خاں ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۸ء تاویل کرنے والے طبقہ کے سربرآوردہ رہے ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم مغرب میں ہی حاصل کی تھی۔ یہ مغربی افکار و نظریات سے شدید متاثر تھے اور ظاہر ہے مغرب صرف اسی بات پر راضی ہو سکتا تھا جو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر ہو۔ انہوں نے مسلمانوں میں مغربی افکار اور عقل پرستی کو رائج کیا۔ اسی انداز پر انہوں نے ایک تفسیر لکھ ڈالی، اس تفسیر میں انہوں نے دعاء کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا۔

دعاء کے متعلق سرسید لکھتے ہیں، دعاء جب دل سے کی جاتی ہے ہمیشہ مستجاب ہوتی ہے۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیے ہم دعا کرتے ہیں دعا کرنے سے وہ مطلب حاصل ہو جائے گا اور استجابت کے معنیٰ اس مطلب کا حاصل ہو جانا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے حصول مطلب کے لیے جو اسباب اللہ نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ تو اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔ بلکہ وہ اس قوت کو تحریک کرنے والی ہے جس سے اس رنج و مصیبت اور اضطراب میں جو مطلب کے نہ حاصل ہونے سے ہوتا ہے، تسکین دینے والی ہے۔ (صفحہ ۱۰)

اس غلط تاویل کا جواب:

۱۔ بات ہے کہ سرسید صاحب نے جو کہا ہے کہ دعا طلب کے اسباب کو جمع کرنے والی نہیں، اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی، قوی دلیل تو کیا ضعیف بھی نہیں، یہ کتنی جرأت کی بات ہے۔

۲۔ سرسید صاحب کا یہ کہنا، نہ اس مطلب کے اسباب کو جمع کرنے والی ہے، یہ غلط ہے اور یہ بات سرسید صاحب خود کہتے ہیں کہ نقلی دلیل ان کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ ہو۔ ان کی حسب درخواست ہم یہی دلیل پیش کرتے ہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے دعا کی:

﴿ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (القمر : ۱۰)

''بے شک میں مغلوب ہوں میرا انتقام لے۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴾ (القمر : ۱۱)

''پس ہم نے بہنے والے پانی کے ساتھ ان پر آسمان کے دروازے کھول دیئے۔''

عربی زبان کا قاعدہ ہے۔ (فاء) تعاقب میں آئے تو اس سے پہلا کلام پچھلے کے لیے سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح نوح علیہ السلام نے دعاء کی اور بھی کفار کی ہلاکت کے اسباب ہوسکتے ہیں لیکن یہاں قرآن پاک نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو ان کی قوم کی بذریعہ بارش ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے۔

ایک اور مقام بھی ملاحظہ کریں۔ جنگ بدر میں نبی ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعا کی تو فرمایا:

﴿ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴾ (الانفال : ۹)

''تمہاری فتح کی دعاء تمہارے رب نے قبول کی کہ میں تمہاری مدد کرنے کو ایک ہزار فرشتے بھیجوں گا۔''

یہ سب سے واضح ہے کہ دعاء کا معنی ہی مراد مانگنا ہے تو دعاء جنگ بدر میں اللہ کی مدد کا سبب بنی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، دعا بھی مثل دیگر اسباب خورونوش کے ہے۔ جیسا کھانا بھوک کے لیے اور پینا پیاس کے لیے۔ اگر یہی سوال کیا جائے اگر بھوک نے جانا ہی ہے تو کھانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر اس نے نہیں جانا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو پھر کھانے سے بھی نہیں جائے گی۔ (الجواب الکافی)

خلاصہ یہ کہ دعاء بھی اور اسباب کی مثل ایک سبب ہے۔ بس جیسے اور اسباب پر حصول مطلب ضروری نہیں، باوجود اس کے ان کی سببیت میں شبہ نہیں۔ اسی طرح دعاء میں ہے۔ (تفسیر ثنائی، ج ۱، ص ۲۸)

مولانا سید مودودی رحمہ اللہ نے اس آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں لکھا ہے اور بہت درست لکھا ہے۔

اس کی گزارش یہ ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ قیاسی فلسفوں کی اس بھول بھلیاں میں حقیقت نفس الامری کیا ہے۔ اخلاق کے ان مختلف نظریات میں صحیح نظام اخلاق کون سا ہے۔ زندگی کی ان بے شمار پگڈنڈیوں کے درمیان فکر و عمل کی سیدھی اور صاف شاہراہ کون سی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۴۵)

سرسید خاں کے اس نظریہ کے رد میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اور اس عقلی کجی پر تنقید فرماتے ہیں، اسی مضمون کی آیات اور احادیث کثیر تعداد میں ہیں۔ جملہ اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں اور عقل بھی اس کی مقتضی ہے کہ ایک عاجز بندہ جو اپنے خدا کو سب طاقتوں کا مالک جان کر اس سے اپنے ارادوں کے پورا ہونے میں امداد چاہتا ہے تو ایسے وقت میں اس عاجز بندے کی حاجت روائی نہ کرنا ایک قسم کا بخل ہے۔ پھر جو ذات ستودہ صفات (اللہ تعالیٰ) بخیل اور امساک (کنجوسی) سے مبرا ہو اس کا سائل کے سوال پر متوجہ نہ ہونا اس سے بڑا بخل ہوگا لہٰذا اس کی بارگاہ میں دعاء کرنا اور اللہ کا سننا رفع تکلیف کے لیے بہت مفید سبب ہے۔ (تفسیر ثنائی، ج ۱، ص ۲۶)

آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں تحریف

سید فرمان علی لکھتا ہے۔ حضرت نے علی کو مخاطب کر کے فرمایا: اے علی! جو تیری پیروی کرے گا نجات پائے گا اور جو تجھ سے پھر جائے گا ہلاک ہوگا تو ہی طریق واضح اور صراط مستقیم ہے۔ (ص ۱۴، بقیہ حاشیہ ۲، القرآن) مزید لکھتا ہے صراط مستقیم سے امیر المؤمنین اور ان کی معرفت مراد ہے۔

اس کی تصحیح:

۱۔ بات تو یہ ہے کہ اوپر مفسرین کی توضیحات تحریر کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی یہ تفسیر بیان نہیں کی اور ہم نے قرآن و حدیث کی رو سے صراط مستقیم کی تعریف تحریر کی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی تفسیر درست نہیں۔

۲۔ یہ فرمان علی کی تحریف خود اس کے مسلک کی تفسیر کے خلاف ہے۔ عیاشی اپنی تفسیر میں لکھتا ہے۔ اِهْدِنَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الصراط المستقیم صِرَاطَ الْأَنْبِيَآءِ، ہمیں سیدھی راہ دکھا'' کا مطلب ہے انبیاء کی راہ دکھا۔

(الشیعہ والقرآن، ص ۱۶۷)

اور انبیاء کی راہ یقیناً سیدھی ہوتی ہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ صراط مستقیم سے "هُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعِبَادِ غَيْرَهٗ۔"(قرطبی، ج ۱، ص ۱۹۲) سے مراد اللہ کا دین ہے وہ بندوں سے اس کے سوا قبول ہی نہیں کرتا۔

غور کریں، اہل بیت کے نامور عالم صراط مستقیم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد نہیں لیتے بلکہ اللہ کا دین مراد لیتے ہیں۔ ثابت ہوا یہ تحریف ہے اسے فرمان علی کے مسلک نے بھی قبول نہیں کیا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بذات خود نقل کرتے ہیں، کتاب اللہ اللہ کی رسی ہے اور یہی ذکر حکیم ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ (تفسیر، ج ۱، ص ۲۷)

لہٰذا یہ تفسیر قرآن پاک میں تحریف ہے۔ قرآن و حدیث نے جو صراط مستقیم کا تعارف پیش کیا ہے اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود تعریف کی ہے اس کے سامنے یہ بے حیثیت ہے، بلکہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسی شرعی صراط مستقیم پر چلے تھے جس کی وجہ سے جنت کے وارث ہوئے۔

ہم اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کے آخر میں مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ کا تبصرہ نقل کرتے ہیں، جو پڑھنے کے قابل ہے۔ دین حقیقی کی راہ سیدھا ہونا اور سُبُل متفرقہ یعنی خود ساختہ گروہ بندیوں کا پر پیچ وخم ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہر انسان بغیر کسی عقلی کاوش کے سمجھ لے سکتا ہے۔ اللہ کا دین اگر انسان کی ہدایت کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ اللہ کے تمام قوانین کی طرح یہ بھی صاف اور واضح ہو۔ اس میں کوئی راز نہ ہو کوئی پیچیدگی نہ ہو، نا قابل حل معمہ نہ ہو۔ اعتقاد میں سہل ہو اور عمل میں ہلکا، ہر عقل اسے بوجھ لے۔ ہر طبیعت اس پر مطمئن ہو جائے۔ اچھا غور کرو، یہ تعریف کس راہ پر صادق آتی ہے۔ ان مختلف راہوں پر جو پیروان مذاہب نے الگ الگ گروہ بندیاں کر کے نکال لی ہیں یا اس کی ایک ہی راہ جسے قرآن اصل دین کی راہ بتلاتا ہے۔ پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلب زندگی کی تمام راہوں میں درستگی و صحت کی راہ چلنے کی طلب ہوئی اور اسی لیے سعی و عمل کے ہر گوشے میں انعام یافتہ گروہ وہی ہو سکتا ہے جس کی راہ مستقیم ہو۔ (ترجمان القرآن، ج ۱، ص ۲۵۵)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آیت ۷ کی تفسیر

حل لغات:

صِرَاطَ، یہ پہلے صراط سے بدل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے۔ یہ مضاف الیہ ہے اس کا محل مجرور ہے۔ اَنْعَمْتَ (افعال) صحیح، ماضی معلوم، واحد مذکر حاضر، تاء ضمیر متصل ہے۔ فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور انعمت کے جملہ کا محل اعراب نہیں کیونکہ یہ موصول کا صلہ ہے۔ عَلَيْهِمْ یہ جار مجرور انعمت کے متعلق ہیں اور غَيْرِ یہ عَلَيهِم کی ضمیر سے بدل ہے۔ اسے الذین سے بھی بدل بنایا جا سکتا ہے۔ یا یہ الذین کی صفت ہے۔ اَلْمَغْضُوْبِ یہ مضاف الیہ ہے۔ عَلَيْهِمْ یہ جار مجرور محل رفع میں ہے۔ یہ مغضوب کا نائب فاعل ہے۔ (واو) حرف عطف ہے اور لَا زائد ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ غَيْرَ میں جو نفی پائی جاتی ہے یہ اس کی تاکید کے لیے ہے۔ اَلضَّآلِّيْنَ (ض، مضاعف) اسم فاعل جمع مذکر سالم۔ یہ مغضوب پر معطوف ہے۔ اس کے جری حالت ہونے کی علامت یہ ہے کہ یاء آئی ہے۔

اس آیت کی بلاغت:

لفظ غیر ہمیشہ مفرد اور مذکر ہوتا ہے۔ جب اسے مؤنث لانے کا ارادہ ہو تو پھر اس کی طرف نسبت کیے گئے فعل میں تانیث لائی جاتی ہے۔ یہ کہیں گے: قَامَتْ غَيْرُ هِنْدٍ، ہند کے سوا کوئی اور عورت کھڑی ہوئی۔ اصل میں غیر اسم فاعل مُغَایِر کے معنی میں ہے جو صفت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے، جب اس کی اضافت ہوتی ہے تو اس پر لام تعریف نہیں آتا اور کبھی اسے اِلَّا پر قیاس کرتے ہوئے استثناء کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی اِلَّا کو غیر پر قیاس کرتے ہوئے صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو لازماً اضافت کے ساتھ آتے ہیں خواہ اضافت لفظی ہو یا تقدیری ہو۔

صراط الذین انعمت میں انعام کا ذکر ہے۔ اسے خطاب سے ذکر کیا گیا ہے اور پوری صراحت و وضاحت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ نعمت اللہ کا قرب دیتی ہے۔ کیونکہ جتنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائے اتنا ہی زیادہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے انعام یافتہ لوگوں کا ذکر پوری صراحت سے کیا ہے۔ جب غضب کا ذکر کیا تو غضب کرنے والے کا ذکر نہیں کیا اس سے بدل کر صرف مغضوب (جس پر غضب کیا گیا ہے) کا ذکر ہے یعنی نعمت کا ذکر لفظوں میں بیان ہوا اور لفظ غضب بدل کر مغضوب کا ذکر کرنا یہ اللہ کی شفقت اور لطف کرم کا اشارہ ہے تو اس آیہ مبارکہ میں علم بیان کی غرض پوری کر دی گئی ہے۔ اس میں ابہام (غیر واضح) کے بعد تفسیر ہے کہ صراط مستقیم متعین نہ تھی۔ **صِرَاطَ الَّذِيْنَ** سے اس کی وضاحت کر دی کہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ۔

اس میں تسجیع اس سے مراد ہے وزن میں دو کلموں کا اتفاق ہو جانا) بھی ہے، پہلے آیا **نستعین**، اس میں آیا **الضالین** وزن ایک جیسے ہو گئے، یہ بھی علم بیان کی خوبی ہے۔ (**اٰمِيْنَ**) یہ قرآن پاک میں سے نہیں۔ نہ ہی یہ سورت فاتحہ میں سے ہے۔ یہ اسم ہے جو فعل کا معنیٰ دیتا ہے۔ اس کا معنی ہے۔ **اِسْتَجِبْ** تو قبول کر۔ یہ مد کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ آمین اور بغیر مد کے بھی۔ **اَمین** بھی۔

ایک اہم بات:

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہدایت کی دعاء ہوئی ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں وہ ہدایت یافتہ نہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ اس میں ہدایت کی دعا ہوئی ہے۔ یہ بہت ہی مفید ہے جو ہدایت نہیں پاتے تو اس میں اس دعاء کا کوئی قصور نہیں۔ آفتاب روشن ہے اگر اندھے کو نظر نہیں آتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے۔

اگر   بروز   نہ   بیند   شیرہ   چشم

چشمۂ   آفتاب   را   چہ   گناہ

اگر دن کو الو کو نظر نہیں آتا تو اس میں آفتاب کا کیا گناہ ہے۔ اسی طرح شہد کی شیرینی کا کون منکر ہے اگر کوئی اس سے لذت کام نہیں ہوتا تو اس میں شہد کا کیا قصور ہے اور اگر دھاڑتا ہوا سمندر جوش مار رہا ہے۔ پیاسا اس سے پیاس نہیں بجھاتا تو اس کے لیے بربادی ہے اور ماہتاب ضوء افگن ہے کوئی پھر بھی تاریکی میں ڈوبا ہے تو بدر منیر کا اس میں کیا قصور ہے اور خوشبو حاضر ہے لیکن کوئی خباثت و غلاظت میں ہی بسیرا کرتا ہے تو خوشبو پر اعتراض نہ کیا جائے اس کی گندی سوچ کا ماتم کیا جائے۔ (اعراب القرآن، ج۱، ص ۳۰ تا ۳۵)

قراءت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ **وَغَيْرِ الضَّآلِّيْنَ** پڑھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص ۲۹) ایک قراءت **صراطُ مَنْ اَنْعَمْتَ** ہے۔ (روح المعانی، ج۱، ص ۱۲۹) **عَلَيْهِمْ** میں دس لغات ہیں، ھاء پر پیش اور میم ساکن، **عَلَيْهُمْ**،

۲۔ ھاء پر کسرہ اور میم ساکن، جیسا کہ عام ہے اور بغیر یاء **عَلَيْهِمْ** وغیرہ (حوالہ مذکور) رفع کی صورت میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک قراءت (اَلَّذُوْنَ) ہے۔ الضالّین میں ولا الضأَلِیْنَ ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔

(قرطبی، ج۱، ص ۱۹۶)

خلاصہ آیت:

ایک مردِ مؤمن جب اپنے رب سے صراط مستقیم مانگتا ہے کہ مجھے اور میرے دوسرے بھائیوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دے تو اس میں ابہام تھا۔ اس آیۂ مبارکہ میں یہ وضاحت ہے کہ صراط مستقیم وہ منہج ہے جو بندے کو سیدھا رضائے الٰہی کے سائے میں لے جاتا ہے اور جنت تک پہنچاتا ہے، وہ اسلام کی راہ ہے جو ایمان اور علم و عمل سے روشن ہے اور شرک و معاصی سے بچاتی ہے۔

اس میں اس راہ سے بچنے کی درخواست ہے جس پر یہود و نصاریٰ نے کفر و فساد کے کانٹے بچھائے اور غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے اور راہ حق سے بھٹک گئے اور غیر اللہ کی پرستش کرنے لگ گئے۔

مفسرین کی وضاحتیں

۱۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انسان کبھی راہ راست پر چلتا ہے کبھی اس سے پھسل جاتا ہے۔ اللہ کریم مجھے انعام یافتہ لوگوں والی ہدایت پر ہی ہمیشہ چلانا۔

انعام یافتہ لوگوں کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ ہے۔ قرآن پاک بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النساء : ٦٩)

"جس نے اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی، یہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، انبیاء میں سے، صدیقوں میں سے، شہداء میں سے اور نیکوں میں سے اور ان لوگوں کا ساتھ کتنا اچھا ہے۔"

اور مغضوب علیہم سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد عیسائی ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کی تفسیر میں مغضوب یہودیوں کو قرار دیا ہے۔ اور ضالین عیسائیوں کو قرار دیا ہے۔ (ترمذی: ۲۹۵۳۔ طیالسی: ۱۰۴۰۔ احمد، ج ۴، ص ۳۷۸) اَلضَّآلِّيْنَ، اصل میں ضَالِلِيْنَ تھا۔ لام کو لام میں مدغم کر دیا۔ اس میں قدریہ، معتزلہ اور امامیہ کے اعتقاد کی تردید ہے، یہ کہتے ہیں، اطاعت کا کام ہو یا نافرمانی کا کام ہو اس کے سرزد ہونے میں انسانی ارادہ کافی ہے۔ بندہ افعال سرزد کرنے میں خود مختار ہے۔ رب سے ان کے جاری ہونے کا محتاج نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ اس آیۂ مبارکہ میں ان کی تردید کرتے ہیں۔ اگر بندے اپنے افعال کے خود خالق ہوتے تو ہدایت اور صراط مستقیم اس سے طلب نہ کرتے اور نہ ہی ضلالت سے بچنے کی اس سے التجاء کرتے۔

(احکام القرآن، ج۱ص ۱۹۴)

۲۔ علامہ ابوبکر جزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ایمانداروں نے جب اپنے اور بھائیوں کے لیے صراط مستقیم کا مطالبہ کیا اور ہدایت طلب کی تو اس آیۂ مبارکہ میں اس کی وضاحت ہے کہ انبیائے کرام، صدیقین اور شہداء اور صالح لوگ اور ہر وہ انسان جو بھی ایمان ومعرفت اور علم وعمل سے آراستہ ہے ان کی راہ و ہدایت دکھانا اور جو غضب وضلالت کی راہ پر چلے تھے ان کی راہ سے بچانا۔

اس میں ترغیب ہے نیک لوگوں کی راہ پر چلیں اور گمراہوں کی راہ سے بچیں۔ (السیر التفاسیر، ص ۱۵)

۳۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انعام کا معنی ہے، کسی دوسرے انسان تک احسان پہنچانا، اور غضب کا معنی ہے، سخت اور ٹھوس چٹان اور ضلالت کا اصل معنیٰ ہلاکت ہے۔

صراطَ الذین کو پہلے **الصراط المستقیم** سے بدل ماننے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ بتایا ہے کہ صراط مستقیم وہی راہ ہے جس کی تفسیر مسلمانوں کی راہ سے کی گئی ہے۔ یہ بلیغ انداز پر مسلمانوں کی صراط مستقیم پر استقامت کی دلیل ہے۔ سورت ابراہیم (۱۔۲) میں اسے ہی اللہ کی راہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ اللَّهِ﴾ (ابراھیم : ۱۔۲)

"یہی عزیز اور حمید اللہ کی راہ ہے۔"

اور غضب زدہ یہود کو قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ (المائدہ : ۶۰)

"جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب کیا۔"

یہ یہودیوں کو کہا گیا ہے۔

اور عیسائیوں کو ضلالت والا قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا﴾ (المائدہ : ۷۷)

"اور نہ تم پیروی کرو اس قوم کی خواہشات کی جو گمراہ ہو چکے۔"

یہ عیسائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے غضب شدہ لوگوں کا ذکر پہلے کیا ہے اور ضلالت والوں کا بعد میں کیا ہے۔ حالانکہ ضلالت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والوں کا پہلے ذکر ہونا چاہیے تھا کیونکہ ضلالت غضب کا باعث بنتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی غضب شدہ قوم ہیں۔ ان کا زمانہ پہلے تھا اس لیے انہیں پہلے لایا گیا، عیسائیوں کا زمانہ بعد میں تھا اس لیے ان کا ذکر بعد میں کیا گیا۔ (روح المعانی، ج ۱، ص ۱۲۶)

۴۔ علامہ بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انعامات الٰہیہ بے شمار ہیں، تاہم ان کا انحصار دو میں کیا جاسکتا ہے۔ (۱) دنیوی انعامات (۲) اخروی انعامات۔ دنیوی نعمتوں میں سے ایک وھبی ہے جس میں بندے کے کسب وکمال کا عمل و دخل نہیں۔ دوسری کسبی ہیں جن میں بندے کے کسب وکمال کا دخل ہوتا ہے۔

وھبی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں روح پھونکی ہے، روشن عقل دی، فہم وفراست دی اور قوت گویائی عطاء کی اور جسمانی نعمتوں میں سے یہ ہیں، اس نے بدن پیدا کیا، قویٰ دیئے، صحت دی، مکمل اعضاء بنائے اور کسبی نعمتوں میں یہ شامل ہے، کمینہ حرکات سے اس کا تزکیۂ نفس کیا اور اچھے اخلاق سے آراستہ کیا اور عمدہ ملکہ دیا اور بدن خوبصورت بنایا جاہ و مال دیا۔ اور اخروی نعمتوں میں سے یہ ہے کہ انسان کی کوتاہی سے درگزر کیا اور اس پر رضامندی کی اور اعلیٰ علیین میں فرشتوں کے ساتھ ہمیشہ ٹھکانا دے دیا۔

یہاں انعام والوں سے مراد یہی لوگ ہیں جو اخروی نعمتیں پانے والے ہیں اور مغضوب اور ضال والوں کی راہ سے پناہ مانگی ہے تو انعام یافتہ وہ لوگ ہوئے جو دونوں نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ ایک نعمت ایمان سے دوسری غضب وضلالت سے سلامتی کی نعمت ہے۔ (تفسیر، ص ۱۱)

انتباہ:

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے، غضب کی تعریف یہ ہے کہ انتقام کے لیے طبیعت میں ہیجان پیدا ہو، اللہ کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس سے منتہیٰ (غایت) جو یہاں انتقام سے مراد ہے۔ (حوالہ مذکور)

یعنی حضرت نے یہ تاویل کی ہے کہ اللہ کے غضب کی تاویل یہ ہے کہ وہ انتقام لیتا ہے۔ لیکن یہ تاویل سلف کے نظریہ کے خلاف ہے۔ درست یہ ہے کہ غضب کی صفت اس میں ہے، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، کیفیت اللہ ہی جانتا ہے۔

۵۔ علامہ اشقر فرماتے ہیں، انعام یافتہ تو وہ لوگ ہیں جن کا ذکر النساء (۶۹) میں آیا ہے۔ مغضوب یہودی ہیں اور ضال عیسائی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حق کی جان پہچان کرنے کے باوجود اس سے مائل ہوگئے، یہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائے اور عیسائی جہالت سے عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں راہ حق سے بھٹک گئے۔ اس وجہ سے ضلالت میں ڈوب گئے۔ (زبدۃ التفسیر، ج ۱، ص ۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۶۔ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس آیہ مبارکہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کی صحت پر دلیل ہے کیونکہ سورۂ فاتحہ میں ہمیں انعام یافتہ لوگوں کی راہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور انعام یافتہ لوگوں میں انبیاء کے بعد صدیق لوگ شامل ہیں۔ لہٰذا ان کی امامت و خلافت حق ہے۔

ایک یہ سوال ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک میں سیدہ مریم کو صدیقہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ (المائدہ : ۷۵)

''ان کی (عیسیٰ علیہ السلام) کی امی صدیقہ ہیں۔''

تو پھر یہ بھی ان میں داخل ہوں گی جن کی راہ کو انعام یافتہ لوگوں کی راہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک قول کے مطابق یہ بھی ان میں شامل ہیں یہ زیادہ مضبوط دلیل والی بات ہے۔

اور مغضوب اور ضال سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ غضب خاص یہودیوں کے لیے کہا ہے۔ اگرچہ نصاریٰ بھی اس کے مستحق ہیں اسی طرح گمراہ یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی ہیں مگر ان کے لیے ضلالت کا وصف بد بیان ہوا ہے۔ یہود کی غضب سے برائی اس وجہ سے بیان کی گئی کہ یہ حق پہچانتے ہیں اور پھر انکار کرتے ہیں اور عمداً باطل اختیار کرتے ہیں۔ اس بناء پر غضب ان کا وہ وصف بد ٹھہرا کہ ان کا خاصہ ہی بن گیا اور نصاریٰ حق کی پہچان نہیں رکھتے اس لیے ضلالت ان کا خصوصی وصف ٹھہرا۔

قرآن پاک یہودیوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ﴾ (البقرہ : ۹۰)

''پس لوٹے یہ غضب در غضب لے کر۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ (المائدہ : ۶۰)

''کیا میں تمہیں بتاؤں جو سزا کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک اس سے بھی برا ہے جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس پر غضب کیا ہے۔''

ایک اور مقام پر یہودیوں کے بارے میں کہا:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ﴾ (الاعراف : ۱۵۲)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا عنقریب انہیں رب کا غضب پہنچے گا۔''

اور نصاریٰ کے متعلق بھی آتا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝﴾

(المائدہ : ۷۷)

''اس قوم کی خواہشات کی اتباع مت کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے اور بہت سوں کو انہوں نے گمراہ کیا اور وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔'' (اضواء البیان، ج ۱، ص ۳۴)

اس میں بھی نصاریٰ کو گمراہ قرار دیا گیا ہے۔

۷۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ **وَلَا الضَّآلِّيْنَ** میں ضاد کو ظاء پڑھنے والا سرزنش نہ کیا جائے۔ اسے اس معاملہ میں پابند نہ کیا (انہیں اپنے اپنے مخرج سے اداء کر سکنے والا تو انہیں اپنے مخرج سے ہی اداء کرے) جو اداء نہ کر سکتا ہو اس سے درگزر کیا جائے۔ وجہ یہ ہے کہ ضاد اور ظاء دونوں کا مخرج قریب قریب ہے۔ ضاد کا مخرج زبان کے کنارہ اور قریب والی داڑھیں ہیں اور ظاء کا مخرج زبان کے کنارہ اور ثنایا علیاء (اوپر والے سامنے دو دانت) ہیں۔

جو ایک روایت مشہور ہے میں ضاد بولنے والا سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ یہ بے اصل روایت ہے۔

عدی بن حاتم کا واقعہ:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستۂ فوج نے حملہ کیا اور ہمارے لوگوں کو گرفتار کر لیا، ان میں میری پھوپھی بھی گرفتار ہوئیں۔ میری پھوپھی نے یہ درخواست کی کہ احسان کیجئے، میں بوڑھی ہوں۔ بچے تو بھاگ گئے ہیں۔ میری تو کوئی خدمت کرنے والا بھی نہیں رہا۔ فرمایا، وہ کدھر گئے ہیں۔ کہا وہ بھاگ گئے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اسے خوراک لاد کر دے دو۔ یہ عدی کے پاس گئی تو کہا، عدی، تیرے باپ نے بھی وہ سخاوت نہیں کی جتنا یہ آدمی سخی ہے۔ عدی کہتے ہیں، میں آیا تو آپ کے پاس ایک عورت اور بچا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ قیصر و کسریٰ کے بادشاہوں کی مانند نہیں۔ اگر ہوتے تو یہ عورت اور بچہ یہاں نہ ہوتے۔ میں سامنے بیٹھ گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عدی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے راہ فرار اختیار کرتے ہو، بتاؤ! کوئی اور ہے جسے اللہ اکبر کہا جائے۔ یا بتاؤ اللہ سے بڑی کوئی اور چیز ہے۔ عدی کہتے ہیں، میں مسلمان ہو گیا تو آپ کے رخ تاباں پر خوشی کے نشانات چمک اٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مغضوب سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۹۔ ترمذی: ۲۹۵۳، حسن)

اور اس بات کا اعتراف خود یہودی بھی کرتے تھے کہ یہودیت کے لیے غضب الٰہی اختیار کرنا پڑتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زید بن نفیل کا عبرت آموز واقعہ:

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل اپنی جماعت کے ساتھ شام کی جانب گئے۔ یہ دین حنیف کی طلب میں گئے تھے۔ ان کی بات یہودیوں سے ہوئی تو انہوں نے خود کہا کہ تم اس وقت تک یہودیت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ کچھ حصہ غضب الٰہی کا حاصل نہ کرو، کہنے لگے غضب الٰہی سے تو میں بھاگتا پھرتا ہوں۔ پھر ان کی بات نصاریٰ سے ہوئی تو انہوں نے بھی کہا، کہ تم اس وقت تک ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے جتنی دیر تک کچھ اللہ کی ناراضی نہ پاؤ گے۔ انہوں نے کہا، میں تو ایسا نہیں کرسکتا، انہوں نے بت پرستی اور مشرکوں کے دین سے کنارہ کشی برقرار رکھی۔ یہود و نصاریٰ میں سے کسی بھی دین میں داخلہ نہ لیا۔ ساتھی تو نصرانیت میں آ گئے۔ مگر زید عقیدۂ فطرت پر قائم رہے۔ (تفسیر، ج۱،ص ۳۰)

یہ واضح دلیل ہے کہ یہود و نصاریٰ راہ فطرت سے ہٹ چکے تھے۔ راہ حق ایمانداروں کی راہ ہے اور یہود و نصاریٰ انعام یافتہ اور ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے۔

۸۔ سید مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وہ بے خطا راستہ کہ قدیم ترین زمانہ سے آج تک جو شخص اور جو گروہ بھی اس پر چلا وہ تیرے انعامات کا مستحق ہوا اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر رہا......

ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور اللہ کی خوشنودی کے نتیجہ میں ملا کرتے ہیں نہ کہ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو پہلے بھی فرعونوں اور نمردوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں اور بدکاروں اور گمراہوں کو ملے ہوئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج۱،ص ۴۵)

۹۔ یہ وضاحت مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے ہے۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ رستہ ان لوگوں کا ہو جن پر تیرا انعام ہوا ہے اور منفی پہلو یہ ہے کہ جو نہ تو مغضوب ہوئے ہیں اور نہ گمراہ، اس وضاحت کے بعد مدعا اس طرح آئینہ ہو کر سامنے آ گیا ہے کہ کسی اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (تدبر القرآن، ج۱،ص ۱۶)

۱۰۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں انعام والے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں وہ لوگ نہیں جنہیں مال و دولت یا حشمت و جاہ کی فروانیاں حاصل ہیں اور مغضوب سے مراد تو یہود ہیں جو گناہ کے کاموں پر دلیر ہو گئے تھے اور ان پر اللہ کا عذاب اور پھٹکار نازل ہوئی اور ضالین سے مراد عیسائی حضرات ہیں جو فلسفیانہ موشگافیوں میں پھنس کر تثلیث اور گمراہی کا شکار ہوئے۔ آج مسلمانوں کے اکثر فرقے ان میں شامل ہو چکے ہیں اور صراط مستقیم پر تو مسلمانوں کا صرف وہی فرقہ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔ (ترمذی، کتاب الایمان، باب افتراق ھذہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الامۃ۔تیسر القرآن،ص ۴۰)

۱۱۔ درس قرآن میں ہے، سیدھی راہ کی مزید تشریح اس آیت میں کی گئی ہے۔مکمل تعلیم اور ہدایت کی ساری کی ساری باتیں قرآن مجید میں آگئی ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان ہدایتوں کے عملی نمونے بھی انسانوں میں کثرت سے بھیج دیئے، تاکہ ان کی پاکیزہ زندگی سامنے رکھ کر صراط مستقیم پر چلنا ہمیں اور زیادہ آسان ہو جائے اس راہ کی ہدایت کی دعاء کی گئی ہے اور جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور عقیدہ کی خرابی اور عمل کی برائی کا شکار ہوئے۔ ان سے بچنے کی دعاء ہے۔(ص ۱۰۔۱۰)

۱۱۔ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں فلاح و سعادت سے محروم آدمی ہمیشہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ جاحد (انکار کرنے والا) اور جاہل جاحد وہ ہوتا ہے جو حقیقت پالیتا ہے بایں ہمہ اس سے روگردانی کرتا ہے۔ جاہل وہ ہوتا ہے جو حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے اور اپنے جہل پر قانع ہو جاتا ہے۔ پس صراط مستقیم پر چلنے کی طلب گاری کے ساتھ محرومی و شقاوت کی ان دونوں صورتوں سے بچنے کی طلب بھی سکھلا دی۔ تاکہ فلاح و سعادت کی راہ کا تصور ہر طرح کامل اور لغزشوں سے محفوظ ہو جائے۔

آگے مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں، جن پر اقوام و جماعات کا عروج و زوال موقوف ہے۔ وہ کھول کھول کر بتاتا ہے کہ انعام یافتہ جماعتوں کی سعادت و کامرانی ان ان اعمال کا انعام تھے اور مغضوب و گمراہ جماعتوں کی شقاوت و محرومی ان ان بدعملیوں کی پاداش تھی۔ اچھے نتائج کو انعام کہتا ہے اور برے نتائج کو غضب کہتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾

(آل عمران : ۱۳۷)

”تم سے پہلے بھی اللہ کے احکام وقوانین گزر چکے ہیں۔ پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے اللہ کے احکام وقوانین کو جھٹلایا تھا۔“ (ترجمان القرآن، ج ا، ص ۲۵۹)

عمدہ علمی نکات:

۱۔ **صراط الذين، الصراط المستقيم** سے بدل ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ صراط مستقیم کی تفسیر معلوم ہوگئی، اس سے نہایت درجہ وضاحت ہوگئی کہ استقامت و اعتدال والی اور سیدھی راہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ صالحین عمل پیرا رہے، یہ وہ راہ نہیں جو کوئی ذہنی طور پر اپنے دماغ سے تراش کر مقرر کرے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۲۔ نکتہ یہ ہے کہ **صراط الذین** کہا ہے **صراط مَن** نہیں کہا۔ حالانکہ **الذین** اور **مَنْ** دونوں اسم موصول ہیں۔ **الذین** لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسا اسم موصول ہے جو معین کے لیے آتا ہے۔

جبکہ **مَنْ** بھی عموم کے لیے بھی آتا ہے۔ یہاں **صراط المستقیم** کی تعین مطلوب تھی اس لیے **الذین** اسم موصول زیادہ موزوں تھا اور بلاغت کی روح یہی ہے کہ مطلوب معاملہ ملحوظ رکھا جائے۔

۳۔ نکتہ یہ ہے کہ **اَنْعَمْتَ** (تو نے انعام کیا) فعل معروف کا ذکر کر کے انعام کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ توجہ دلانا مقصد ہے کہ سب کچھ اس کے فضل سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ کریم تیری توفیق کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔

جو کچھ ہوا، ہوا فضل سے تیرے
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا

صراط مستقیم پر چلنا بھی ایک نعمت ہے۔ لہٰذا اس کی توفیق ملنے پر اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ﴾

(النمل : ۱۹)

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تو نے میرے اوپر انعام کی ہے اور میں اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کروں اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جنہیں تو پسند کرتا ہے۔''

۴۔ نکتہ یہ ہے کہ یہ بات خاص غور کے قابل ہے۔ **اِیَّاكَ** سے لے کر **اَنْعَمْتَ** تک سب صیغے جو کہ حق تعالیٰ کے لیے ہیں سب مخاطب صورت میں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ **ایاك** میں خطاب سے عرض کی ہے تو اب اس کے بعد حضوری سے ہٹ کر غائب ہونا تنزل کی طرف اترتا ہے۔ اس میں ترقی نہ تھی اس لیے خطاب کے صیغوں میں ہی بلندی ہے۔ انہیں ہی استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ نکتۂ خاص یہ ہے کہ **اَنْعَمْتَ** ماضی کے صیغہ سے استعمال ہوا ہے۔ **تُنْعِمُ** مضارع کے صیغہ سے نہیں آیا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل کے لیے آتا ہے۔ مستقبل آنے والے زمانہ کے لوگ ابھی موجود نہیں اور ابھی موجودہ حال کے لوگ آزمائش سے گزر رہے ہیں ان کا انجام ہمیں معلوم نہیں کیا ہوگا۔ گزشتہ صالحین کے متعلق اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطلاع سے ہمیں علم ہو چکا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ کامیاب تھے۔لہٰذا انہی کے رستہ کی پیروی کی توفیق طلب کرنا ہی مناسب وموزوں ہے۔اس وجہ سے ماضی کا صیغہ اَنْعَمْتَ استعمال کیا گیا ہے۔

ظاہر و باطن نعمتیں:

اللہ تعالیٰ کے کچھ انعامات ظاہر ہیں اور کچھ انعامات باطن ہیں۔ارشاد باری ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴾

(لقمان : ۲۰)

”تو نے دیکھا نہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے مسخر کیا ہے اور تم پر ظاہر اور باطن نعمتیں پوری پوری سایہ فگن کر دی ہیں اور لوگوں میں سے ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم و ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتے ہیں۔“

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (النحل : ۱۲۱)

”اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے اس نے انہیں چن لیا اور اسے سیدھی راہ کی رہنمائی کی۔“

اس میں بھی ابراہیم علیہ السلام پر نعمتوں کا ذکر ہے۔

ایک اور مقام پر انبیائے کرام کا ذکر کیا ہے:

﴿ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾(الانعام : ۸۷)

”اور ہم نے انہیں سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کی ہے۔“

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کا ذکر کرتے ہیں:

﴿ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾(النساء : ۱۷۵)

”اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائی ہے۔“

ان تمام آیات میں صراط مستقیم کی ہدایت کو انعامات دینیہ میں شمار کیا گیا ہے۔

علامہ میر ابراہیم سیالکوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، دنیا میں ایسے اشخاص کثرت سے ہوئے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں بیش از بیش ہوئیں۔لیکن وہ اللہ کی رضا جوئی کے راستے پر نہ چلے اور اس سے بہک گئے تو ان پر اللہ کا غضب ٹوٹا۔پس ان کی روش صراط مستقیم پر نہیں ہوسکتی اور ہدایت الٰہی کا طالب ان کی راہ اختیار نہیں کرسکتا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس لیے یہاں صرف وہی لوگ مراد ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی باطنی و روحانی نعمتیں ہوئیں اور وہی اس قابل ہیں کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے ان کی راہ اختیار کی جائے اور وہی اس لائق ہیں کہ ان کی اقتداء کی جائے۔ اسی لیے اس کے بعد ان کی صفت میں **غیر المغضوب علیهم ولا الضالین** کہا گیا ہے کہ نہ تو ان پر اللہ کا غضب ہوا اور نہ وہ راہ مستقیم سے بھٹک کر کسی اور طرف گئے۔ (واضح البیان، ج۱، ص ۳۰۶)

غضب کے اسباب:

۱۔ شرک غضب الٰہی کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ﴾ (الاعراف: ۱۵۲)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کو اختیار کیا عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب پہنچے گا۔''

۲۔ غضب الٰہی کا باعث کفر و ارتداد بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ (النحل: ۱۰۶)

''اور لیکن جن نے کفر کھلے سینہ سے قبول کیا اس پر اللہ کا غضب ہے۔''

۳۔ بے گناہ مؤمن کو قتل کرنا بھی غضب الٰہی کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے، جس نے مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا دوزخ ہے اس میں ہمیشہ رہے گا۔

﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۹۳)

''اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اس پر لعنت ہوگی اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

۴۔ غضب الٰہی کا باعث پیغمبر کی مخالفت ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي﴾ (طٰہٰ: ۸۶)

''کیا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے پس تم نے میرے وعدہ کے خلاف کیا۔''

۵۔ حق واضح ہونے کے باوجود اس کے مقابلہ میں حجت بازی کرنا بھی غضب الٰہی کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۶)

''اور وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں اس کے بعد کہ وہ قابل قبول ہے تو ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجت بازی مٹنے والی ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔''

٦۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کی بجائے اللہ کی ناشکری کرنا اور نافرمانی وطغیانی کرنا بھی غضب الٰہی کا باعث ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ كُلُوا مِنْ طَيِّبَتِ مَا رَزَقْنَكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ﴾ (طٰہٰ : ٨١)

''کھاؤ پاکیزہ سے جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سرکشی نہ کرو تم پر میرا غضب اتر آئے گا۔''

ضلالت

کا معنی بے راہ ہو جانا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دینی امور مین شیطان یا نفس کے ورغلانے سے اعتقاد یا عمل میں گمراہ ہو جانا۔ تو ضلالت کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک اعتقادی گمراہی (٢) عملی گمراہی

اعتقادی گمراہی یہ ہے کہ جو عقائد اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہیں ان میں سے کسی کا انکار کر دینا یا انہیں اس طریقہ سے نہ ماننا جو اللہ تعالیٰ نے یا رسول اکرم ﷺ نے بتایا ہے توحید اور نبوت کی پہچان اعتقاد سے متعلقہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَبِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَلًا بَعِيدًا ﴾

(النساء : ١٣٦)

''اے ایمان دارو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی اور اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے نازل کی ایمان لاؤ اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور پیغمبروں اور آخرت کے دن کا انکار کیا وہ بہت دور کا گمراہ ہوا۔''

اس آیہ مبارکہ میں مذکور امور اعتقادی ہیں ان کے منکر کو دور کا گمراہ قرار دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے جو ان لازمی اعتقادات میں گمراہ ہوا وہ دین سے بہت دور جا پڑتا ہے۔ یہ اعتقادی معاملات دین کی جڑ ہیں، اگر جڑ قائم نہ ہو تو پھر شاخیں قائم نہیں رہتیں، دوسرے سب عمل شاخیں ہیں۔ اس وجہ سے ان کے منکر کو بہت دور کا گمراہ قرار دیا گیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ عملی گمراہی یہ ہے کہ شریعت کے قائم کردہ طریقہ کے خلاف چلا جائے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾ (الاحزاب : ۳۶)

''کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کے لائق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی کام کا فیصلہ کریں اور پھر ان کے لیے اختیار نہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی وہ ظاہر گمراہ ہوا۔''

اس آیۂ مبارکہ میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرنا عین فرض ہے۔ جب کوئی ان کی نافرمانی کرے گا اس کے گمراہ ہونے میں کوئی پوشیدگی نہیں یہ ظاہر گمراہ ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ کی نافرمانی کو صریح گمراہی قرار دیا گیا ہے۔ یہ عملی ضلالت ہے۔

علامہ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کی ایمان افروز نصیحت:

پس اخیر میں عاجز اپنے قارئین کو یہ تاکید کروں گا۔ وہ طریق سنت پر عمل کریں وہی صراط مستقیم ہے جس کی دعاء آپ سورۂ فاتحہ میں مانگتے ہیں اور وہی صحابہ وتابعین و ائمہ مجتہدین اور دیگر بزرگان دین کا طریق ہے جس پر عمل کر کے انہوں نے بڑے بڑے مراتب و مدارج حاصل کیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے ساتھ ملا دے۔

آمین (واضح البیان، ص ۴۰۹)

۱۲۔ اس آیۂ مبارکہ (۶) کی وضاحت میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں، آیت کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ ہم وہ راستہ نہیں چاہتے جو اغراض انسانی کے تابع بدعمل اور دین میں تفریط کرنے والوں کا ہے اور نہ وہ راستے چاہتے ہیں جو جاہل گمراہ اور دین میں غلو (افراط) کرنے والوں کا ہے۔ بلکہ ان کے درمیان کا سیدھا راستہ چاہتے ہیں جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہے اور جو شہوات اور اغراض نفسانی کے اتباع سے نیز شبہات اور عقائد فاسدہ سے پاک ہے۔ (معارف القرآن، ج ۱، ص ۹۲)

۱۳۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ جو زندگی کے مختلف معاملات میں دو راہے، سہ راہے اور چوراہے آجاتے ہیں ہم فیصلہ نہیں کر سکتے کہ صحیح کیا ہے، غلط کیا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش۔ (ج ۱، ص ۱۱۳، بیان القرآن)

اس سے اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں، مغضوب علیہم کی سب سے بڑی مثال یہود ہیں کہ اللہ کی کتاب ان کے پاس تھی، شریعت موجود تھی لیکن شرارت نفس اور تکبر کی وجہ سے وہ غلط راستہ پر چل پڑے جبکہ نصاریٰ ضالین ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں صرف غلو کیا ہے جیسے ہمارے یہاں بھی بعض نعت گو اور نعت خواں نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرتے ہیں تو مبالغہ آرائی کرتے ہوئے کبھی انہیں اللہ سے اوپر لے جاتے ہیں، یہ غلو ہوتا ہے، لیکن ہوتا ہے نیک نیتی سے محبت سے، چنانچہ نصاریٰ نے حب رسول میں غلو سے کام لیتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ ہمارے بعض لوگ بھی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ہی بنا بیٹھے ہیں مثلاً

لیکن نہیں ہے ذات خدا سے جدا علی

بہرحال یہ غلو ہوتا ہے جو انسان کو گمراہ کر دیتا ہے ..... تو اے اللہ! ان سب کے راستے سے ہمیں بچا کر سیدھے راستے پر چلا جو صدیقین، انبیاء کا شہداء کا اور صالحین کا راستہ ہے۔ (ج ا، ص ۱۱۴)

سیدھا راستہ ملنے کا معیار کیا ہے

حضرت علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے ..... خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسانوں کو پتہ دیا ہے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا ..... ایک حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا حق پر کون سی جماعت ہوگی اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا (جس پر میں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ہیں یعنی حق پر وہ جماعت ہوگی جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز پر ہو۔ اس میں کچھ رجال اللہ ہی کا پتہ دیا گیا ہے۔

..... فرقہ وارانہ اختلافات کا بڑا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو لے لیا، رجال اللہ سے قطع نظر کر لی۔ ان کی تعلیم وتفسیر کو کوئی حیثیت نہ دی اور کچھ لوگوں نے صرف رجال اللہ کو معیار حق سمجھ لیا اور کتاب اللہ سے آنکھ بند کر لی اور ان دونوں طریقوں کا نتیجہ گمراہی ہے۔ (معارف القرآن، ج ا، ص ۹۴)

اس بارے میں کچھ گزارشات ضروری ہیں (ا) یہ گزارش ہے کہ مفسر رحمہ اللہ کا اشارہ اگر ادھر ہے کہ جو لوگ بغیر استاد اردو میں چند کتابیں پڑھ کر خود کو بہت بڑا عالم تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم شریعت فہمی میں خود کفیل ہیں اور نہ ہی کسی نیک عالم سے عمل کرنے کا مسنون طریقہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ ان کی تردید درست ہے۔

تاہم بندۂ ناچیز اس کی وضاحت ضروری سمجھتا ہے کہ رجال اللہ (بندگان الٰہی) کے پاس بیٹھنا حقیقت ہے کہ بہت مفید ہے۔ اس سے علم وتربیت میں نکھار آتا ہے بلکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے خوشبو سے تشبیہ دی ہے کہ خوشبو والے کے پاس بیٹھیں تو ہوسکتا ہے وہ کچھ ذرہ برابر خوشبو دے دے۔ اگر نہ بھی دے گا تو کم از کم اس سے خوشبو تو آئے گی جس سے ہر گوشۂ دماغ معطر ہو جائے گا اور برے آدمی کے پاس بیٹھنے کو لوہار کی بھٹی سے تشبیہ دی ہے کہ اس کی چنگاڑیاں کپڑے جلا دیں گی یا پھر دھوئیں سے دماغ خراب کر دے گی۔ (بخاری، کتاب البیوع)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

میرے ہمنشین کے جمال نے مجھ میں اثر کیا ہے (کہ پھول کے ساتھ رہی ہوں اس لیے خوشبو آ رہی ہے وگرنہ میں تو مٹی ہوں مجھ سے خوشبو کیونکر آئے گی)

تاہم رجال اللہ دین میں خود سند نہیں، کتاب و سنت کے مطابق ان کا قول و عمل معیار ہے۔ اگر ان کی بات یا تعلیم و تربیت اور روحانیت شریعت کے مطابق ہے تو یہ لائق اتباع ہیں اگر نہیں تو پھر ان کی اطاعت لوگوں پر لازم نہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے ایک اصول بیان کیا ہے۔ جب خالق کی نافرمانی ہو تو پھر مخلوق پر کسی کی اطاعت نہیں۔ (نسائی، ج ۲، ص ۲۱۰، کتاب البیعۃ)

ارشاد باری ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩﴾

(النساء : ۵۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول اکرم ﷺ کی اور اطاعت کرو صاحب امر کی اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔''

اس آیہ مبارکہ پر غور فرمائیں، جب تنازع کی صورت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کو مرجع قرار دیا ہے اور یہ اطاعت غیر مشروط کی رہنمائی کی گئی ہے۔ اولی الامر کی اطاعت بیان نہیں ہوئی کیونکہ اطاعت کا معیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول قرار پائے ہیں۔

اولی الامر ایک قول کے مطابق امراء و حکام ہیں اور ایک قول ہے کہ علمائے کرام ہیں یہاں ان کی اطاعت بیان نہیں ہوئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا تھا۔ ثابت ہوا صاحب امر کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے تابع قول و عمل رکھتے ہیں تو پھر ان کی اطاعت لازم ہے۔ اگر ان کا قول و عمل اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے باہر ہے تو پھر ان کی بات قابل قبول نہ ہوگی، معیار صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جو حضرت ﷫ نے یہ کہا ہے کہ نبی ﷺ نے کہا تھا۔ میری امت (۷۳) فرقوں میں بٹے گی ایک ملت نجات پائے گی، لوگوں نے پوچھا وہ کون سی ہے، کہا میں اور جس پر میرے صحابہ کرام ﷢ ہیں۔ (ترمذی، ابواب الایمان) علامہ عبید اللہ رحمانی ﷫ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن درجہ ہے بلکہ صحیح لغیرہ ہے۔ (مرعاۃ، ج۱، ص ۲۷۶)

اس میں آدمیوں کو معیار قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان کے عقائد اور قول وعمل مراد ہے۔ اس سے ہدایت یافتہ اور آپ کی سنت کو مضبوط پکڑنا مراد ہے۔

علامہ عبید اللہ رحمانی ﷫ فرماتے ہیں، اس حدیث کی اصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷢ آپ ﷺ کی ہی سنت وسیرت کے پیروکار تھے۔ اس لیے وہ اور کتاب وسنت کے مطابق چلنے والے ہی نجات پائیں گے۔

شیخ عبد القادر جیلانی ﷫ کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے اور اہل سنت کا صرف ایک ہی نام ہے وہ اصحاب حدیث ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی ﷫ کہتے ہیں، فرقہ ناجیہ وہ ہے جو عقیدہ وعمل کتاب وسنت سے اخذ کرتے ہیں۔ (مرعاۃ، ج۱، ص ۲۷۵)

علامہ ابن حزم ﷫ فرماتے ہیں: اہل سنت اہل حق ہیں، ان کے علاوہ اہل بدعت ہیں۔ یہ صحابۂ کرام اور تابعین اور اصحاب حدیث ہیں۔ (الفصل، ج۱۲، ص ۱۱۳)

ہماری اس وضاحت سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس حدیث میں رجال اللہ کو معیار نجات قرار نہیں دیا گیا بلکہ رجال اللہ ہوتے ہی وہ ہیں جن کا عقیدہ وعمل نبی ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ کے عقیدہ وعمل کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ معلم تو ہو سکتے ہیں لیکن رجال اللہ معیار دین نہیں، نہ ہی حدیث میں رجال اللہ کا اشارہ ہے اس میں کتاب وسنت کے مطابق عقیدہ وعمل کا اشارہ ہے اور اگر رجال اللہ (بندگان الٰہی) کی بات کتاب وسنت کے موافق ہے تو لائق اتباع ہے اگر ان کی بات یا عقیدہ وعمل میں کوئی خطا ہو تو واجب الاتباع اور معیار دین صرف کتاب وسنت ہے۔ یہ بندگان الٰہی نہیں، ثابت ہوا صراط مستقیم کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے مجموعے سے ملتا ہے۔

قرآن پاک کا عیسائیوں پر احسان اور نبی ﷺ نے اعتدال کی راہ اختیار کی

آج مغربی دنیا قرآن اور اسلام کو اور پیغمبر ﷺ کو کمتر ثابت کرنے کے لیے ان پر اعتراضات کرتی ہے۔ نبی ﷺ کے شان کو کم ثابت کرنے کے لیے جو عیسائیوں نے اعتراض کیے ہیں ان کے جواب میں شیخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الاسلام حضرت مولانا محمد ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسلام اور قرآن بذریعہ آنحضرت ﷺ جب دنیا میں آیا تو جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں دو گروہ تھے۔ ایک معتقدین عیسائی جو ان کو ان کے اصل رتبے سے بہت اونچا دکھاتے تھے کہ بندہ سے خدا بناتے ہیں۔ (۲) دوسرے یہودی جو جناب کی شان میں بہت بدگو تھے۔ سخت ہتک آمیز الفاظ سے یاد کرتے۔ اللہ اور رسول تو کیا وہ بھلا آدمی یا معمولی آدمی جاننا بھی ان کے نزدیک جرم تھا اور ہے۔ ایسی حالت میں قرآن اور پیغمبر علیہ السلام نے دونوں گروہوں کی اصلاح یوں کی کہ الوہیت (عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ و معبود قرار دینا) کے قائلین کو یوں سمجھایا کہ وہ خدا نہ تھے اور یہودیوں کو یوں سمجھایا کہ وہ نبی بلکہ الوالعزم رسول تھے۔ اس سے مسلمانوں پر بھی جناب مسیح کی عزت کرنا ضروری ہوگیا۔

اگر پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) یہودیوں کے ہم زبان اور ہم خیال ہوجاتے تو آج جناب مسیح کے بدگوؤں کی تعداد میں کتنے کروڑ کا اضافہ ہوجاتا۔

اس احسان یا محبت یا اظہار صداقت کا نتیجہ عیسائیوں کی طرف سے یہ ہونا چاہیے جو وہ آنحضرت ﷺ کی شان والاشان سے کررہے ہیں۔

آپ ہی اپنے ذرا جورو ستم کو دیکھو
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

(جوابات نصاریٰ، ص ۱۴)

ثابت ہوا کہ اعتدال کی راہ وہ ہے جو نبی ﷺ نے اپنی امت کو سکھائی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی راہ غضب اور ضلالت کی راہ تھی۔

غلط تفسیر:

حافظ فرمان علی لکھتا ہے، نبیین سے حضرت رسول کریم، صدیقین سے علی بن ابی طالب، شہداء سے حسنین اور صالحین سے دیگر ائمۂ طاہرین مراد ہیں۔ (ترجمہ و تفسیر، ص ۱۵۔ حاشیہ متعلقہ، ص ۲)

اس کی تصحیح:

جہاں تک معاملہ ہے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صدیق اور سچے تھے۔ عموم کے لحاظ سے ان میں شامل ہیں لیکن صدیقین سے صرف آپ ہی مراد ہوں یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس تفسیر کو اختراعی اور خودساختہ قرار دیا جائے گا اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی موت شہادت کی موت ہے اور وہ بھی ان شہداء میں شامل ہیں، یہ کہنا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مراد ہی آپ ہیں یہ تحریف ہے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ میدان میں شہید نہیں ہوئے وہ کیسے ان شہداء میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ یہ صالحین میں شامل ہوں گے اور صالحین میں ائمہ طاہرین شمار ہوتے ہیں، یہ نہیں کہ صرف ائمہ طاہرین ہی صالحین ہیں، یہ تفسیر درست نہیں۔

۲۔ بات یہ ہے کہ اوپر مفسرین کے اقوال نقل ہوئے ہیں، ان میں سے کسی نے ایسی تفسیر بیان نہیں کی، ان کی وضاحت کی صورت میں یہ تفسیر قابل قبول نہیں۔

۳۔ بات یہ ہے کہ جب قرآن پاک نے انعام یافتہ لوگوں کی تفسیر خود کر دی ہے کہ انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہے تو پھر یہ عام ہے کسی خاص بزرگ یا خاندان کے ساتھ اسے خاص کرنا قرآن پاک کی خلاف ورزی ہے۔ تاہم اکثر مفسرین نے اگر خاص کو لیا ہے تو جناب صدیق کو لیا ہے۔

ایک نام نہاد مفسر جو کہ منکر حدیث ہے کی تحریف

یہ نام نہاد مفکر لکھتا ہے، **الصلوٰۃ**، صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے۔ وہ صراط مستقیم جس کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (ھود: ٥٦)

''تیرے نشوونما دینے والے کا قانون ربوبیت خود متوازن چل رہا ہے اسی کے پیچھے پیچھے تم بھی چلتے جاؤ۔'' (سلیم کے نام، ج۱، ص۱۵۱)

اس میں اس منکر حدیث نے تحریف کی ہے، اس نے جو یہ لکھا ہے، تیرے نشوونما دینے والے کا قانون ربوبیت خود متوازن چل رہا ہے۔ اس نے اِنَّ رَبِّيْ تیرے نشوونما دینے والے کا قانون ربوبیت کیا ہے۔ یہ اس کی غلط تحریف ہے۔

صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بے شک میرا پروردگار (رب) سیدھے راستہ پر ہے اور دوسری تحریف اس نے یہ کی ہے کہ نماز کو صراط مستقیم کہا ہے۔ صراط مستقیم تو کتاب وسنت کی راہ ہے اور نماز اس کا اہم رکن ہے۔ لیکن نماز سے دور کرنے کے لیے اس نے صراط مستقیم کا مطلب ہی بدل کر رکھ دیا ہے کہ نماز ثابت نہیں، صرف صراط مستقیم ہی کا نام نماز ہے۔

ہندو مذہب بھی انعام یافتہ لوگوں کی راہ نہیں

مذہب کے مقدس ادب کو ''وید'' کہتے ہیں اس کا اصل معنیٰ جاننا، واقفیت حاصل کرنا، سوچنا، غور کرنا ہے۔ وید سے مراد حکمت و دانائی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر مولیز ولیم لکھتا ہے، چنانچہ ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ویدوں کے حمد یہ گیت ۱۵۰۰ء اور ۱۰۰۰ قبل مسیح کے درمیان مختلف شاعروں نے مختلف تاریخوں میں لکھے۔

ڈاکٹر داس گپتا نے لکھا ہے، تمام منتر مختلف زمانوں میں رشیوں نے تصنیف کیے یہ تمام منتر سینہ بہ سینہ چلے آتے تھے اور ہر زمانے کے شاعر ان میں رفتہ رفتہ اضافہ کرتے رہتے تھے۔ غالباً جب مجموعہ ضخیم ہو گیا تو اسے موجودہ شکل میں مدون کیا گیا۔ (ہندومت، ص ۱۹)

جب یہ وید جنہیں یہ ہندو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں ان کے رشیوں (مذہبی پیشواؤں) اور شاعروں کی ایجاد ہیں تو یہ دنیا والوں کے لیے انعام یافتہ لوگوں کی راہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

انجیل کے بارے میں ایک محقق ہورن کہتا ہے۔ کلیسا کے قدیم مؤرخین سے اناجیل کے زمانہ تالیف کے بارے میں جو حالات ان لوگوں تک پہنچے ہیں، وہ ناقص ہیں اور کسی معین بات تک نہیں پہنچاتے ہیں کیونکہ پرانے اولین مشائخ نے واہیات روایتوں اور جھوٹی داستانوں کو سچ مان کر اپنی کتابوں میں درج کر لیا پھر یہ جھوٹی سچی روایتیں ایک کاتب سے دوسرے کاتب تک منتقل ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ طول زمانہ کے سبب ان کی تنقیح مشکل ہو گئی۔ (عیسائیت، ص ۳۳، رحمت الٰہی کیرانوی)

جب اناجیل کا محقق یہ تسلیم کرتا ہے کہ اناجیل میں جھوٹی داستانیں ہیں تو یہ دنیا کے باسیوں کے لیے انعام یافتہ لوگوں کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

(**الضالین** میں ضاد کی ظاء، پڑھی جائے تو) علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حروف مجہورہ (یہ وہ ہیں جب انہیں اداء کریں تو آواز میں ظاہر پن پیدا ہوتا ہے۔ (۲) حروف رخوہ (نرم) ہیں جو ادائیگی کے وقت نرمی سے اداء ہوتے ہیں۔ (۳) (مطبقہ) وہ حروف ہیں ان کی ادائیگی کے وقت زبان اوپر کو اٹھتی ہے۔ ان تینوں کے مخرج (ادائیگی کا مقام) تقریباً قریب قریب ہے۔ ضاد اور ظاء کا مخرج (ادائیگی کا مقام) قریب قریب ہے۔ ضاد کا مخرج (ادائیگی کا مقام) زبان کے آگے کنارہ اور قریب والی داڑھیں ہیں اور ظاء کا مخرج (ادائیگی کا مقام) زبان کا کنارہ اور اوپر والے ثنایا دانت ہیں۔ لہٰذا ضاد کی جگہ ظاء پڑھنی تو اپنے اپنے مخرج سے چاہیے لیکن ان میں ایک کی جگہ دوسری کے مخرج سے پڑھی جائے تو گنجائش ہے، کوئی پابندی نہیں۔ (تفسیر، ج ۱، ص ۳۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورۂ فاتحہ کی تفصیل کا خلاصہ

ا۔ مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، نوع انسانی کے باہمی یگانگت اور اتحاد کے جتنے رشتے بھی ہو سکتے ہیں۔ سب انسان کے ہاتھوں ٹوٹ چکے، سب کی نسل ایک تھی مگر ہزاروں نسلیں ہو گئیں۔ سب کی قومیت ایک تھی مگر بے شمار قومیتیں بن گئیں۔ سب کی وطنیت ایک تھی مگر سیکڑوں وطنیتوں میں بٹ گئے۔ سب کا درجہ ایک تھا۔ لیکن امیر وفقیر، شریف و وضیع اور ادنیٰ واعلیٰ کے بہت سے درجے ٹھہرا لیے گئے۔ ایسی حالت میں کون سا رشتہ ہے جو ان تمام تفرقوں پر غالب آ سکتا ہے جو انسانیت کا بچھڑا ہوا گھرانا پھر آباد کر کر دے سکتا ہے۔

یہ اعتقاد کہ ہم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے اور ہم سب کے سر اسی کی چوکھٹ پر جھکے ہوئے ہیں۔ یک جہتی اور یگانگت کا ایک جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ ممکن نہیں انسان کے بنائے ہوئے تفرقے اس پر غالب آ سکیں۔ (ترجمان القرآن، ج ا ص ۲۵۲)

۲۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: یہ سورت مبارکہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں اللہ کی حمد و بزرگی اور اس کی ثناء بیان ہوئی ہے اور اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا ذکر ہوا ہے اور روز جزا کی یاد دہانی کی گئی ہے۔

اور بندگان الٰہی کی یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ یہ اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کریں اور اسی کی طرف تضرع کا اظہار کریں اور اپنی قوت و طاقت سے دستبردار ہو کر اس کی توحید و عبادت کی دہلیز پر مخلصانہ جھک جائیں اور اللہ کا نہ تو کسی کو شریک ٹھہرائیں، نہ اس کی نظیر بنائیں اور نہ ہی کسی کو ہم مثل قرار دیں۔

اور یہ رہنمائی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی ہدایت طلب کریں۔ یہی دین قیم ہی صراط مستقیم ہے۔ اس پر ثابت قدمی سے گامزن رہنے سے روز قیامت پل صراط پر سے گزرنا آسان ہوتا ہے۔ جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کے پڑوس میں بہشتوں کی پر نعمت جگہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اس سورت میں اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ تاکہ ان کی وجہ سے (نیکو کاروں کا ساتھ نصیب ہو اور باطل راہوں سے بچاؤ کا حکم ہے تاکہ برے لوگوں سے دوری ہو)

اس میں قدریہ فرقہ کی تردید ہے:

قدریہ ایک گمراہ فرقہ ہے یہ کہتا ہے بندے اپنے اعمال کرنے میں خود مختار ہیں۔ اس سورت میں اس نظریہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی تردید کی گئی ہے کہ ہدایت دینا اور گمراہ کرنا تنہا اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔لہٰذا ہدایت بھی اسی سے طلب کی جائے اور غضب وضلالت سے بچاؤ کی التجاء بھی اسی سے کی جائے۔(تفسیر، ج ا،ص ۳۰، ابن کثیر)

۳۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ خلاصہ بیان کرتے ہیں، اس خاص اسلوب کلام کے ذریعہ انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اللہ جل شانہ سے کوئی دعاء و درخواست کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کی حمد وثناء کا فرض بجا لا کر پھر حلف وفاداری اس بات کا کرو کہ ہم اس کے سوا نہ کسی کو لائق عبادت سمجھتے ہیں اور نہ کسی کو حقیقی معنی میں مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں۔

اور دعاء میں بھی ایسی جامع دعاء اختیار کرو جس میں اختصار کے ساتھ انسان کے تمام مقاصد داخل ہو جائیں، جیسے ہدایت، صراط مستقیم کہ دنیا و دین کے ہر کام میں اگر انسان کا راستہ سیدھا ہو جائے تو کہیں ٹھوکر لگنے اور نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں رہتا، غرض اس جگہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی حمد وثناء بیان کرنے کا اصل مقصد انسان کو تعلیم دینا ہے۔(معارف القرآن، ج ا،ص ۹۴)

۴۔ علامہ حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

ا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرحمٰن الرحیم (کا مطلب) ہے شروع جامع جلال و جمال اور صاحب ہر کمال (اللہ کے نام سے جو رحمت عامہ و خاصہ کا مالک ہے۔

۲۔ آیت: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کا مطلب ہے) جو ذات ایسی بابرکت ہو وہ ضرور لائق حمد وثناء ہے۔سو حمد کے لائق اسی اللہ کی ذات ہے کہ ذاتی طور پر لائق حمد ہونے کے علاوہ اس کے لیے بھی قابل تعریف وثناء ہے کہ اس کی ربوبیت کا سایہ (ساری کائنات پر عام ہے۔)

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱: کہ وہ سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔پس جس کا کھائے اسی کا گائے۔اس کے احسان تربیت کے شکریئے میں اس کی حمد کرنی چاہیے اور یہ احسان ایجاد و تربیت سب کچھ بتقاضائے رحمت ہے۔

۳۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲: کیونکہ وہ رحمت عامہ و رحمت خاصہ کا مالک ہے۔نہ تو اس پر کسی کا سابقاً کوئی حق ہے کہ اس کے عوض اس میں تربیت کرے اور نہ اسے آئندہ کسی سے کوئی غرض ہے کہ اس کی توقع پر پرورش کرے۔ایسا لائق حق مہربان پروردگار عالمین خدا اپنی رحمت کی وجہ سے اپنے عاجز بندوں کے نیک اعمال رائیگاں نہیں گنواتا۔بلکہ ان پر جزا مرتب کر کے مزید احسان کرتا ہے۔چنانچہ اس امر کے لیے اس نے ایک خاص دن جزا اور انصاف کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔جس میں سوائے اس کے کسی کا کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی حکم و اختیار نہ ہوگا۔

۴۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ : سو وہی روز جزا کا مالک ہے۔ پس جب جزا کا مالک اور اس دن کا حاکم وہی ہے تو ہمیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے اور اپنی ہر حاجت اسی کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔

۵۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ : سو اے اللہ! جو تو ان سب صفات مذکورہ کا صاحب ہے۔ ہم سب (حاضر و غائب سب سے منہ موڑ کر) صرف تیری ہی عبادت و پرستش کرتے ہیں اور سب سے علاقے توڑ کر اپنی حاجات وضروریات میں صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

۶۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ : سو تو ہمیں اس عبادت، توحید، استعانت کی سیدھی راہ پر قائم رکھ اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

۷۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۧ : وہ راہ جس پر تیرے انعام یافتہ انبیاء وصدیق وشہداء اور صالحین چلتے رہے جن پر تو ایسا راضی رہا کہ ان پر کسی قسم کا غضب غصہ نہیں کیا گیا اور تیری توفیق اس طرح ان کے شامل رہی کہ وہ اس سیدھی راہ سے مطلقاً نہیں بہکے بھٹکے۔

(واضح البیان، ج ۱، ص ۴۱۱)

سورۂ فاتحہ کے متعلق اختتامی کلمات

اس سورت کی تفسیر میں جو راقم تحریر کر سکا ہے۔ اگر اس میں کوئی خوبی ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی عنایت ہے۔ اگر کوئی نقص یا کمزوری ہے تو یہ اس بندۂ گناہ گار کی جانب سے ہے۔

مقدمہ تفسیرؔ اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں تقریباً تین سو صفحات ہیں اور ابھی آمین کے بارے میں وضاحت آئندہ آئے گی۔ انشاء اللہ!

قرآن پاک کوئی معمولی کتاب نہیں یہ اللہ عزوجل کا کلام ہے اور کلام الٰہی کے بارے میں یہ تشریح سمندر کے مقابلہ میں ایک ذرہ بھی نہیں ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے کلمات کے متعلق یہ اعلان فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ (لقمان : ۲۷)

''اور اگر بے شک جو زمین میں درخت ہیں وہ قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاسی بن جائیں اور اس کے بعد سات سمندر اور چل جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والا ہے۔"

امام رازی رحمہ اللہ نے تیس جلدوں میں تفسیر کبیر تحریر کی ہے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا۔ اس تفسیر میں ہم نے جتنے بھی لطائف بیان کیے ہیں۔ یہ ایسے ہی نسبت رکھتے ہیں جو کہ ایک قطرے کو سمندر سے ہے۔

یہ تو اتنے عظیم الشان مفسر کے تاثرات ہیں اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن میں قلت علم اور قصور فہم کے باوجود اس رب کبریاء کا شکر گزار ہوں کہ علم وعمل سے تہی دامن ہونے کے باوجود اس رب نے مجھے توفیق بخشی کہ میں پر عظمت کتاب اور اس کی پر برکت سورت فاتحہ کی تفسیر کی کچھ توضیحات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر سکا۔ وگرنہ مجھ میں اتنی بساط کہاں تھی کہ اتنے وسیع میدان میں قدم رکھ سکوں جس میں بڑے بڑے سیاح واماندہ رہ جاتے ہیں اور اس دریائے ناپید کنار میں شناوری کروں جس میں بڑے بڑے شناور تھک جاتے ہیں مگر انہیں کنارہ ہاتھ نہیں آتا۔

میرے مولیٰ کریم جس طرح تو نے ان اوراق کی تحریر کی سعادت بخشی ہے۔ اپنے مکمل قرآن کی خدمت کی نیک بختی بھی میرے دامن میں ڈال دے اور پر عزم دعاء یہ ہے کہ اے شہنشاہِ کونین! جو تفسیر ہوئی ہے اور جو ہوگی اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمانا، اور اپنے بندوں کے لیے اسے مفید ترین بنا دینا اور اسے اپنے اس بندۂ ناچیز کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دینا اور اپنے خدام القرآن میں شمار کر کے ان کے ساتھ میرا حشر کرنا اور یہ بے مثال کتاب اس دن میرے لیے سفارشی بنا دینا جب کسی کی سفارش کام نہ آئے گی۔ (خاکسار، محمد عباس انجم گوندلوی)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آمین کی بحث

آمین ایک تو لیس کے وزن پر ہے۔ ایک قول آمین کے وزن پر بھی آتا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے۔
اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ۔ اے اللہ! اسے قبول فرما۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۳۱)
آمین اسم فعل بمعنیٰ امر ہے۔ یعنی بظاہر اسم ہے لیکن معنیٰ فعل امر کا دیتا ہے۔
اس پر سب علمائے امت کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن میں سے نہیں۔ (تفسیر بیضاوی، ص ۱۲)

تاہم قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے پر سنت سے ثابت ہے کہ جب وہ سورت فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہو تو وہ آمین کہے۔ خود نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ آمین کہا کرتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ **((اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَأَةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ رَفَعَ صَوْتَهٗ وَقَالَ آمِیْن))** (دارقطنی : ۱۲۵۹۔ ترمذی : ۲٤۸، صحیح) جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ نعیم مجمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے میں نے نماز پڑھی۔ انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر سورت فاتحہ پڑھی، جب **وَلَا الضَّآلِّیْنَ** تک پہنچے تو آمین کہی، یہ بیان کرنے کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم! میں نے رسول اکرم ﷺ کے مشابہ نماز پڑھی ہے۔ (نسائی: ۹۰۶۔ ابن خزیمہ، ج ۱، ص ۲۵۱، صحیح)

صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا، میں نے رسول اکرم ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز پڑھی ہے۔ یہ بات اسے مرفوع حدیث ثابت کرتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ **وَلَا الضَّآلِّیْنَ** کہنے کے بعد آمین کہتے تھے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ آمین قرآن میں سے نہیں ہے، جو مجاہد سے منقول ہے کہ یہ سورت فاتحہ میں سے ہے۔ یہ بات توجہ کے قابل نہیں یہ بالکل باطل قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن پاک میں نہیں لکھی گئی، اگر یہ سورت میں سے ہوتی تو اسے قرآن میں لکھا جاتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ فعل ہے، آمین زبر پر مبنی ہے، یہ عربی کلمہ ہے جس کا معنی ''قبول کر'' ہے۔ اسے عجمی کہنا درست نہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ اسے اللہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ یہ درست نہیں۔ (روح المعانی، ج ۱، ص ۱۳۱)

سورۂ فاتحہ چونکہ ایک دعاء ہے اس کے اختتام پر آمین کہنا نہایت ہی مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے کہ آمین، وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد خود نبی ﷺ بھی کہا کرتے تھے اور نبی ﷺ نے لوگوں کو بھی وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد آمین کہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ))

(نسائی: ۹۳۰، صحیح)

''جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔''

آمین کہنے کی فضیلت

۱۔ اس سے گناہ بخشے جاتے ہیں جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت کرے گی تو اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری: ۷۸۰۔ مسلم: ۴۱۰۔ ابوداؤد: ۹۳۵۔ ترمذی: ۲۵۰)

علمائے کرام نے نہایت ہی خوبصورت وضاحت کی ہے کہ گناہوں کی مغفرت چار باتوں پر مرتب ہے۔ (۱) امام آمین کہے (۲) مقتدی آمین کہے (۳) فرشتے آمین کہیں (۴) آدمی کی آمین اخلاص میں فرشتوں کی آمین کے موافق ہو تو پھر مغفرت گناہ ہوتی ہے۔

۲۔ آمین کہنے سے دعاء قبول ہوتی ہے۔ سیدنا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا، ہمارے سامنے سنت کی وضاحت کی اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا اور فرمایا، جب تم نماز پڑھو تو صفوں کو درست کیا کرو، پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرائے جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ (مسلم: ۴۰۴۔ ابوداؤد: ۹۷۲۔ نسائی، ج ۲، ص ۹۶۔ ابن ماجہ: ۸۴۷)

۳۔ یہودیوں کو آمین کے ساتھ حسد ہے۔ اس لیے ہمیں اسے کثرت سے کہنا چاہیے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہودی تم سے اتنا کسی چیز پر حسد نہیں کرتے جتنا حسد وہ تمہارے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

السلام علیکم کہنے اور آمین کہنے سے کرتے ہیں۔(ابن ماجہ:۸۵۶، اسنادہ صحیح) اس کی وضاحت میں علمائے کرام نے فرمایا ہے، یہ یہودی اس پر ہمارا حسد اس لیے کرتے ہیں کہ سورت فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے پھر اس کے سامنے خضوع اور پستی کا اظہار ہے۔ پھر ہم اس میں صراط مستقیم کی ہدایت کی دعاء کرتے ہیں اور پھر یہود و نصاریٰ سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لیے بد دعاء کرتے ہیں اس وجہ سے جب ہم آمین کہتے ہیں تو انہیں حسد پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ مفسر قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سورت یونس (۸۹) میں ہے:

﴿قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا﴾(یونس : ۸۹)

”تحقیق تم دونوں کی دعاء قبول کی گئی۔“

یہ دعاء وہ تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام فرعون پر بد دعاء کرتے تھے اور سیدنا ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ اسی دعاء کا اس آیۂ مبارکہ میں ذکر ہے۔(تفسیر قرطبی، ج۱، ص ۱۷۴)

۵۔ فرشتے بھی دعائے خیر پر آمین کہتے ہیں، ام درداء رضی اللہ عنہا سے حج پر جانے والا ملنے آیا تو انہوں نے اسے کہا، ہمارے لیے بھی دعائے خیر کرنا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب آدمی کسی مسلمان کے لیے غائبانہ دعاء کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے۔ بھائی کے لیے دعائے خیر کرنے والے کے سر کے قریب ایک فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے۔ جب یہ اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے جو تو نے بھائی کے لیے دعاء کی ہے تجھے بھی اسی کی مثال اللہ عطاء کرے۔(مسلم: ۲۷۳۲۔ مسند احمد: ۲۸۱۱۰)

نماز میں بلند آواز سے آمین کہنے کے دلائل

۱۔ نماز میں آمین کہنے میں اختلاف نہیں۔ اختلاف یہ ہے کہ بعض ائمہ پوشیدہ پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض ائمہ جہر (بلند آواز) سے پڑھنے کے قائل ہیں۔ جو بلند آواز سے آمین کہنے کے قائل ہیں۔ ان کے دلائل درج ذیل احادیث ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَ ۃِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ رَفَعَ صَوْتَہٗ وَقَالَ آمِیْنَ)) (دارقطنی، ج۱، ص ۴۵۰، ۱۲۵۹۔ ترمذی : ۲۴۸، صحیح) ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورت فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو آواز بلند کرتے اور آمین کہتے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورت فاتحہ کے اختتام پر بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔ امام،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مقتدی اور منفرد سب آمین کہیں۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ (بخاری: ۷۸۰)

۳۔ صحابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہتے اور پہلی صف والے سن کر وہ بھی کہتے حتی کہ مسجد گونج اٹھتی۔ (ابن ماجہ، حسن۔ بخاری، باب جہر الاسلام بالآمین)

۴۔ حضرت نعیم مجمر کہتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی انہوں نے بسم اللہ پڑھی پھر سورت فاتحہ پڑھی جب **ولا الضالین** کہی تو آمین کہی اور تمام لوگوں نے جو آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھے آمین کہی۔

۵۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہود تمہارے ساتھ کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا سلام کہنے اور امام کے پیچھے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنۃ فیھا، باب الجہر بآمین، حسن صحیح)

ان تمام احادیث نے بلند آواز سے آمین کے ساتھ مقتدی کی آمین وابستہ کی ہے۔ (فتح الباری، ج ۳، ص ۴۲۶)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورت فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوتے تو آمین کہتے اگر آپ بلند قرأت کرتے تو آمین بلند آواز سے کہتے اور جو آپ کے پیچھے ہوتے وہ بھی آمین کہتے۔ (زاد المعاد، ج ۱، ص ۵۴)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ آمین ہر مرد، عورت، اور بچے کو کہنی چاہیے، خواہ جماعت میں ہوں یا غیر جماعت میں ہوں۔ (کتاب الام، ج ۱، ص ۹۵)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر امت کا اجماع ہے کہ منفرد بھی آمین کہے۔ (شرح مسلم، ص ۱۷۶)

شیخ عبد الحق حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قراءت فاتحہ کے بعد نماز میں آمین کہنا سنت ہے اور بہت فضیلت والا عمل ہے۔ خواہ منفرد ہو، خواہ امام ہو خواہ مقتدی ہو۔ (سفر السعادت، ص ۵۳)

خانہ کعبہ کی آمین:

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، عطاء تابعی کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد خانہ کعبہ میں دو سو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ جب امام **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ** کہتا تو میں آمین کی لہر سنتا تھا۔ (اعلام الموقعین، ج ۲، ص ۴)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نام جو کہ آمین بالجہر کے قائل تھے

(۱) حضرت علی (۲) حضرت عبداللہ بن عباس (۳) حضرت عبداللہ بن عمر (۴) حضرت ابوہریرہ (۵) حضرت عائشہ (۶) حضرت بلال (۷) حضرت معاذ بن جبل (۸) حضرت ام حصین (۹) حضرت عبداللہ بن زبیر (۱۰) حضرت انس بن مالک (۱۱) حضرت سلمان (۱۲) حضرت سمرہ بن جندب (۱۳) حضرت ابوموسیٰ (۱۴) حضرت وائل بن حجر (۱۵) حضرت ابوزبیر ضمری (۱۶) حضرت حبیب بن سلمہ رضی اللہ عنہم

علامہ میر سیالکوٹی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں اور خاکسار میر سیالکوٹی نہایت وثوق سے بلاخوف تردید کہنے کو تیار ہے کہ آپ اسفار حدیث (ذخیرہ حدیث) کی ورق گردانی کر کے تسلی کر لیں کہ کسی ایک صحابی سے بھی بسند صحیح منقول نہیں کہ اس نے جہری قراءت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خفیہ آمین نقل کی ہو یا خود کہی ہو۔ اگر کوئی ایسی روایت آپ کو معلوم ہو تو اس کی سند کی پڑتال سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ وہ صحیح نہیں ہے۔

(واضح البیان، ص ۴۶۰)

تابعین کے اسمائے گرامی

(۱) عطاء بن رباح (۲) ابن شہاب زہری (۳) ابن جریج (۴) ابومصبح مقرائی (۵) نعیم محمد (۶) عکرمہ رحمہم اللہ

ائمہ کرام (۱) امام شافعی (۲) امام احمد (۳) امام اسحٰق (۴) امام اوزاعی (۵) امام عبداللہ بن مبارک (۶) امام سفیان ثوری (۷) امام عبدالرحمٰن بن مہدی (۸) امام داؤد طائی (۹) امام ابوزرعہ رازی رحمہم اللہ اور صحاح ستہ کے ائمہ اور امام دارقطنی ۔ امام دارمی ۔ امام بیہقی

ان کے علاوہ ابن قیم، نووی، حافظ ابن حجر، حضرت شاہ ولی اللہ، امام شوکانی، شیخ عبدالحق دہلوی حنفی، ابن ہمام حنفی، مولوی عبدالحئ لکھنوی حنفی، مولوی سراج احمد صاحب سرہندی حنفی اور پیر عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ بھی بلند آواز سے آمین کہنے کے قائل تھے۔

احناف کے حدیث دان فقہاء جو آمین بالجہر کے قائل تھے

ان شیوخ کے اقوال آمین بالجہر کے متعلق درج ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ کی کتاب فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۱۷ میں۔

۲۔ علامہ ابن ترکمانی حنفی رحمہ اللہ نے الجوہر النقی میں آمین بالجہر کے باب میں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۳۔ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے عینی شرح بخاری، ج ۳، ص ۱۱۱ میں۔

۴۔ مولانا سراج احمد سرہندی حنفی رحمہ اللہ نے شرح ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۰ میں

۵۔ مولانا عبدالحئی حنفی رحمہ اللہ نے عمدۃ الرعایہ، ص ۱۶۷ اور التعلیق الممجد ص ۱۰۵ میں۔

۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہی حنفی رحمہ اللہ نے فتاویٰ، ج ۲، ص ۷۱ میں

آمین بالجہر کو تسلیم کیا ہے۔

آمین بالجہر کی حکمت

آپ ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر میں قراءت فاتحہ خفیہ پڑھتے تھے اور مغرب اور عشاء کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی گرمی سے آواز میں دلکشی کم ہوجاتی ہے اور اشغال کی وجہ سے طبیعت میں انتشار اور گھروں اور بازاروں میں آوازوں کی کثرت اور شوروغوغا کی زیادتی سے لذت میں کمی آجاتی۔ ان اوقات میں قراءت آہستہ رکھی گئی اور مغرب، عشاء اور فجر میں قراءت بلند رکھی گئی ہے کہ یہ پرسکون اوقات ہیں اور ان سہانے حالات میں قرآن پاک کی جب خوبصورت آواز میں تلاوت ہوتی ہے تو امام اور مقتدی دونوں کی وجد آفریں قلبی کیفیت یکجا ہوتی ہے اور یہ اپنے رب کی بارگاہ میں سورت فاتحہ کے ذریعہ التجاء کرتے ہیں اور اس کا خاتمہ آمین بلند آواز سے کہہ کر کرتے ہیں اور اس پر اجتماعی آواز سے عجیب پرتاثیر فضا پیدا ہوتی ہے گوشہائے دل معمور اور سینہ پرنور ہوجاتا ہے۔ ایسے پرخلوص جذبات سے نکلی ہوئی آمین کی یہ صدا فرشتوں کی آمین سے موافقت کرتی ہوئی مغفرت الٰہی اور رضائے خدا کا باعث بنتی ہے۔

خفیہ آمین کہنے والوں کے دلائل کا جائزہ

۱۔ خفیہ آمین کہنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آمین کہی۔ ((وَاَخْفٰی بِهَا صَوْتَهٗ)) اور اپنی آواز خفیہ رکھی۔ (دارقطنی۔ احمد۔ ابوداوٗد طیالسی۔ ابویعلی۔ طبرانی)

اس کا حل:

اس کا حل یہ ہے کہ یہ حدیث اس موقف پر دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ متن اور سند کے لحاظ سے مضطرب ہے۔ شعبہ رحمہ اللہ کو ضبط نہیں اور ان کے مقابلہ میں بہت سارے ثقہ راویوں نے **رَفَعَ بِهَا صَوْتَهٗ** کہ آپ ﷺ نے آمین کے ساتھ آواز بلند کی) کے الفاظ روایت کیے ہیں۔ بیہقی فرماتے ہیں اس پر حفاظ حدیث اور بخاری رحمہم اللہ وغیرہ کا اجماع ہے کہ خفیہ آمین کہنے کے الفاظ میں امام شعبہ رحمہ اللہ سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۲۔ مغالطہ آرائی یہ کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، جب امام **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو۔

(مسلم: ۶۲۰)

اس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہ مقتدیوں کو حکم ہے امام نہ کہے۔

۲۔ اس کا حل یہ ہے کہ دیگر احادیث کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ ہوتا ہے جب امام کہے تو تم بھی آمین کہو تو یہ دلیل بھی خفیہ آمین کہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

۳۔ ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ آمین ایک دعاء ہے اور دعاء خفیہ کرنا ہی بہتر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ (الاعراف: ۵۵)

"کہ اپنے رب کو گڑگڑا کر اور خفیہ پکارو۔"

۳۔ اس کا حل یہ ہے کہ دعا خفیہ اور گڑگڑا کر کرنا عام حکم ہے۔ احادیث کی روشنی میں اس کی تخصیص ہو سکتی ہے کہ دعاء عام خفیہ کریں تو بہتر ہے تاہم اگر بلند آواز سے سورت فاتحہ کی تلاوت کریں تو آمین بھی بلند آواز سے کہی جائے یہ خاص ہے۔

۴۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ بلند آواز سے آمین تعلیم کے لیے کہی گئی ہے۔ اب منسوخ ہو چکی ہے۔

۴۔ اس کا حل یہ ہے کہ یہ محض دعویٰ ہے اس کی دلیل نہیں۔ بلند آواز سے آمین کہنے کے راوی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ آخر میں مسلمان ہوئے تھے۔ (مرعاۃ المفاتیح، ج۲، ص ۳۹۵)

ثابت ہوا کہ خفیہ آمین کہنے کے بارے میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں ان میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ دلیل بن سکے۔ (تفہیم الاسلام، ج۱، ص ۳۱۷)

تو مسنون یہی ہے جب سورت فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جائے تو امام، مقتدی، مرد، عورت، بچے اور تنہا سب بلند آواز سے آمین کہیں، یہی سنت ہے، خفیہ آمین صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ سے مرزا قادیانی کے استدلال کہ نبوت جاری ہے کا جائزہ

اگر چہ راقم اُثم سورہ فاتحہ کے اہم مباحث سے اپنی علمی استعداد کے مطابق فارغ ہو چکا ہے۔ ہمارے پیش نظر اس تفسیر میں باطل نظریات کے متعلق آگاہ کرنا ہے اور احقاق حق سے روشناس کرانا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ سے جو کہ زیب عنوان ہے جھوٹے نبوت کے دعویدار نے مغالطہ آرائی کی ہے۔ اس کا پردہ چاک کرنا ہمارا اسلامی فریضہ ہے اور تحفظ ختم نبوت کے خوبصورت محل کی چوکیداری کی حیثیت سے امت کے سامنے واضح کر دینا کہ ختم نبوت کی جمال آراء چادر کو کیسے داغدار کیا گیا ہے اور اس محل میں کیسے نقب زنی کی گئی ہے یہ ہم اپنی نجات کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

مرزائیوں کا صراط الذین سے استدلال:

مرزائی کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی اطاعت بھی کرتے ہیں اور ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ سے دعاء بھی کرتے ہیں اور ہم صدیقیت اور شہادت اور صلاحیت کے مراتب تک ترقی بھی کر سکتے ہیں۔ تو آیت سورت نساء میں ان سب کے ساتھ انبیاء کی رفاقت کا بھی ذکر ہے تو اگر آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت بالکل بند ہے اور کوئی شخص بھی نبی نہیں بن سکتا تو یہ دعاء بالکل اکارت وضائع جائے گی اور اطاعت بے ثمر رہے گی۔

پس لازم ہے کہ اس دعاء کی قبولیت اور اس اطاعت کا ثمرہ عہدۂ نبوت کی عطا کی صورت میں بھی ہو یعنی مرزا کی نبوت کو عطائی نبوت کی صورت میں جاری مانیں تو تب انعام یافتہ لوگوں کی راہ مانگنا مفید ہو سکتا ہے۔ (اعجاز المسیح تفسیر سورت فاتحہ مصنف مرزا قادیانی)

اس غلط استدلال کی تردید:

۱۔ بات تو یہ ہے کہ یہ استدلال قرآن وحدیث کے خلاف ہے یہ باطل ہے۔

۲۔ بات یہ ہے کہ آیت ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی توفیق طلب کی گئی ہے اس میں نبی بننے کی درخواست نہیں کی جاتی۔ کسی کی راہ پر چلنے کی دعاء مانگنے سے یہ نہیں ہوتا کہ اس کا منصب اور عہدہ بھی مل جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾ (الانعام : ۱۵۳)

''اور بے شک یہ میری یعنی اللہ کی سیدھی راہ ہے اس کی اتباع کرو۔''

اس کے مطابق کوئی یہ دعاء مانگے کہ اللہ کریم! مجھے اپنے رستے پر چلنے کی توفیق دے اور اس پر عمل بھی کرے کیا اسے یہ دعاء کرنے اور اس پر عمل کرنے سے راہ راست ملنے کے ساتھ اسے خدائی بھی مل جائے گی۔نہیں ہرگز نہیں۔ ثابت ہوا اتباع اور چیز ہے اور عہدہ وغیرہ اور چیز ہے۔

۳۔ باقی جو انبیاء کی رفاقت کا ذکر ہے یہ رفاقت روز قیامت ملے گی یہ نہیں کہ عہدۂ نبوت ملے گا۔

۴۔ صدیقیت اور شہادت اور صلاحیت کے درجات ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے شہادت اور صلاحیت کا دروازہ کھل جاتا ہے لیکن نبوت کا دروازہ نبی ﷺ کے بعد بند ہو چکا ہے۔ شہادت اور صدیقیت کا درجہ جاری رکھا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (الحدید : ۱۹)

''اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لائے یہی لوگ صدیق اور ان کے رب کے نزدیک شہداء ہیں۔''

اس آیۂ مبارکہ میں بھی دنیا میں صدیقیت اور شہادت کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے لیکن نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بندہ ہو چکا اس کا حصول ممکن نہیں۔

نبوت دعاء سے نہیں ملتی

نبوت کا حصول دعاء و التجاء سے نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اپنے انتخاب سے وہ جسے چاہے نبی بناتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤى اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (القصص : ۸۶)

''آپ کو امید نہ تھی کہ آپ کی طرف کتاب اتاری جائے گی لیکن یہ تو تیرے رب کی رحمت ہے کہ اس نے آپ پر کتاب اتاری۔''

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کی دین کہ موسیٰ سے پوچھیے احوال
آگ لینے جائیں پیغمبری مل جائے

ایک دوسرے مقام پر ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾(الانعام : ١٢٤)

''اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ رسالت جہاں رکھتا ہے۔''

تو نبوت اللہ کی عطاء ہے کسی کے دعاء کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ الحمد للہ مرزا قادیانی کی اس آیت پر مغالطہ آرائی کا پردہ چاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کی تائید کی توفیق دے تحریف سے محفوظ فرمائے۔ آمین الحمد للہ

اللہ کا یہ بندہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ۲۰۱۷-۱۱-۹ بروز جمعرات بوقت دوپہر ۱:۴۵ پر بمطابق (۱) صفر ۱۴۳۹ھ کو فارغ ہوا۔

اے شہنشاہ! جس طرح اس اپنے ادنیٰ غلام کو سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی توفیق ارزاں فرمائی ہے۔ اسی طرح اپنی معجزہ نما کتاب کی تفسیر پوری کرنے کی ہمت اور مہلت عطا فرما اور اسے امت کے لیے مفید اور میرے لیے اسے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ آمین یارب العلمین۔

میرے لیے، میری بیوی اور میری اولاد اور میرے والدین اور اساتذہ کے لیے دارین کی سعادت بنا دے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "